

آغا: لیب مکام

نجم الدولہ دیر الملک میرزا اسد اللہ خان بہادر نظام جنگِ دہلوی متخلص بہ
غالب کے اون عرایض و خطوط کا مجموعہ جو نواب فردوس مکان،
نواب خلد آشیان (طاب ثراہما) یا دیگر وابستگانِ
دربار کی خدمت میں لکھے گئے تھے

باضافہ

مقدمہ و حواشی از

امتیاز علی عرشی

ناظم کتابخانہ ریاست رامپور

حسب الحکم فرمانروایِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم

مطبوعہ قیمہ — بمبئی

(مالکان : شرف الدین الکتبی و اولادہ)

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

فهرستِ تصاویر

مقابل صفحه

۱ - شبیهِ نجم الدوله دیر الملک اسد الله خان بهادر نظام جنگ

متخلص به غالب ۱۷ دیاچه

۲ - عکسِ خطِ میرزا اسد الله خان غالب دهلوی محفوظه

دار الانشاء ۱۴۶ دیاچه

۳ - شبیهِ مبارک جناب نواب سید محمد یوسف علیخان بهادر

فردوس مکان، طاب ثراه ۱

۴ - شبیهِ مبارک جناب نواب سید محمد کلب علیخان بهادر

خلد آشیان، طاب ثراه ۴۸



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سنہ ۱۹۳۵ ع میں جنابِ معلی القاب عالمیر تبت سید بشیر حسین صاحب بہادر زیدی، چیف منسٹر ریاست رامپور، نے حقیر عرشی کو حکم دیا، کہ ہندگانِ اعلیٰ حضرت ہز ہائنس کپتان عالیجہ، فرزندِ دلپزیر دولتِ انگلشیہ، مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامرا، نواب سید محمد رضا علیخان بہادر مستعد جنگ فرماںروایِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم کے ایمایِ ہمایون کے مطابق، میرزا اسد اللہ خان بہادر غالب دہلوی کے مکاتیب، جو موصوف نے نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان (طاب ثراہما) یا دیگر وابستگانِ دربار کے نام لکھے تھے، اور عرصہ سے محکمۂ عالیۃ دارالانشا میں محفوظ تھے، ضروری خواشی اور ایک سیر حاصل مقدمہ کیساتھ مرتب کروں۔

میری علی بیے بضاعتی اس بارِ گران کی کسی طرح متحمل نہ تھی، اور دامنِ ہمت اس شرفِ بیے پایان کے احاطہ سے کوتاہ نظر آتا تھا۔ مگر بمقتضایِ من درین رتبہ از کجا؟ لیکن * مور پروردۂ سلیمان است

بتعمیلِ حکم ترتیبِ مکاتیب کا کام شروع کیا، اور مسلسل دو سال کی شب و روز کی محنت کے بعد اس مجموعہ کی ترتیب کے فریضہ سے سبکدوش ہوا۔ مجھے اسکا اعتراف ہے کہ میرزا غالب کے سہلِ ممتنع مکتوبات پر حواشی

کا اضافہ ریشمی لباس میں ٹاٹ کا پیوند لگانا، اور اونکی انشا پر اظہارِ رای آفتاب کو دنیا سے روشناس بنانا ہے۔ تاہم اسکی قبولیت کا خواستگار، اور یہ سوچکر کہ قبولیت کے لئے نازِ خوبی سے زیادہ نیازِ خلوص کی ضرورت ہے، جو میرا واحد سرمایہٴ حیات ہے، اپنی مراد کے حصول کا امیدوار ہوں۔

دیاچہ کی ضرورت

میرزا غالب مرحوم کے سوانحِ حیات اور کلامِ نظم و نثر کا انداز و مرتبہ سمجھنے کیلئے خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کی «یادگارِ غالب» مولانا غلام رسول مہر کی «غالب»، اور مسٹر محمد اکرام، ایم، اے، کی تازہ ترین کتاب «غالب نامہ»، عصرِ حاضر کی وہ مایہٴ ناز تصنیفات ہیں، جنکے بعد اس مضمون پر کسی مطوّل یا مختصر تالیف کی ضرورت عرصہ تک محسوس نہیں کیجائیگی۔ اسلئے کہ ان حضرات نے اندرونی و بیرونی شہادتوں پر اپنے بیانات کی بنیاد استوار کی ہے، جسکے باعث انکا مطالعہ کرنیوالا میرزا صاحب کی مادی و فکری دنیا میں باریاب ہونیکا شرف حاصل کرلیتا ہے، اور یہی ایک شاعر و مفکر کے خیالات سمجھنے کا بلند ترین درجہ ہے۔ لیکن باہینہ میرے لئے ناگزیر ہے کہ میرزا صاحب کے حالاتِ زندگی اور انشائی اردو کی خصوصیات پر خامہ فرسائی کروں۔

اولاً اسلئے کہ ضروری مواد دستیاب نہونیکے باعث مذکورہ بالا تصنیفات میرزا صاحب کے تعلقاتِ رامپور پر، جو اونکی آخری زندگی کا اہم باب ہے، کاحقہ روشنی ڈالنے سے قاصر نظر آتی ہیں۔

ثانیاً اسلئے کہ ان تالیفات کا دائرہ میرزا صاحب کی ساری کائناتِ ادب کو محیط ہے، جسکے سبب سے ان میں خاص انشائی اردو سے سیر حاصل بحث نہیں کیگئی ہے۔ حالانکہ یہ صنفِ ادب اونکی خصوصیتِ خاصہ تسلیم کیگئی ہے، جس میں ہندوستان کا کوئی ادیب، بغیر استثنا، آجکے شرکت

کی جرات نہیں کر سکا ہے۔

ثالثاً اسلئے کہ خود میرزا غالب نے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو نواب فردوس مکان کی خدمت میں عرض کیا تھا، کہ میری یہ آرزو ہے کہ ولی نعمت کو اپنی ساری روداد سنا دوں، تا کہ کسی طرح کا پردہ درمیان نہ رہے۔
میرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

» ہر آئینہ در دل چنان گزشت، کہ درین بارید انسان سخن مرای توان گشت، کہ مرگزشت
من از ولی نعمت نہان و حجابی درمیان نماند۔۔ (۱)

دیباچہ کی مباحث

لیکن میرزا صاحب کے سوانح لکھتے وقت اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے، کہ صرف وہی واقعات بیان کیے جائیں جو خود میرزا صاحب نے ان مکاتیب میں دربارِ رامپور یا وابستگانِ دربار کو تحریر کیے تھے اور عام حالات سے، جو اردویِ معلیٰ یا عودِ ہندی وغیرہ میں مذکور ہیں، قطعاً بحث نہ کی جائے۔ البتہ تعلقاتِ رامپور کی بنا میرزا صاحب کی تمام اردو فارسی تحریروں پر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس موضوع سے کسی بزرگ نے تفصیلی بحث نہیں کی تھی۔

میرزا صاحب کے حالاتِ زندگی کے بعد اونکی انشائیِ اردو کے انداز، اور اوسکے اجزا کی خصوصیات سے علیحدہ علیحدہ تفصیلی بحث کی گئی ہے، اور کوشش کی ہے کہ حتی الامکان زیرِ نظر مکاتیب سے مثالیں مہیا کی جائیں۔ لیکن اردویِ معلیٰ اور عودِ ہندی کو بھی ہر جگہ پیشِ نگاہ رکھا ہے، اور نئی امثلہ کیساتھ ساتھ قدیم نظائر بھی درج کی ہیں۔ اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں بھی زیرِ بحث آئی ہیں، جنکا تعلق انشا سے زیادہ میرزا صاحب کے عادات و خصائل یا عام حالات سے تھا۔ لیکن، جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے، دیباچہِ ہذا میں عنوانِ سرگزشت کے ماتحت صرف وہی حالات

لکھے گئے ہیں، جنکا ذکر اس مجلہ کے مکاتیب میں ہوا ہے، دیگر تمام عام حالات نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں یہی مناسب نظر آیا کہ ان مباحث کو انشا کے ساتھ بیان کیا جائے۔ چونکہ ان کا انشا سے بھی کافی تعلق ہے، اسلئے امید ہے کہ مطالعہ کیوقت بے محل معلوم نہ ہونگے۔

ماخذ دیباچہ و حواشی

حواشی اور دیباچہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے امداد حاصل کی گئی ہے، اونکے اسما اور سنین طباعت حسب ذیل ہیں :

- (۱) - اردوئی معلیٰ، طبع اول، اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ع)۔
- (۲) - ایضاً، طبع لاہور سنہ ۱۹۲۶ع۔
- (۳) - عودِ ہندی، طبع اول، مطبع مجتہائی میرٹھ ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ھ۔
- (۴) - کلیاتِ نظمِ فارسی، طبع اول، مطبع نولکشور سنہ ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ع)۔
- (۵) - کلیاتِ شہرِ فارسی، طبع دوم، مطبع نولکشور سنہ ۱۸۷۱ع۔
- (۶) - قاطعِ برہان، طبع اول، مطبع نولکشور سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۲ع)۔
- (۷) - ابرِ گہر بار، طبع اول، اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۲۸۰ھ۔
- (۸) - دیوانِ غالب مع شرحِ نظامی، مطبوعہ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ع۔
- (۹) - یادگارِ غالب، مطبوعہ نامی پریس کانپور سنہ ۱۸۹۷ع۔
- (۱۰) - غالب، مصنفہ مولانا مہر، طبع لاہور سنہ ۱۹۳۶ع۔
- (۱۱) - خزائنہ عامرہ، مصنفہ آزادِ بلگرامی، مطبوعہ نولکشور پریس کانپور سنہ ۱۸۷۱ع۔
- (۱۲) - انتخابِ یادگار، مصنفہ امیرِ مینائی، مطبوعہ رامپور سنہ ۱۲۹۰ھ۔
- (۱۳) - اخبار الصنادید، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۸ع۔
- (۱۴) - تذکرہ کاملانِ رامپور، مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی سنہ ۱۹۲۹ع۔
- (۱۵) - انشایِ نور چشم، مطبوعہ نظامی پریس کانپور سنہ ۱۲۹۱ھ۔

- (۱۶) - ڈکشنری آف انڈین لیاگرافی، مصنفہ بکلینڈ بزبانِ انگریزی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۶ع (اس کتاب سے صرف انگریز حکام کے حالات ماخوذ ہیں)۔
- (۱۷) - اورینٹل لیاگرافیکل ڈکشنری، مصنفہ ییل بزبانِ انگریزی، مطبوعہ سنہ ۱۸۹۴ع۔

ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ حسبِ ذیل قلمی کتابیں بھی زیرِ مطالعہ رہی ہیں :

- (۱) - تاریخِ محمدی، مصنفہ محمدِ حارثی بدخشی، نسخہ مولف۔
- (۲) - تاریخِ لطیف، مصنفہ مولوی مہدیعلیخان رامپوری، نسخہ مولف۔
- (۳) - تشریح السنین، مصنفہ محمد بشیر الدین کاکوروی، نسخہ مولف۔

تصاویر

کتاب میں نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان اور میرزا غالب کی تصویریں اور موخر الذکر کے ایک خط کا فوٹو شامل ہے۔

نواب فردوس مکان کی تصویر اونکے کلیاتِ اردو کے آغاز کی قلمی تصویر کا عکس ہے۔ یہ تصویر نواب صاحب کے درباری مصور محمد جان کی بنائی ہوئی ہے، اور اصل کتاب میں رنگ آمیز ہے۔ تصویر کے چاروں طرف کشمیری طلاکاری مرزا محمد حسن کشمیری کے قلم کی رہیں منت ہے۔ مرزا محمد حسن دربارِ رامپور کے متوسلین میں تھے، اور یہاں کی قدردانی کی بدولت اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر رامپور میں قیام پزیر ہو گئے تھے۔ انکے اخلاف اب تک کتب خانہ کے اسٹاف میں موجود ہیں۔

نواب خلد آشیان کی قلمی تصویر، جسکا عکس شایع کیا جا رہا ہے، کسی نامعلوم پینٹر کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن یہ بھی ندرتِ فن کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور اصلاً رنگ آمیز ہے۔

میرزا غالب کی تصویر اوس قلمی تصویر کا عکس ہے، جو اونکی زندگی میں کلیاتِ نظمِ فارسی کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ (۱۸۶۳ع) میں شایع ہوئی تھی۔ یہ ایڈیشن اب نایاب ہے۔ اسلئے مناسب خیال کیا

گیا کہ بجائے عام تصاویر کے، جنکی تاریخی حیثیت مشتبہ ہے، اوس تصویر کا عکس پیش کیا جائے، جو خود میرزا صاحب شایع کراچکے ہیں۔

میرزا صاحب کا رسم تحریر پیش کرنیکے لئے وہ خط منتخب کیا گیا ہے، جو اون کے تعلقاتِ رامپور کے آغاز کی تاریخی سند ہے۔ اس سے یک وقت معلوم ہوسکے گا کہ میرزا صاحب کا رسم خط کیسا تھا، اور رامپور سے اونکے تعلقات کس سنہ میں شروع ہوئے۔

شکریہ

میرا فرض ہے کہ جناب سید شوکت علی صاحب ڈپٹی سیکریٹری دار الانشا اور حکیم انوار الحسن صاحب محافظ دفتر دار الانشا کا شکریہ ادا کروں۔ ان حضرات نے اپنے قیمتی وقت کا بڑا حصہ صرف کر کے، امشلہ کی تلاش میں مجھے امداد بہم پہنچائی ہے۔ اس طرح میسرز شرف الدین اینڈ سنس مالکانِ مطبع قیمہ، بمبئی، کا شکریہ بھی میرے ذمہ واجب ہے۔ ان اصحاب نے طباعت کے سلسلہ میں ہر قسم کے فنی مشورے دیئے، اور تغیر و تبدل الفاظ و فقرات کی انتہائی فراخ حوصلگی سے تعمیل کی۔ آخر میں میں سرکار کی درازیِ عمر و ترقیِ جاہ و جلال کی دعا پر تمہید ختم کرتا ہوں۔

از دستِ گدایِ ینوا ناید ہیچ • جز آنکہ بصدقِ دل دعائی بکند

احقر

امتیاز علی عرشی

ناظمِ کتبخانہ

کتبخانہ، قلمہ مغل، ریاست رامپور۔

۱۵ مارچ سنہ ۱۹۳۷ ع

سرگزشتِ غالب

آتشِ غدر سرد ہو جانیکے بعد میرزا غالب نے نواب فردوس مکان کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا، جسکا یہاں سے جواب نہیں گیا۔ میرزا صاحب نے خیال کیا کہ غالباً میری رودادِ غدر سے واقف نہونے کے باعث سرکار کو شبہ ہے کہ میں بھی باغیوں کا شریکِ کار رہا ہوں، اور اس بنا پر از رام احتیاط مراسلت سے احتراز فرمایا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کیلئے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو انھوں نے دوسرا عریضہ ارسال کیا، اور اوس میں اپنے انگریزی روابط، حقیقتِ تعلقِ قلعہ، اور ایامِ غدر میں اپنی گوشہ گیری کے تذکرہ سے پہلے سرکار کو لکھا:

• در زمان چیرہ دستی کور نمکان سپاہ و سپاہ سر رشته یام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادن نامہ بر رساندن نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمان داوران دادگر روائی و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ در پیام روان داشته شد، و نا رسیدن پاسخ آترا چنان پنداشته شد، کہ مگر آن نیایشنامہ نرسیدہ باشد، یا فرط احتیاط مانع تحریر جواب گردیدہ باشد۔ ہر آئینہ در دل چنان گزشت کہ درین باربد انسان سخن مرای توان گشت کہ سرگزشت من از ولی نعمت نہان و حجابی در میان نماند۔ (۱)

میرزا صاحب کی اس توجیہ کے پیش نظر میں نے بھی یہی مناسب خیال کیا کہ کم از کم وہ حالات، جو خود میرزا صاحب اس عریضہ یا دیگر عرایض و مکاتیبِ رامپور کے ذریعہ نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان، یا وابستگانِ دربار کے علم میں لانا ضروری سمجھتے تھے، آغازِ مکاتیب میں شامل کردوں، تاکہ اس مجموعہ کے مطالعہ کرنیوالے کی نگاہ سے بھی وہ حجاب دور ہو جائے، جو مکتوب الیہم کے درمیان سے اونٹھایا گیا تھا۔

نام تخلص اور القاب شاہی

میرزا صاحب کا نام » اسد اللہ خان « تخلص » غالب « اور شاہی لقب » نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ « تھا ۔ عریضہ نمبر ۱۳ کے آخر میں نام ، نمبر ۷ اور ۱۱ کے خاتمہ میں نام اور تخلص ، اور نمبر ۱ کے زیرین گوشہ کی مہر میں نام مع القاب شاہی مذکور ہے ۔ (۱)

عرف

عرایض میں میرزا صاحب کا عرف کہیں مذکور نہیں ۔ لیکن سرکاری جوابات کے مسودوں کے آغاز میں ہمیشہ » بنام میرزا نوشہ صاحب « درج ہوتا ہے ۔ نیز قصیدہ » ہمانا اگر گوہر جان فرستم « کے لفافہ کی پشت پر بھی میر منشی صاحب نے یہی نام لکھا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کا عرف » مرزا نوشہ « تھا ۔ (۲)

تاریخ پیدائش

عریضہ نمبر ۷ میں میرزا صاحب لکھتے ہیں :

« از سر آغاز سال یکھزار و مئت صد و شش کہ درانگاہ شمار عین عمر من از دہ نگزشتہ بود » (۳)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۰۶ ع میں میرزا صاحب کی عمر کا دسواں سال تھا ۔ گویا وہ سنہ ۱۷۹۷ ع میں پیدا ہوئے تھے ۔ اردوی معلیٰ اور عود ہندی میں ۸ رجب سنہ ۱۲۱۲ ھ تاریخ پیدائش بتائی گئی ہے ، (۴) جو سنہ ۱۷۹۷ ع کے مطابق ہے ۔ اسلئے اس انگریزی سنہ کو صحیح سال پیدائش شمار کرنا چاہیے ۔

نسی خاندان — چچا

میرزا صاحب نصر اللہ بیگ خان بہادر کے بھتیجے تھے ۔ نصر اللہ بیگ خان چار سو سواروں کے رسالہ کے افسر تھے ، اور جنرل لارڈ لیک بہادر کی

(۱) مکاتیب ، ص ۲۰ و ۱۴ و ۱۸ و ۴ (۲) ایضاً ، ص ۶ حاشیہ نمبر ۱ (۳) ایضاً ، ص ۱۱

(۴) اردوی معلیٰ ، ص ۳۹۹ و عود ہندی ، ص ۶۹

معیت میں حکومتِ انگریزی کی گرانقدر فوجی خدمات انجام دیجکے تھے، جسکے صلہ میں پرگنہ «سونک سونسا» بقیدِ حینِ حیات جاگیر میں عطا ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۰۶ ع میں نصر اللہ بیگ خان بہادر کا یکایک انتقال ہو گیا۔ گورنمنٹ نے جاگیر واپس لیکر اونکے ورثا کی پنشن مقرر کردی، جو ابتداء ریاستِ فیروزپور جہر کہ کے خزانہ سے اور بعد ازاں غدر تک خزانہ کلکٹری دہلی سے تقسیم ہوتی رہی۔ یہ تمام تفصیل میرزا صاحب نے عریضہ نمبر ۷ میں تحریر کی ہے۔ فرماتے ہیں:

«حالی راجہ آری باد کہ دیرینہ نمکخوار سرکار انگریزم۔ و از سر آغاز سال یکھوار و ہشت صد و شش کہ درانگاہ شمار سنین عمر من از دہ نگزشتہ بود، بعوض جاگیر عم حقیقی نسبی خود نصر اللہ بیگخان بہادر، کہ باجمعت رسالہ چار صد سوار بمعیت جرنیل لاژد لیک بہادر در فتح ہندوستان کو ششہای نمایان کردہ، و پرگنہ سونک سونسا بقید حینِ حیات جاگیر یافتہ، و ہم دران عہد ہمرگ ناگاہ از جہان رقتہ بود، بفرمان جرنیل لاژد لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشن زوی شامل جاگیر عم سببی من نواب احمد بخش خان بہادر در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری، کہ بذمہ احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔» (۱)

حقیقی بھائی

ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی میرزا یوسف خان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

«بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں۔ ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسری میری بھائی کی پنشن کی حقیقت۔» (۲)

میرزا یوسف خان نے ۲۹ صفر سنہ ۱۲۷۴ ھ مطابق ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۸۵۷ ع کو بحالتِ دیوانگی دلی میں انتقال کیا۔ (۳)

سبی خاندان - بی بی

میرزا صاحب کی بی بی امراؤ بیگم نواب الہی بخش خان معروف کی بیٹی تھیں۔ یہ ۷ رجب سنہ ۱۲۲۵ ھ (۱۸۱۰ ع) کو میرزا صاحب کے عقد میں آئیں، اور اونکی وفات کے چند ماہ بعد تک زندہ رہیں۔ نواب فردوس

(۱) مکاتیب، ص ۲۱ (۲) ایضاً، ص ۲۷ (۳) کلیاتِ ثر فارسی، ص ۲۹۹

مکان کی مزاج پرسی کرتے ہوئے میرزا صاحب نے انکے متعلق لکھا ہے :

• جب میرزا صاحب کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا تو ، عالم الغیب گواہ ہو کہ بچہ اور میری بی بی پر ... کیا گزروا رہی ہو ۔ (۱)

میرزا صاحب کے انتقال کے بعد امراؤ بیگم نے اپنی مالی مصیبت کا سارا بوجھ چٹھالکھڑکشنر دہلی سے درخواست کی تھی کہ میرزا صاحب کی پنشن حسین علیخان پسر متبی کے اور میرے نام منتقل کر دیجائے۔ لیکن ڈپٹی کمشنر کی ہمدردانہ رپورٹ کے باوجود کمشنر دہلی نے جواب دیا کہ متبی بیٹے کے نام پنشن کی طرح جاری نہیں ہو سکتی۔ البتہ بیوہ پچھری میں حاضر ہو تو اوسکے نام دس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا جائیگا۔ اس باغیرت بی بی نے پچھری کی حاضری کو گوارا نہ کیا، اور دس روپیہ ماہوار کے وظیفہ سے انکار کر دیا۔ حسین علیخان نے ۱۲ جون سنہ ۱۸۶۹ ع کو نواب خلد آشیان کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تھا۔ اوس میں میرزا صاحب کے قرض کی ادائیگی کی درخواست ، اور اپنے حاضر نہ ہوسکنے کے عذر کے بعد ، بیگم صاحبہ غالب کی درخواست پنشن کے بارے میں لکھتے ہیں :

• پنشن سرکار انگریزی کی یہ صورت ہوئی ، کہ ہنگام ثبوت و تحقیق مفلسی و بیفقدوری و قرضداری ڈپٹی کمشنر صاحب ڈ رپورٹ اچھی کی۔ اوسپر صاحب کمشنر بہادر فی حکم دیا کہ پسر متبی کی پنشن نہیں ہو سکتی۔ ہاں زوجہ کیواسطی مبلغ دس روپیہ تجویز ہوئیگی۔ جناب دادی صاحبہ ڈ دس روپیہ نامعلوم کیو۔ یہ امید بھی جاتی رہی ہو۔ (۲)

اس عرضی کے آخر میں بیگم صاحبہ نے لکھا ہے :

• از جانب امراؤ بیگم۔ بعد کورائش بتوحد مضمون عرضی ہذا یہ گزارش ہو۔ کہترینہ اول بعمر ہفتاد سالہ حرکت و نقل مکان سے معذور۔ اور سوائے اوسکی صدمہ انتقال شوہر اور هجوم قرض خواہان سے اور معیشت آئندہ سے مجبور۔ با این ہمہ بسبب عدت کے غامہ سے باہر نہیں نکلیں گی۔ بدین وجوہ مانع حضوری ہو۔ اور سوائے دولت کے کوئی ملجا و ماوا نظر نہیں آتا۔ حضور کو دستگیری مجھے۔ بیکس عاجزہ کی واجب ہو۔ اور یہ ارادہ ہو کہ بعد انقضای مدت عدت خدمت میں حاضر ہوں ، اور وہیں انفاس بقیہ کو گزاروں۔ اب نان شینہ کو محتاج ہوں۔

چارہ اسکا بجز بندگان عالیٰ کو ممکن نہیں۔ رحم فرمائو اور خبر گیری کیجی، کہ بدعا گوئی دولت ابد مدت مشغول رہوں۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ھ (اگست سنہ ۱۸۶۹ع) کو بیگم صاحبہ نے

نواب خلد آشیان کو پھر لکھا:

«جناب عالی! جس روز می مرزا اسد اللہ خان غالب کو وفات پائی ہو، تو یہ عاجزہ بیوہ اسقدر مصائب میں گرفتار ہو، کہ تحریر می باہر ہو۔ اول تو یہ مصیبت ہو کہ مرزا صاحب مرحوم آئمہ سو روپیہ کی قرضدار مری، دوسری مصیبت یہ کہ پنشن انگریزی مسدود ہوئی، تیسری یہ کہ تنخواہ سو روپیہ ماہوار، جو آپ از راہ قدر دانی کو مرزا مرحوم کو ارسال فرمائی تھی، وہ بھی یک لخت موقوف ہوئی، اب تک قرض لیکر اوقات بیری کی، اب قرض بھی نہیں ملتا، نوبت فاقہ کشی کی پہنچی، اس حالت حیرانی اور پریشانی میں پھر یہی خیال آیا، کہ اللہ تعالیٰ فی ہمارا وسیلہ پرورش اور اوقات گزاری کا اس دنیا میں آپکی ذات بابرکات کو بنایا ہو، اور سوائے آپکی ذات بابرکات کی دوسرا کوئی نظر نہ آیا، لاپچار برخوردار حسین علیخان کو آپکی قدموں پر ڈالا، آپنی بسبب شرفا پروری اور اقتضای مروت اور فتوت کو اسقدر اوپر حال برخوردار کو عنایت فرمائی ہو، کہ بیان می باہر ہو، اب دعا گو کی یہ تمنا ہو کہ ایسی پرورش مجھ ضعیفہ کی ہو جائی، کہ مرزا مرحوم حق عباد سے بری ہو جائیں، کہ یہ سخت عذاب ہو، اگر حضور صورت ادای قرض فرمادیں تو کمال ثواب عظیم ہوگا، اور اگر دفعہ صورت ادای قرض مناسب رای بیضا ضیا کی نہو، تو یہ تنخواہ ششہا کی بحساب فی ماہ صد روپیہ بالفعل مجھ بیوہ کو عنایت ہو جائی، باقی ۶ ماہ اور بحساب مذکورہ بالا مرحمت فرمائی، تاکہ میں بیوہ قرض مرزا صاحب کا ادا کردوں، اور ظاہر ا یقین ہو کہ زندگی میری بھی امی میعاد میں پوری ہو جائیگی..... اور پنشن میری دس روپیہ انگریز کرتا ہو، بشرط اینکه کچہری میں حاضر ہوں، اور جانا میرا کچہری میں ہرگز نہوگا، گوفاقون می مر جاؤں، کیا میں اپنی باپ اور چچا اور شوہر کا نام روشن کروں، اور جو عزت اور ریاست میری چچا کی اور حرمت میری والد کی اور شوہر کی آگے خاص و عام کو بھی حضور پر سب روشن ہو۔ (۱)»

اس عریضہ پر بھی سرکار نے کوئی حکم نہ دیا، تو ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۶ھ کو بیگم صاحبہ نے مکرر درخواست پرورش پیش کی، اسکا مضمون تقریباً سابق درخواست کے مطابق ہے، اسلئے اعادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس عرضی کے لفافہ پر میر منشی صاحب کا نوٹ ہے:

د پیش نموده شد . حکم نفاذ یافت کہ درین خصوص بہ نواب مرزا خان فہائش و ہدایت بعمل آمدہ . ۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ ع .

اس تاریخ کے بعد صرف ایک اور درخواست کا پتہ چلتا ہے ، جو شعبان میں بھیجی گئی تھی . لیکن مثل میں اوسکا لفافہ شامل ہے . اصل عرضی موجود نہیں . اسکے بعد امراؤ بیگم کا تذکرہ نہیں ملتا . اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اونکی یہ پیشینگوئی کہ » میں اسی ششماہی میں فوت ہو جاؤنگی « درست نکلی . اور وہ سنہ ۱۲۸۶ ھ ہی میں فوت ہو گئیں .

بی بی کی چچا اور بھائی

نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھرکہ و جاگیردار لوہارو میرزا صاحب کی بی بی کے حقیقی چچا اور میرزا صاحب کے چچا سسر تھے . انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے لڑکے نواب شمس الدین احمد خان کو فیروزپور کا رئیس بنا دیا تھا ، اور خود گوشہ گیر ہو گئے تھے . نواب شمس الدین احمد خان بہادر کو ولیم فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے قتل کے الزام میں پھانسی دیدی گئی . میرزا صاحب نے اپنی سرگزشت میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے ، اور اوسی میں نواب شمس الدین احمد خان کے قتل کی طرف بھی اشارہ کر گئے ہیں . فرماتے ہیں :

» بفرمان جرنیل لاژد لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشن ذری شامل جاگیر عم سبی من نواب احمد بخش خان بہادر دروجہ معاش منجملہ ذراستمراری سرکاری ، کہ بذمہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود ، قرار یافت . چون جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت و جاگیر بسرکار باز یافت شد ، رسیدن آن وجہ مقرری از خزائنہ کلکتری دہلی صورت پذیرفت . « (۱)

نواب احمد بخش خان نے سنہ ۱۸۲۷ ع میں اور نواب شمس الدین احمد خان نے سنہ ۱۸۳۵ ع میں اس دار فانی سے کوچ کیا .

بی بی کی پوتی — باقر علی خان

امراؤ بیگم کے سات اولادین ہوئیں ، لیکن ان میں سے کسی نے پندرہ ماہ

سے زیادہ عمر نہیں پائی۔ ان میان بی بی نے زین العابدین خان عارف کو، جو امراؤ بیگم کے حقیقی بھانجے تھے، منہ بولا بیٹا بنالیا۔ یہ دو خورد سال بچے چھوڑ کر جوانی میں انتقال کر گئے۔ ان دونوں میں بڑے باقر علیخان تھے، جو والد کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک اپنی دادی بنیادی بیگم کے ہاں رہے اور ان کے بعد میرزا صاحب کے پاس چلے آئے۔ میرزا صاحب نے انکی پرورش کی، پڑھایا لکھایا، اور جب جوان ہو گئے تو ڈھائی ہزار روپیہ لگا کر نواب ضیاء الدین خان بہادر کی صاحبزادی سے شادی کر دی۔ نواب خلد آشیان کو انکی شادی اور اوسکے اخراجات کے بارے میں لکھا ہے :

«باقر علیخان کی شادی نواب ضیاء الدین خان کے ہاں ہوئی۔ اونہوں نے کھانہ جوڑی کے دو ہزار

روپیہ دیے۔ اور میری زوجہ نے پانسو روپیہ کا زیور لگا کر پچیس سو روپیہ صرف کیے۔» (۱)

باقر علیخان نے سنہ ۱۲۹۳ ھ (۱۸۷۶ ع) کو انتقال کیا۔

حسین علیخان

عارف کے چھوٹے لڑکے حسین علیخان کو میرزا صاحب نے عارف کی جگہ متبنی کر لیا تھا۔ چنانچہ نواب فردوس مکان کی مزاج پرسی کے پہلے خط میں انکو اپنا فرزند لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :

«جب میری حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سے مسعود ہوا میری عالم القیب گواہ ہو کہ

مجھ پر..... اور میری فرزند حسین علی خان پر کیا گزر رہی ہو۔» (۲)

نواب خلد آشیان کی خدمت میں انکے متعلق میرزا صاحب نے بار بار تحریریں لکھی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع کو انکی منگی کے بارے میں لکھا :

«آپ کو غلام زر خرید، یعنی حسین علیخان، کی منگی ہو گئی۔ اور اپنی کتبی میں ہوئی۔ یعنی نواب

احمد بخش خان مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سے۔ اور رجب کا مہینہ قرار پایا۔ اب میری

بڑھاپہ اور میری مفلسی کی شرم آپ کو ہاتھ ہو۔» (۳)

سرکار نے جواباً تحریر فرمایا کہ آپکی تحریر مجمل ہے۔ خلاصہ مکنونِ خاطر

تحریر فرمائیے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۵ ستمبر کو لکھا:

• مجھلا یہ کہ میں در دولت کا گدای خاك نشین اور وہ آپ کا غلام۔ تفصیل یہ کہ میری پاس نقد، جنس، اسباب، املاک، اور میری گھر میں زیور زینہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں۔ ہت اودھار قرض کوئی دیتا نہیں۔ آپ رویہ عنایت فرمائیں، تا یہ کام سر انجام پاؤ، اور بوڑھی فقیر کی برادری میں شرم رچاؤ۔ دوسری بات یہ کہ سو روپیہ آپکی مرکار می بطریق خیرات اور باسٹھ رویہ آٹھ آؤ مینا مرکار انگریزی می بعوض جاگیر پانا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہوں کہ اس میں میرا بڑی مشکل می گزارا ہوتا ہو۔ چو کو کہاں می کھلاؤنگا؟ حسین علیخان کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائی۔ لیکن توقع تنخواہ اوسکی نام جاری نہ ہو۔ بلکہ اوسکی زوجہ حسن جہان بیگم بنت اکبر علیخان کو نام وہ تنخواہ مقرر ہو۔ اور اوسکی مہری رسید می ملا کری۔ زر مصرف شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی قسمت۔ (۱)

سرکار نے ارقام فرمایا کہ آپ مصارف کی مقدار لکھیے۔ اسکے بعد حکم مناسب دیا جاسکیگا۔ مابدولت کو بر بنای موانست و اتحاد قدیمہ آپ کی خوشنودی خاطر مد نظر ہے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۲۳ ستمبر کو تحریر کیا:

• حضرت فی غمخواری و تفقد و درویش نوازی کو اوس پایہ پر پہنچایا کہ شاہان عجم میں سلطان سنجر فی اور شاہان ہند میں شاہجہان فی ملازمن کی اتنی پرسش اور نوازش کی ہوگی۔ باقر علیخان کی شادی نواب ضیاء الدینخان کی ہاں ہوئی۔ اونہوں فی کھاؤ جوڑی کو دو ہزار رویہ دیئے۔ اور میری زوجہ فی پانسو روپیہ کا زیور لگا کر پچیس سو روپیہ صرف کیے۔ حسین علیخان کا سسر، یعنی اکبر علیخان، اپنی خاندان کا ہو۔ لیکن امیر نہیں۔ نوکری پیشہ ہو۔ اب یہ میں کیونکر عرض کروں کہ بھی کیا دو۔ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدار سوال عرض کری۔ حال مصارف شادی خاندان لکھ دیا ہو۔ دو ڈھائی ہزار میں شادی اچھی ہو جائیگی۔ لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میرا حق خدمت اتنا نہیں کہ اسقدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دوگو اوس میں شادی کر دوںگا۔ (۲)

اس عریضہ کا سرکار کی جانب سے کوئی جواب نکیا، اور رجب میں شادی ملتوی ہو گئی۔ میرزا صاحب نے ۲ رمضان سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ع کو یاد دہانی کرتے ہوئے لکھا:

• ماہ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علیخان یتیم کی شادی امی صبیغی میں ہو جائی، اور اس بوڑھی اپاہج فقیر کو رویہ مل جائی تو اس مہینے میں تیاری ہو رہی، اور

ذیاجہ

شوال میں رسم نکاح عمل میں آئی . اور چونکہ اس ماہ مبارک میں در فیض باز اور سال انگریزی کا بھی آغاز ہو ، وہ چھپس روپیہ مہینا جو زبان مبارک سے نکلا ہو ، جنوری سنہ ۱۸۶۸ء میں بنام حسین علیخان مذکور جاری ہو جائے ، تو مجھے گویا دونوں جہان مل گئے . (۱)

لیکن اس عریضہ کا جواب بھی صیغۃ التوا میں رہا ، اور ذیقعدہ آہنچا میرزا صاحب نے ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھا :

مرزا حسین علیخان کی شادی رجب کی مہینہ میں قرار پائی تھی . عطیہ حضور کو نہ پہنچنے کی سبب ملتوی رہی . آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہو ، ۱۵ دن یہ اور مہینا ذی الحجہ کا . اگر اسی ذیقعدہ کی مہینہ میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گی ، تو آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائیگا . خدا کری ! خداوند کی ضحیر میں یہ بھی گزری ، کہ غالب جب بہو بیابہ لائیکا ، تو اوسکو روٹی کہاں سے کھلائیکا . غرض اس سے یہ کہ حسین علیخان کی تنخواہ جاری ہو جائے . حضرت ! کوئی ایسا نہیں کہ جو میری مطالب حضور میں عرض کرتا رہی اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہو . (۲)

سرکار نے یہ درخواست منظور فرمائی ، اور آمد زمستان تک شادی سے فراغت کی امید ہو گئی . نواب مرزا خان داغ دھلوی ، اور حکیم مظفر حسین خان بہادر لکھنوی نے علی الترتیب میرزا صاحب کو قبولیت التماس کی اطلاع دی . اسکی توثیق نیز مکرر یاد دہانی کی خاطر میرزا صاحب نے ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھا :

تین التماسیں سابق پیش ہوئی تھیں . سو اب پہلی پر خوردار نواب مرزا خان کی تحریر سے اور پھر جناب مظفر حسین خان بہادر کی خط سے اُن خواہشوں کی منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی . انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور امی برس ۶۸ میں آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا فرض بھی ادا ہو جائیگا ، اور حسین علیخان کی شادی بھی ہو جائیگی ، اور اوسکیواسطو اوسکی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جائیگی . (۳)

اس عرصہ میں حسین علیخان کی سسرال سے شادی کا تقاضا شروع ہو گیا . میرزا صاحب نے مجبور ہو کر ۷ ستمبر کو ولی نعمت کی خدمت میں عرض کیا :

ہیر و مرشد ! حسین علیخان کی سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہو . زندگی مشکل ہو گئی ہو . بطریق شیشا اللہ سوال مختصر یہ ہو کہ جو حضرت کے مزاج میں آوی وہ عطا کیجیے ، اور حسین علیخان کو نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجیے . لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں . (۴)

سرکار نے ابھی اسکا جواب ارقام نہیں فرمایا تھا کہ اس عرصہ میں

(۱) مکاتیب ، ص ۱۰۰ . (۲) ایضاً ، ص ۱۰۲ . (۳) ایضاً ، ص ۱۰۵ . (۴) ایضاً ، ص ۱۰۶ .

میرزا صاحب پر قرضخواہوں کا سخت تقاضا ہونے لگا، اور شادی کی خوشی کے حصول سے قبل قرض کے غم کا رفع کرنا ضروری ہو گیا۔ ادائیگی قرض کی سیل صرف عطیہ سرکارِ رامپور تھا۔ بنابرین ۱۶ نومبر کو میرزا صاحب نے بحالتِ اضطراب لکھا:

”حال میرا تباہ ہوتا ہوتا اب یہ نوبت پہنچی، کہ ابھی تنخواہ مین سو ۴۵ روپے جی ۶۳۰ روپے کا چٹھا ماہوار کا سو سے مادہ دینا۔ مجھلا آٹھ سو روپے ہوں تو میری آبرو بچی ہو۔ ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکو نام کی تنخواہ سو قلع افار کی۔ اب اس باب میں عرض کروں کیا مجال۔ کبھی نکھونگا۔ آٹھ سو روپے بھگو اور دیجو۔ شادی کیسی؟ میری آبرو بچ جائی، تو غنیمت ہو۔“ (۱)

میرزا صاحب مرتے دم تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔ آخری عریضہ مین بھی، جو ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع کو تحریر کیا تھا^(۲)، حسین علیخان کی شادی کا ذکر نہیں کیا، اور یہ ارمان ساتھ لیکر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حسین علیخان نے انکے انتقال کے ایک مہینے بعد ۱۷ مارچ سنہ ۶۹ ع کو اپنے تقررِ تنخواہ کی درخواست بھیجی۔ بعد ازان ۱۲ جون کے عریضہ مین پھر اپنی خواہشِ وظیفہ کا اعادہ کیا، اور یہ بھی عرض کیا کہ فدوی بیمار ہے، اسلئے حاضرِ خدمت نہیں ہو سکتا۔ انشاء اللہ صحت کے بعد قدمبوسی کی سعادت حاصل کریگا۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ ھ (اگست سنہ ۱۸۶۹ ع) کو بیگم غالب نے سرکار کو جو عریضہ لکھا ہے اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسوقت حسین علیخان ملازم ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی انکی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ۲۱ فروری سنہ ۱۸۷۰ ع کو حسین علیخان نے رامپور سے دلی واپس جا کر منشی سیلچند صاحب کو ایک خط لکھا ہے۔ اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین علیخان اگست سنہ ۶۹ ع کے بعد رامپور آئے، اور فروری سنہ ۷۰ ع مین میرزا صاحب کی برسی کی فاتحہ کیلئے رخصت لیکر دلی گئے۔ وہاں سسرال والوں

نے شادی کا تقاضا کیا۔ ان کی تنخواہ صرف پچیس روپیہ ماہوار مقرر ہوئی تھی، اور ابھی ۶ ماہ ملازمت پر گزرے تھے، اسلئے کچھ پس انداز بھی نہ ہونے پایا تھا۔ لہذا بذریعہ عریضہ جداگانہ سرکار سے درخواست کی کہ مصارفِ شادی عطا فرما کر بندہ کی پرورش فرمائیے، اور منشی صاحب سے خواہش کی کہ اس کام میں آپ کوشش کریں۔ «یقین تو ہے کہ حضور دام اقبالہ بس رحم فرما کر کچھ عنایت فرمائینگے۔ آگے مقدر.»

اسکے بعد املہ میں شادی سے متعلق کوئی تحریر نہیں۔ اسلئے قیاس یہ ہے کہ حسین علیخان کو امداد ملگئی، اور سنہ ۷۰ ع میں انکی شادی کی تقریب انجام پائی۔

تعلیم — عربی و فارسی

میرزا صاحب نے عربی و فارسی کی صرف ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن زبانِ فارسی سے فطری دلچسپی تھی۔ خوش قسمتی سے عنفوانِ شباب میں ایک ایرانی نژاد بزرگ ملا عبد الصمد آگرہ وارد ہوا، اور دو سال تک انکے مکان پر مقیم رہا۔ یہ اصلاً زرتشتی تھا، اور فلسفہ و حکمت میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ میرزا صاحب نے اوس سے زبانِ فارسی کے حقائق و دقائق سیکھے، اور اسطرح اپنی بواسطہ تحصیلِ ادبِ فارسی کو پایہ تکمیل تک پہنچالیا۔ چنانچہ ایک عریضہ میں فرماتے ہیں:

«بدو فطرت می میری طبیعت کو زبان فارسی سی ایک لگاؤ تھا۔ چاہتا تھا، کہ فرہنگوں می بڑھکر کوئی ماخذ بجگو ملے۔ باری مراد بر آئی، اور اکابرِ پارس میں می ایک بزرگ بیان وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کی مکان پر دو برس رہا، اور میں نے اوس می حقائق و دقائق زبانِ پارسی کی معلوم کیو۔ اب مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہو۔ مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہو۔ بحث کا طریقہ یاد نہیں ہو» (۱)

قاطع برہان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا عبد الصمد سنہ ۱۲۲۶ ھ (۱۸۱۱ ع) میں آگرہ وارد ہوا تھا^(۲)۔

طب

میرزا صاحب نے ایک عریضہ میں اپنے طبی تجربہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو غالباً قدرے کتب طب کے از خود مطالعہ سے اور زیادہ تر ایام امراض کی طوالت اور کثرت استعمال ادویہ سے حاصل ہوا تھا۔ فرماتے ہیں :

«میں طبیب نہیں مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔» (۱)

اسکے بعد مختلف ادویات تجویز کی ہیں، اور بعض اشیاء سے پرہیز کی ہدایت کی ہے۔

علم نجوم

نواب فردوس مکان کے جشن غسلِ صحت کی تہنیت میں میرزا صاحب نے جو فارسی تہنیت نامہ لکھا ہے اوس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں علم نجوم میں بھی دخل تھا۔ اس مکتوب میں از روی نجوم ثابت کیا گیا ہے کہ مرض سرطان سے سرکار کی صحتیابی ایسی مبارک ساعت میں واقع ہوئی ہے کہ اسکے اثرات کے ماتحت عرصہ دراز تک سرکار مہلک امراض کے حملوں سے محفوظ رہیں گے۔ (۲)

وطن اور سکونت دہلی

میرزا صاحب کا وطن اکبر آباد (آگرہ) ہے۔ چنانچہ اپنے ایرانی استاد کے ذکر میں نواب خلد آشیان کو لکھا ہے :

«اکابر ہارس میں می ایک بزرگ بیان وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا۔» (۳)

لیکن شادی کے بعد دلی میں آ رہے تھے۔ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع کو لکھتے ہیں :

«میں باون ترین برس سے بیان رہتا ہوں۔» (۴)

اس حساب سے اونکا دلی میں قیام سنہ ۱۸۱۳ع یا سنہ ۱۸۱۴ع سے ہونا چاہیے۔ میرزا صاحب نے دلی میں ذاتی مکان کبھی نہ بنایا۔ ہمیشہ کرایہ کے مکانات میں رہے۔ ان میں سے دو کا ذکر ایک عریضہ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

• دیران خاص بر عنوان نامہ های پیشین نشان کلبۂ ابن درویش دلربش عقب مسجد جامع ناشتہ اند .
و من از هفت هشت سال در محله بیلاری می مانم . (۱)

مسکن کی حالات

جس عہد میں میرزا صاحب دلی تشریف لائے وہ اگرچہ دلی کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا، لیکن آثارِ شگفتگی و آبادانی ہر طرف ہویدا تھے۔ غدر سنہ ۵۷ع نے اس شہر کی بھی کھچی دولت لوٹکر نیا سکہ چلایا۔ عمارات گرا کر سڑکین بچھائی گئیں۔ شہر اوجاڑ کر قبرستان آباد کیے گئے، اور اہل ہنر کو شہر بدر کر کے فوج کا شہر میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ ایکبار نواب فردوس مکان کو چوب چینی کی ضرورت پیش آئی۔ دلی اطبا اور عطاروں کا مخزن تھا، اسلئے سرکار نے میرزا صاحب سے فرمایش کی۔ اسکے جواب میں ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ع کو میرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

• دلی اب شہر نہیں۔ چھاؤنی ہے۔ کپ ہے۔ نہ قلعہ، نہ شہر کے امرا، نہ اطراف شہر کے روسا۔ (۲)

۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع کو دلی میں کاتبوں کے فقدان کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

• شہر مراسر ویران ہے۔ کاتب کہاں ہے؟ (۳)

خشک سالی

سنہ ۶۵ع میں دلی بارانِ رحمت کے فیض سے محروم رہی۔ جولائی بھری برسات کا مہینا ہے، لیکن اس زمانہ میں شہر کے اندر لو چلتی رہی۔ ۲۳ جولائی کو میرزا صاحب نے دلی کی محرومی کا رونا رویا ہے۔ فرماتے ہیں:

• بیان خلق کو مینہ درکار ہو، اور ہوا شرارہ بار ہو۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کی تیور اور پہاڑ کی پتھر جلی جاتی ہیں۔ پانی جگر گداز، ہوا جانستان، امراض مختلفہ کا ہجوم جہان تھان۔ جز اعضای انسان، کہ وہ ہستی میں تر ہیں، طراوت و رطوبت کا کہین پتا نہیں۔ یا لو چلتی ہو یا مطلق ہوا نہیں۔ (۴)

۱۱ ماہ اگست کو پھر لکھتے ہیں:

• بیان مینہ اسبقدر برسا ہے کہ جسکو پانی سے زمیندار حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھو لیں۔ (۵)

(۱) مکاتیب، ص ۱۴ (۲) ایضاً، ص ۴۳ (۳) ایضاً، ص ۸۰ (۴) ایضاً، ص ۵۵ (۵) ایضاً، ص ۵۶

برسات

لیکن آئندہ سال بارش نے سنہ ۶۵ ع کی کمی باران کی تلافی کی، اور شہر میں اسقدر پانی برسا کہ گزشتہ باون ترین برس سے ایسا نہ برسا تھا۔ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب نے لکھا ہے:

”برسات ایسی ہوئی ہے کہ مین باون ترین برس میں بیان رہتا ہوں۔ عرش آرا نگہ اکبر شاہ کی عہد میں ایکبار ایسی برسات دیکھی تھی یا امسال نظر آئی ہے۔“ (۱)

عقائد

میرزا صاحب کے ایک عریضہ سے اونکے عقائدِ اسلامی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں:

”اگرچہ فاسق و فاجر ہوں، مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیا کا بدل معتقد اور بزبان معترف ہوں۔“ (۲)

اخلاق و عادات

میرزا صاحب کے اخلاق و عادات اوس عہد کے شرفا کے اخلاق و عادات کا نمونہ تھے۔ لغو گوئی سے پرہیز، جھوٹ اور تکلف سے نفرت، احباب کی تکلیف سے رنج، خوشی سے راحت، چھوٹوں پر مہربانی، اور بزرگوں کی خیر خواہی، اونکا شعار تھا۔

صدق و سداد

ایکبار نواب فردوس مکان کی جانب سے مراسلتِ مدین تاخیر ہوئی۔ میرزا صاحب نے ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ ع کو لکھا:

”فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہو۔ چند روز سی تفقد و التفاتِ قدیم مین، خدا نخواستہ باشد، کچھ کمی پاتا ہوں۔ اگر غلط ہو میرا گمان تو بشرطِ اطلاع مشرف فرمائو۔ اور اگر میرا دل دیرانہ سچ سمجھا ہو تو متوقع ہوں کہ عتاب کو سبب ہو آگہی پاؤں۔“ (۳)

لغو گوئی سے نفرت

۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع کو ایک سفارش کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:

”لازم کر لیا ہے کہ بیہودہ گزارش نکرون اور کبھی کسی کی سپارش نکرون۔“ (۴)

قسم می پرھین

جھوٹی قسم کھانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

«خدا و رسول کی قسم جھوٹی نکھاؤنگا» (۱)

رنج پر رنج

نواب فردوس مکان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو اونکی تعزیت میں

۲۸ مارچ سنہ ۵۹ ع کو تحریر کیا:

«کیا کہوں کیا غم و اندوہ کا ہجوم ہوا۔ حضرت کی غمگین ہونیکا تصور کر کر اور زیادہ مضموم

ہوا» (۲)

سنہ ۱۸۶۵ ع میں نواب خلد آشیان کی بیاہتا بیگم فوت ہوئیں تو ۱۸

ستمبر سنہ مذکور کو لکھا:

«چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ زبان

فارسی و عبارت بلیغ لکھوں۔ آپکی قدموں کی قسم ۱ دل فی قبول نکیا» (۳)

خوشی می خوشی

سنہ ۵۹ ع میں نواب فردوس مکان کو بصلۃ خدماتِ غدر علاقہ جدید

عطا ہوا۔ اسکی تہنیت میں لکھتے ہیں:

«یہ چار بالٹ عمارت اور کاشی پور کا ضمیمہ ملک موروثی ہونا پہل آپکو اور پھر ولیمہ پادشہ

کو اور پھر آپکی اولاد و اخوان و انصار کو اور سبکی ہمد غالب دعا گوی گوشہ نشین کو

مبارک ہو» (۴)

خیر خواہی

جون سنہ ۶۵ ع میں نواب خلد آشیان کو از راہِ خیر خواہی

تحریر کیا ہے:

«پیر و مرشد! از راہ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ حضرت کی جد امجد

کو احمد شاہ درانی نے مخاطب پر مخلص الدولہ فرمایا۔ حضرت اگر مناسب جانیں تو اوس

خطاب کو مع دو جزو و شمس الملک و بہرام جنگ و جناب ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورمند

اپنی واسطی لین» (۵)

✓ قدامت کا اعتراف

میرزا صاحب شعرائِ قدیم کے فنی مرتبہ اور اونکے کلام سے استشہاد

(۱) مکاتیب، ص ۸۴ (۲) ایضاً، ص ۱۸ (۳) ایضاً، ص ۶۴ (۴) ایضاً، ص ۲۳ (۵) ایضاً، ص ۵۴

کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ اسبارے میں نواب خلد آشیان کو صراحتاً لکھا ہے کہ:

دقیقہ اشعار قدما کا معتقد۔ اون لوگون کو کلام کا عاشق۔ (۱)

نیز خلیفہ احمد علی صاحب رامپوری کو دورِ متاخرین کے گلِ شگفتہ مولانا عرفی شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں:

قواعد زبان فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہی۔ عرفی کی زبان سو جو نکلیجاؤ وہ سند ہی۔ ہماری واسطی وہ ایک قاعدہ حکم ہی۔ وہ مطاع ہی اور ہم اوسکو مقلد اور مطیع ہیں۔ (۲)

ہندی شعرا اور فرہنگ نویسوں کا انکار

لیکن ہندی شعرائِ فارسی گو اور ہندی فرہنگ نویسوں کے قائل نہ تھے۔ اونکا خیال تھا، کہ یہ حضرات اہلِ زبان کا کلام پڑھکر اپنے قیاس سے اوسکے محاورات و الفاظ کے معنی قائم کرتے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ اونکا قیاس صحیح نکلے، بنابرین بارہا اون سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں نواب خلد آشیان کو لکھا ہے:

» میان انجو جامع فرہنگ جہانگیری، شیخ رشید راقم فرہنگ رشیدی، عظمای عجم میں سو نہیں۔ ہند انکا مولد۔ ماخذ انکا اشعار قدما۔ ہادی انکا قیاس۔ نیکچند اور سیالکوٹی مل انکو پیرو۔ سبحان اللہ! ہندی بھی اور ہندو بھی۔ (۳)

اس عریضہ کے جواب الجواب میں لکھتے ہیں:

» شعرائِ ہند کو کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں۔ یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کو بیان میں جو نادرستی اور بام جو اونکو عقول میں اختلاف ہیں۔ اوس میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کو مانی ہوؤ ہوں۔ (۴)

بر تکلفی

اپنے مخلص احباب اور محسنوں سے میرزا صاحب تکلف برتنا ناسزا جانتے تھے۔ نواب فردوس مکان سے انکا تعلق سراسر اخلاص پر مبنی تھا۔ اسلئے اگر روپیہ کی ضرورت آپڑتی تو میرزا صاحب بلا تکلف سرکار سے مانگ لیا

کرتے تھے۔ اپنے اس رویہ کو ایک خط میں ظاہر بھی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:
 "جو آپ بن مانگو دین اوسکی لیو میں بھرو انکار نہیں۔ اور جب بھرو حاجت آ پڑی تو آپ
 می مانگو میں عار نہیں۔" (۱)

قرض می نفرت

اگرچہ میرزا صاحب عمر بھر مقروض رہے، لیکن اونہیں طبعاً قرضداری سے نفرت تھی۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہے کہ اس مصیبت کا سامنا نہو، مگر ایک متمول اور ذی عزت خاندان کا فرد ہونے کے سبب اخراجات زیادہ تھے۔ اسلئے اونکی رامپور اور سرکارِ انگریزی کی ماہوار آمدنی، ایکسویاسٹھ روپیے آٹھ آنے، ضروری اخراجات کو ناکافی ہوتی، اور تقریباً ہر مہینے قرض لینا پڑتا۔ سرکارِ رامپور اونکا ملجوا و ماوا تھی۔ جب قرض خواہوں کا تقاضا سخت ہو جاتا تو ادا یگی قرض کیلئے روپیہ کا سوال پیش کر دیتے، اور یہاں کی امداد سے بارگراں سے سبکدوشی حاصل کرتے۔ اس سلسلہ کی جسقدر تحریریں اس مجموعہ میں پائی جاتی ہیں، اون سے صاف عیاں ہے کہ میرزا صاحب قرض کا بار بہت محسوس کیا کرتے، اور چاہتے تھے کہ جلد از جلد اس بلا سے نجات حاصل ہو جائے۔ چنانچہ سب سے پہلی تحریر میں، جو ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو نواب فردوس مکان کی خدمت میں ارسال کی ہے، لکھتے ہیں:

"بارگراں غم می بہت ہو گیا ہوں۔ آگے تنگدست تھا۔ اب تہی دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجو، اور کچھ بھجوا دیجیو۔" (۲)

اسکے بعد ۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو پھر لکھا ہے:

"سورویہ کی ہنٹوی... پہنچی۔ اور رویہ وصول میں آیا، اور صرف ہو گیا، اور میں بدستور بھوکا اور تنگا رہا۔ تم می نکہوں تو کس می کہوں۔ اس مشاعرہ مقرر می علاوہ دو سورویہ اگر بچکو اور بھجادیجیگا تو جلا لیجیگا۔ لیکن اس شرط می کہ اس عطیہ مقرر می محسوب نہو اور بہت جلد مرحمت ہو۔" (۳)

۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب خلد آشیان کی خدمت میں تحریر کیا ہے:

ان دنوں میں متفرقات کی قرضدار سرگرم تقاضا بلکہ آمادہ شور و غوغا تھی۔ دو سو روپیہ کی ہڈوی صراحی آب حیات ہو گئی۔ دام مرگ سے نجات ہو گئی۔ (۱)

ایکبار رامپور سے تنخواہ کی روانگی میں دیر ہو گئی تھی۔ میرزا صاحب کو قرضخواہوں کی رقمیں ادا کرنی ہونگی، اسلئے ۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو سرکار کی خدمت میں لکھا:

میرا حال یہ کہ انگریزی تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسط میں جاتی ہو۔ حضور کو عطیہ پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہو۔ عالم الغیب جانتا ہو جس طرح گزرتی ہو۔ چار سو ساڑھی چار سو کا قرض باقی ہو۔ اب کوئی قرض بھی نہیں دیتا۔ (۲)

۱۳ اگست سنہ مذکور کو پھر لکھتے ہیں:

غم فز بشمول بڑھاپی کو پست و مضحل کر دیا ہو۔ حضرت کو قدموں کی قسم! نہ حواس درست نہ رای صحیح۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہو رہو اب طاقت تحمل کی نہ ہو۔ خدا جاؤ کیا ہوتا ہو کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہی کیا کرنا ہوں۔ کل آخر روز میر مفتی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید نہ پہنچو کی اطلاع پائی۔ تہدستی و قرض کو رنج میں خستہ و آزرده بیٹھا تھا۔ اومی وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا، مگر بھجادی۔ (۳)

۶ اکتوبر سنہ ۶۶ ع کے عریضہ میں میرزا صاحب نے راحت کا انحصار قرض کی ادائیگی میں بتایا ہے۔ تحریر کرتے ہیں:

حضور ملک و مال جسکو جسقدر چاہیں عطا کر سکتی ہیں۔ میں آپ سے صرف راحت مانگتا ہوں۔ اور راحت منحصر اس میں ہو کہ قرض باقیانندہ ادا ہو جاؤ، اور آئندہ قرض لہو کی حاجت نہ پڑی۔ (۴)

سرکار نے میرزا صاحب کا قرض ادا فرمادیا تو ۸ جنوری سنہ ۶۷ ع کو اوسکے شکریہ میں لکھتے ہیں:

حضرت کو تصدق سے قرض ادا ہو گیا۔ تنخواہ و قسط سے اور میں تو رنج سے رہائی پائی۔ (۵)

اگست سنہ ۱۸۶۸ ع میں میرزا صاحب کے قرض کی ادائیگی کا سرکار نے پھر وعدہ فرمایا۔ اس وعدہ سے میرزا صاحب کو جو مسرت ہوئی، اوسکا اندازہ ان الفاظ سے بخوبی ہوتا ہے:

ہیں التماسیں سابق پیش ہوئی تھیں... اون خواہشوں کو منظور و مقبول ہوؤ کی نوید پائی۔ انشاء

افہ الکرم حسب ارشاد حضور امی برس ۶۸ مین آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر مین میرا قرض... ادا ہو جایگا۔ (۱)

۱۶ نومبر سنہ ۶۸ ع کو پھر لکھا:

• حال میرا تباہ ہوتا ہوتا اب یہ نوبت پہنچی کہ ابکی تنخواہ مین سو ۵۴ روپیہ بچی... بجھلا آئے سو روپیہ ہون تو میری آبرو بچی ہو۔ ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکی نام کی تنخواہ سی قطع نظر کی۔ اب اس باب مین عرض کروں کیا مجال۔ کبھی نکھونگا۔ آئے سو روپیہ بھگو اور دیجو۔ شادی کیسی؟ میری آبرو بچ جائو تو غنیمت ہو... مختصر یہ کہ اب میری جان اور میری آبرو آپکی ہاتھ ہو۔ مگر حضور جو عطا فرمانا ہو جلد ارشاد ہو۔ (۲)

۱۷ دسمبر کو میرزا صاحب نے یاد دہانی کی، اور پھر آخری خط مین اپنے اضطراب کو ان الفاظ سے ظاہر کیا:

• حضور قرض خواہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہو۔ بس میرا یہی کام ہو کہ یاد دلادون۔ آگرو حضرت مالک مین۔ (۳)

لیکن ابھی یہاں سے رقم پہنچنے نہ پائی تھی کہ میرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔

امراض اور ضعف پیری

میرزا صاحب نے سب سے پہلے عریضہ نمبر ۱۴ مورخہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ ع مین عوارض جسمانی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ضعف پیری تک محدود ہے۔ فرماتے ہیں:

• خدمت گزار ہوں اور دعا و ثنا میرا کام ہو۔ بڑھاپے نے کھو دیا۔ جز نفسی چند مجھ مین کچھ باقی نہیں۔ (۴)

قولنج

امراض کا شکوہ ۱۱ نومبر سنہ ۶۱ ع سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ مین میرزا صاحب ابتداء درد قولنج اور بعد ازان بخار مین مبتلا ہوئے، اور ایک ماہ تک ان امراض کی مصیبت جھیلے رہے۔ فرماتے ہیں:

• دعا گو ایک مہینہ بھر سو بیمار ہو۔ ابتدا وہی قولنج دوری۔ بسبب استعمال ادویہ حارہ... کہ اس مرض مین اوس سی گریر نہیں، تپ و آگہرا۔ کئی بار باران بھگتین۔ اب دو بار باران تلکئی مین۔ لیکن طاقت بالکل سلب ہو گئی ہو۔ اور ضعف دماغ و قریب ہلاکت پہنچا دیا ہو۔ بالفعل آب سبب کا استعمال ہو۔ (۵)

(۱) مکاتیب، ص ۱۰۵ (۲) ایضاً، ص ۱۰۷ (۳) ایضاً، ص ۱۰۸ (۴) ایضاً، ص ۲۰ (۵) ایضاً، ص ۳۳

امراض مختلفہ کا مجموعہ

نواب خلد آشیان کی دعوتِ قدومِ رامپور کے جواب میں امراض مختلفہ اور صعوبتِ سفرِ تابستان کا عذر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دوہ آگ برس رہی ہو کہ طہور کو ہر جل رہی ہیں۔ بعد آگ کو پانی برسکا۔ سفر خصوصاً بوڑھی رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر ہے۔ (۱)

۲۳ جولائی کو پھر تحریر کیا ہے:

ہانی جگر گداز، ہوا جانتان، امراض مختلفہ کا مجموعہ جہان نہان، (۲)

نیم مردہ

سنہ ۱۸۶۵ ع میں نواب سکندر زمانی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا۔ ایسے موقع پر میرزا صاحب کو بزبان فارسی و عبارتِ بلیغ تعزیت نامہ لکھنا چاہیے تھا۔ لیکن بڑھاپا اور ضعف مانع آیا، اور انہوں نے ۱۸ ستمبر سنہ مذکور کو از رامِ معذرت لکھا:

اب میں نیم مردہ، دل پڑمردہ، خاطر افسردہ، جس باب میں لفظ و معنی فرام کیا چاہوں وہ مرا سر طبع کی خلاف ہے۔ (۳)

کوفتہ و رنجور

رامپور کے دوسرے سفر سے واپس ہوتے ہوئے میرزا صاحب مراد آباد پہنچ کر بیمار ہو گئے تھے۔ نواب خلد آشیان نے مزاجِ پرہیز کی تو اس کے جواب میں ۲۱ جنوری سنہ ۶۶ ع کو رودادِ سفر بیان کر کے لکھتے ہیں:

ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیر و ناتوان ہوں جیسا کہ اس سفر میں پہل تھا۔ (۴)

نیمجان ہوں

سفر کی صعوبت اور عرضِ راہ کی بیماری نے میرزا صاحب کی رہی سہی صحت برباد کر دی، اور یہ اپنے آپ کو نیمجان سمجھنے لگے۔ چنانچہ ۲۹ مارچ کو لکھتے ہیں:

اپنا حال اس میں زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناتوان تھا۔ اور اب نیمجان ہوں۔ برخوردار نواب مرزا خان اپنی مشاہدہ کی مطابق جو میری حقیقت عرض کری وہ مسموع و مقبول ہو۔ (۵)

(۱) مکاتیب، ص ۵۴ (۲) ایضاً، ص ۵۵ (۳) ایضاً، ص ۶۴ (۴) ایضاً، ص ۶۸ (۵) ایضاً، ص ۶۹

حواس درست نہیں

امراض اور مالی دقتوں نے میرزا صاحب کے احساسات پر بھی کافی اثر اندازی کی۔ چنانچہ ۱۱ اگست سنہ ۶۶ ع کو تحریر کیا ہے :

» غم و یشمول بڑھائی کے بست و مضحل کر دیا ہی ۔ حضرت کی قدموں کی قسم ! نہ حواس درست ، نہ رای صحیح ۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہو رہو اب طاقت تحمل کی نرمی ۔ خدا جانو کیا ہوتا ہے ، کیا سمجھتا ہوں ۔ کیا کرنا چاہی ، کیا کرتا ہوں ۔ « (۱)

ضعف بصر اور رعشہ

۱۸ ستمبر سنہ ۶۶ ع کو چند نئے امراض کی شکایت کرتے ہوئے تحریر

کیا ہے :

» خاطر اقدس میں نگہری کہ غالب تعلیل احکام میں کاہل ہی ۔ بصارت میں فتور ۔ ہاتھ میں رعشہ ۔ حواس مختل ۔ « (۲)

امراض قدیم بڑھ گئیں

اس کے ۶ ماہ بعد ۱۳ مارچ سنہ ۶۷ ع کو لکھتے ہیں :

» اس درویش کا حال اب قابل گزارش نہیں ۔ امراض قدیم بڑھ گئیں ۔ دوران مر ، اور رعشہ ، اور ضعف بصر ، تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں ۔ قلم نہیں بنا سکتا ۔ لڑکوں سے بنوالتا ہوں ۔ برسوں کی بات نہیں رہی ۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے ۔ « (۳)

فرض محال

اسکے ایک مہینے بعد ۱۴ اپریل سنہ ۶۷ ع کو نمائشِ باغِ بینظیر کی

شرکت کی آرزو کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

» نمائشگاہ سرسبز سورامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں ، اور خون جگر کھاتا ہوں ، کہ ہاؤ میں وہاں نہیں ! بالاخانہ پر رہتا ہوں ۔ اوتر نہیں سکتا ۔ مانا کہ آدمیوں کو گود میں لیکر اوتارا ، اور بالکی میں بٹھادیا ۔ کبار چلو ، راہ میں نہ مرا اور رامپور پہنچ گیا ۔ کھارون و جاگر بینظیر میں میری بالکی رکھدی ۔ بالکی قفس اور میں طائراسیر ۔ وہ بھی بڑے پروبال ۔ نہ چل سکوں ۔ نہ پھر سکوں ۔ (جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں یہ سب بطریق فرض محال ہی ۔ ورنہ ان امور کے وقوع کی کمان بجالاؤ گی) ۔ « (۴)

اب دم نہیں

رفتہ رفتہ ماہ و سال کے سفر کیساتھ ساتھ میرزا صاحب کے اعضا بھی

فرسودہ و ناتوان ہوتے چلے گئے۔ تا آنکہ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ ع تک یہ نوبت پہنچی کہ اونھوں نے منشی سیلچند صاحب کو صاف صاف لکھ دیا: ”بھائی بڑی تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں۔ نہ طاقت باقی ہو۔ نہ حواس درست ہیں۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں۔ لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہو کہ آج بچا کل مرا۔ کل بچا پرسون مرا۔“ (۱)

وفات اور مدفن

آخر کار وہ دن بھی آگیا، جسکی میرزا صاحب کو برسوں سے آرزو تھی، اور ۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ ع مطابق ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ لیکن انکی خواہش تھی کہ بعد مرگ رامپور میں دفن کیا جاؤں۔ چنانچہ ۳۱ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو حسین مرزا صاحب کو لکھا تھا: ”رامپور زندگی میں میرا مکان اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا۔“ (۲)

قضا و قدر نے یہ تمنا پوری نہونے دی، اور میرزا صاحب شاہ نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب اپنے خاندان کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



تصانیف

میرزا صاحب نے زیرِ نظر عریضوں میں اپنی متعدد تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر مشہور ہیں اور کئی کئی بار طبع بھی ہو چکی ہیں۔ لیکن بعض کے حالات سے ارباب علم ابھی تک آگاہ نہیں۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا اجمالی ذکر کر دیا جائے۔

تاریخ سلاطین تیموریہ

۱۴ جنوری سنہ ۵۸۰ع کے عریضہ میں میرزا صاحب نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

»از هفت هشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ می پرداختم ۱۰۰۰«

واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ع میں شاہِ ظفر نے میرزا صاحب کو تاریخ نویسی کی خدمت پر بمشاہرۃ پچاس روپیہ ماہوار مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ حکیم احسن اللہ خان بہادر تواریخ سے حالات اقتباس کر کے میرزا کو دیا کریں، اور میرزا صاحب اپنے اندازِ خاص میں ان واقعات کو تحریر کریں۔ میرزا صاحب نے کتاب کا نام پرتوستان رکھا، اور یہ تجویز قرار پائی، کہ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی جائے۔ پہلا حصہ ابتدائی آفرینش سے امیر تیمور گورگان تک بالاختصار اور تیمور سے ہمایون تک قدرے تفصیل کیساتھ مرتب کیا جائے۔ دوسرے میں جلال الدین اکبر سے سراج الدین بہادر شاہ تک کے واقعات ہوں۔ میرزا صاحب نے حصہ اول کا نام »مہرِ نیمروز« اور ثانی کا »ماہِ نیم ماہ« رکھا۔ حصہ اول کے متعلق ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۲ع کو میرزا صاحب نے منشی جواہر سنگھ جوہر کو لکھا ہے:

»مسودہ روزنامہ روداد اورنگ نشینان چٹائیہ بدست ہیرا سنگھ روان داشتہ ایم، و ہنوز از رسیدنش نشان نیافتہ ایم۔ اگر رسیدہ است بنویسند۔ ورنہ از ہیرا سنگھ باز پرس کنند۔« (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ڈیڑھ سال کے اندر ہی »مہرِ نیروز« تمام ہو چکی تھی۔ لیکن سنہ ۱۲۷۱ھ تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہوسکی (۲)، جسکی وجہ یہ ہوگی کہ اگر میرزا صاحب فوراً حضورِ شاہ میں کتاب پیش کر دیتے تو حصہ دوم کا تقاضا شروع ہو جاتا، جسکی واسطے یہ اسقدر جلد تیار نہ تھے۔

بہر حال مطبوعہ کتاب بادشاہ کے روبرو سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ع) میں پیش ہوئی۔ چاہئے تھا کہ میرزا صاحب حصہ ثانی کی ترتیب شروع کر دیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، حتیٰ کہ سنہ ۵۷ع نے بساطِ حکومت اولندی، اور »ماہِ نیم ماہ« شرمندہ طلوع نہوسکا۔ بظاہر اسکی ایک اہم وجہ میرزا صاحب کی جدید طرزِ انشا بھی ہے، جو بادشاہ تو بادشاہ اوس عہد کے کسی ادیب کو بھی پسندیدہ نہ تھی۔ ورنہ ناممکن تھا کہ سنہ ۵۴ع سے سنہ ۵۷ع تک بادشاہ تقاضا نہ کرتے، یا مہلت عطا کر دیتے اور قبلِ اتمام کتاب جلاوطن ہو جاتے تو میرزا صاحب اپنے خطوط میں یہ نہ لکھتے کہ میں نے حصہ ثانی کی ترتیب کا آغاز کر دیا تھا، لیکن اوسکو انجام تک اسلئے نہیں پہنچایا کہ اب اوسکا قدردان دلی سے رخصت ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ اسی سال شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوا اور میرزا صاحب بہ تنخواہ موجودہ استادِ شہ قرار پائے، اسلئے انہوں نے خلافِ دانشمندی سمجھا ہو کہ ایک تنخواہ کے عوض دو خدمتیں انجام دین۔ واللہ اعلم۔

ذیوان اردو

میرزا صاحب نے ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ھ کے عریضہ میں اسکا اسطرح ذکر کیا ہے :

• چکو غم یہ ہو کہ غزلہای اصلاحی اور دیوان اردو کی رسید میں نہ پائی دیوان کی رسید ... ایسی ہی باریک کاغذ پر لکھ کر اس ساہوکار کو دیجیگا، اور اسکو تاکید کیجیگا کہ اسکو بھیج دیں (۱)

منشی شیونرائن اکبر آبادی کو اس نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

• اب تم سنو۔ دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا۔ مگر ہاں میں تو غدر ہو پہلے لکھوا کر نواب یوسف علیخان بہادر کو رامپور بھیج دیا تھا۔ (۲)

اس بیان سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے مئی سنہ ۵۷ ع سے قبل دیوان اردو رامپور بھیجا۔ لیکن دراصل نسخہ مذکور عریضہ نمبر ۵ کے جواب کی تاریخ ۹ مئی اور تاریخ آشوب غدر ۱۱ مئی کے درمیان کسی تاریخ کو بھیجا گیا تھا۔ چونکہ وہ تاریخ غدر سے قبل تھی اسلئے میرزا صاحب نے مجملہ "غدر سے پہلے" کہا ہے۔

میرزا صاحب کو اسکی رسید نومبر سنہ ۵۸ ع تک موصول نہوسکی۔ جب ماء مذکور میں انہوں نے "دستنبو" کی ایک جلد تحفۃ ارسال کی اور نواب صاحب نے جواب میں لکھا کہ عذیم الفرستی کے سبب دیوان اور دستنبو ملاحظہ سے نگزرا، تو میرزا صاحب نے ۷ نومبر کو لکھا:

• اس قریب سے کہ بسبب کم فرصتی کے اونا ملاحظہ نکرنا مرقوم ہوا ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ (۳)

اس نسخہ کی مفصل کیفیت صفحہ ۱۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

دستنبو

میرزا صاحب نے "آغاز یازدہم مئی سنہ ۱۸۵۷ ع سے ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۵۸ ع تک رودادِ شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حالِ ثر میں لکھا... اور التزام اسکا کیا... کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے، اور کوئی لفظِ عربی نہ آئے" (۴)۔ اور منشی شیونرائن کے مطبع واقع اکبر آباد (آگرہ) میں طبع کرا کے ایک نسخہ نواب فردوس

(۱) مکاتیب، ص ۱۰ (۲) اردو مکتب، ص ۳۸۱ (۳) مکاتیب، ص ۱۸ (۴) اردو مکتب، ص ۴۹ و — مکاتیب غالب

مکان کو ارسال کیا۔ ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو اسکی رسید کے متعلق لکھتے ہیں:

«اس قرینے سی کہ بسبب کم فرصتی کے اونکا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا، ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے ندیکھنے میں آپ کو اختیار ہو۔ مگر یہ چار جزو کا رسالہ جو اب پہنچا ہو اسکا دیکھنا ضرور درکار ہو۔ فارسی قدیم اور پھر حسن معنی اور صنعت الفاظ۔ با این ہمہ ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ۔ جنابعالی! طرفہ معاملہ ہو۔ خدا کا شکر ہو اور اپنی قسمت کا گلہ ہو۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلعہ کیطرح کے جرم کا یہ نسبت میری احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای ہنس قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہو۔ گویا بن کھاڑ جینا ہو۔ کتوہین کہ جنوری شروع سال میں ہندوستان کو روپیہ ملیگا۔ دیکھو کیا نیا گل کھلیگا۔ پہلی نومبر کو بیان اشتہار عام ہو گیا ہو۔ کہ اب قلعہ ہندوستان میں عمل ملکہ معظمہ عالمقام ہو گیا ہو۔ میں پہلی می مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں، اور وزرای ملکہ دارا دربارت کے دو ساریفکٹ پاچکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو بہ تفصیل معلوم کیا جاہی، تو اسی کتاب موسوم بہ «دستنبو» میں دیکھا جاہو۔» (۱)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع سے قبل کتاب طبع ہو چکی تھی۔ اس کتاب کی طباعت میں میرزا صاحب نے جسقدر اہتمام اور کوشش کی ہے اوسکی داستان سے اردو معلیٰ اور عود ہندی کے صفحے کے صفحے پر ہین۔ ان خطوط کا ضروری اقتباس مولانا مہر کی کتاب کے صفحات ۳۲۶ - ۳۳۴ میں ملاحظہ ہو۔

کلیات فارسی

کلیات فارسی کا نسخہ میرزا صاحب نے مارچ سنہ ۱۸۶۱ ع میں نذر کیا تھا۔ یہ نسخہ خاندان لوہارو کے ایک بزرگ نواب نغر الدین خان مرحوم کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ ۷ اپریل سنہ ۶۱ ع کو اسکے بارے میں میرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

«کلیات فارسی کے پہنچنے میں اور اس نذر کے مقبول ہونے میں بھکوبت خوشی حاصل ہوئی۔» (۲)

۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۲ ھ (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ ع) کو پھر اسکا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

و دو قصیدہ مدحیہ میری دیوان فارسی میں مرقوم اور وہ دیوان حضرت کی کتابخانہ میں موجود ہے۔ (۱)

بعد ازان ۱۸ جون سنہ ۶۵ ع کو پھر لکھتے ہیں :

» اب عرض یہ ہو کہ حسب الحکم حضور کہ یہ قصیدہ میری دیوان فارسی میں ، جو کتابخانہ میں موجود ہے ، درج کیا جائے۔ (۲)

نسخہ کی مزید تفصیل ص ۲۸ کے حاشیہ نمبر ۲ میں درج ہے ۔

نامہ غالب

میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۶۰ ع میں فرہنگِ برہانِ قاطع کے اغلاط پر مشتمل ایک رسالہ مسمیٰ بہ » قاطعِ برہان « لکھکر نواب فردوس مکان کی امداد سے شایع کیا تھا۔ اسکے جواب میں ہندوستان کے متعدد اہل علم نے رسائل لکھے۔ ان حضرات میں سے ایک مرزا رحیم بیگ تھے۔ انھوں نے » ساطعِ برہان « رسالہ تصنیف کیا ، اور اوسمین میرزا صاحب کو بہت جلی کٹی باتیں سنائیں۔ میرزا صاحب نے اسکا جواب الجواب لکھا ، اور اوسکے پانچ نسخے نواب مرزا خان داغ دہلوی کے توسط سے نواب خلد آشیان کی خدمت میں نذر گزارا۔ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب صاحب کو لکھا :

» ایک عبارت کا ایک جزو بطریق خط ایک انصاف دشمن کو لکھکر چھپوا دیا ہو ۔ پارسل اوسکا نواب مرزا کو ارسال کیا ہو ۔ پانچ رسالے وہ میرطرف می نذر گزرائینگے ۔ حضرت قبول نذر کو میرا عز و شرف جائزین گئی ۔ (۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ مذکورہ شروع اگست سنہ ۶۵ میں شایع ہوا تھا۔

انتخاب دیوان اردو

نواب خلد آشیان اساتذہ فارسی و اردو کے منتخبہ اشعار کی ایک بیاض مرتب فرمانا چاہتے تھے۔ اسکے لئے میرزا صاحب کے چیدہ چیدہ اشعار کی بھی ضرورت تھی۔ لہذا انھوں نے ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ اپنے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب روانا فرمائیے ، تاکہ

مجموعہ مذکور میں شامل کیا جائے۔ میرزا صاحب نے ۱۰ ستمبر کو جواباً تحریر کیا:

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہو۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جائیگا۔ (۱)

۱۸ ستمبر کو پھر تحریر کیا:

و خاطر اقدس میں نگری کہ غالب تعمیل احکام میں کابل ہو۔ بصارت میں فتور۔ ہاتھ میں رعشہ۔ حواس مختل۔ ناچار کاتب کی تلاش کی۔ شہر سرامر ویران ہو۔ کاتب کہاں؟ باری ایک دوست فی کاتب نشان دیا۔ اردو کا دیوان اشعار پر صادر کر کے اوسکو حوالہ کیا۔ کل وہ اجزای منقولہ آئی۔ آج بطریق پارسل مع اس عرضی کے ارسال کیے۔ خط کاتب کا جھکو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیونکر پسند آئیگا۔ اغلاط اتنے تھے کہ جھکو تحریر کی برابر محنت پڑی۔ (۲)

۲۴ ستمبر کو سہ بارہ اردو دیوان کا اسطرح ذکر کیا ہے:

اردو دیوان کا انتخاب بھج چکا ہوں۔ یقین ہو کہ حضرت کی نظر انور سی گزر گیا ہو۔ (۳)

انتخاب دیوان فارسی

اسی سلسلہ میں میرزا صاحب نے اپنی فارسی غزلوں کا انتخاب بھی روانا

کیا تھا۔ ۱۰ ستمبر کے خط میں اسکے متعلق فرماتے ہیں:

فارسی دیوان کا شیرازہ کھولکر چند شخصوں کے حوالہ کیا ہو۔ (۴)

۱۸ ستمبر کے عریضہ میں دیوان اردو کے ارسال کی اطلاع کے بعد لکھتے ہیں:

فارسی کی کلیات کا شیرازہ کھولکر اجزا اوسکی احباب پر تقسیم کر دیئے ہیں۔ جاہجا اشعار پر صادر کر دیئے ہیں۔ وہ بھی میری انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعد اتمام وہ بھی پیشکش کرونگا۔ (۵)

میرزا صاحب نے یہ انتخاب ۲۴ ستمبر کو روانا کر کے بطریق اطلاع سرکار کو لکھا:

آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق پارسل اس عرضی کیساتھ بھیجتا ہوں۔ ... اس درویش فی صرف غزلین اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہو۔ قصائد و قطعات و مشروبات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجوں۔ (۶)

لیکن اغلب یہ ہے کہ سرکار نے ان اصنافِ نظم کا انتخاب طلب نہیں فرمایا۔ ان دونوں نسخوں کے متعلق ص ۷۹ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ کیجیے۔

تلامذہ

میرزا صاحب کے شاگردوں کی تعداد خاصی ہے۔ لیکن مکاتیب میں صرف چند اصحاب کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے باقر علیخان اور حسین علیخان سببی خاندان کے عنوان کے ماتحت مذکور ہو چکے۔ بقیہ اصحاب حسب ذیل ہیں۔

نیر

نواب ضیاء الدین خان بہادر نیپور و رخشان ابن نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھرکہ و لوہارو میرزا صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ نواب خلد آشیان نے ۲۵ اگست سنہ ۶۶ ع کے فرمان میں میرزا صاحب سے ارشاد فرمایا تھا کہ بھائی ضیاء الدین خان صاحب کے کلام کا انتخاب بھی بھجوائیے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۱۰ ستمبر کو لکھا:

» بھائی ضیاء الدین خان کا مجموعہ نظم و نثر فارسی و اردو مراسر دیکھا ہوا میرا، جو اونکو کتابخانہ میں تھا، غدر میں لنگیا۔ بعد غدر ذوق شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلین فارسی و ہندی جو لکھی ہیں اوسکا انتخاب بھی پہنچا گا۔ (۱)

۲۴ ستمبر کو انتخاب دیوان فارسی کیساتھ جو عریضہ بھیجا تھا اوسمیں ضیاء الدین خان بہادر کے بارے میں تحریر کیا ہے:

» بھائی ضیاء الدین خان بہادر نے جو اوراق میری پاس بھیجے ہیں وہ بھی اس پارسل میں رکھ دیوے ہیں۔ حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر غدر میں لنگیا۔ بعد غدر جو کچھ کہا ہو وہ یہی ہو، جو پہنچتا ہو۔ (۲)

نواب ضیاء الدین خان بہادر کیلئے ص ۷۹ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔

ناظم

میرزا صاحب کے دوسرے قابلِ فخر شاگرد، جنکا مکاتیب میں اسلئے

بارہا ذکر آیا ہے کہ ابتدائی ۴۲ عرایض اون کے نامِ نامی سے معنون ہیں ، نواب سید محمد یوسف علیخان بہادر فردوس مکان ناظم تخلص ہیں ۔ چونکہ دیباچہ میں موصوف الذکر کی شاکردی سے بالتفصیل بحث کی گئی ہے ، نیز اونکے سوانح پر ایک مختصر نوٹ مکاتیب کے آغاز میں درج ہے ، اسلئے یہاں صرف ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

نواب خلد آشیان

نواب سید محمد کلب علیخان بہادر خلد آشیان بھی میرزا صاحب کے زمرہ تلامذہ کے رخشندہ گوہر ہیں ۔ آپ نے ۲۷ اگست ۱۸۶۶ ع کو ایک فارسی نثر میرزا صاحب کو بغرض اصلاح بھیجی تھی ، اور گرامی نامہ مورخہ ۲ اکتوبر میں تحریر فرمایا تھا :

« مرا ازان مشفق واسطۂ تلذذ بودہ است . » (۱)

بعض وجوہ سے یہ رشتہ پایدار ثابت نہ ہوا ، اور غالباً صرف ایک نثر پر میرزا صاحب اصلاح دیسکے ۔ مکاتیبِ ہذا کی بڑی تعداد آپ کی خدمتِ اقدس میں لکھی گئی ہے ۔ چونکہ آپ کے نام کے عرایض کے شروع میں سوانحِ حیات پر مشتمل ایک نوٹ اضافہ کر دیا گیا ہے ، اسلئے یہاں تفصیل کی حاجت نہیں ۔



لوازمات امارت

شاگرد پیشہ

ایک عریضہ مین میرزا صاحب نے اپنے ملازمون کا بھی اجمالی ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں :

”حضور کو عطیہ پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہو . عالم الغیب جانتا ہو
جس طرح گزرتی ہو .“ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے ملازمون کی تعداد خاصی تھی، اور یہ کہ وہ اس غربت مین بھی لوازمات امارت کے پابند تھے . ان خدمتکاروں مین سے بعض کا تذکرہ میرزا صاحب کے دوسرے سفرِ رامپور کے ضمن مین آئیگا .

مختار کار

میرزا صاحب نے روسا کی طرح مالی اور دیگر دفتری کاروبار کے انصرام کیلئے مختار کار بھی رکھ چھوڑا تھا . یہ قوم کا بنیا اور ساھوکاری پیشہ تھا . بسا اوقات اسی سے میرزا صاحب قرض بھی لیا کرتے ، اور اسی کے ہاتھ سرکارِ رامپور کی فرستادہ ہنڈوی فروخت کر ڈالتے تھے .

۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کے عریضہ مین میرزا صاحب نے پہلی بار اسکا ذکر کیا ہے . فرماتے ہیں :

”آج آخر روز توفیق وقع مع جولانی کی تنخواہ کی ہنڈوی کو پہنچا . ہنڈوی مختار کار کو دی اور یہ عرضی لکھو بیٹھا .“ (۲)

بعد ازاں ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع کو منشی سیلچند کے نام کے مکتوب مین لکھتے ہیں :

”اگلے مہینے یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی اوسکا روپیہ اب تک نہیں پٹا . مین تو جسدن ہنڈوی آتی ہو اوسیدن یا دوسری دن اپنی مختار کار کو ہاتھ ، کہ وہ بھی مہاجن ہو ، بیچ ڈالتا ہوں . مگر اوس مختار کو جسکو ہان ہنڈوی آتی ہو اوسکو روپیہ اب تک نہیں دیا .“ (۳)

انگریزی تعلقات

دیرینہ نمکخوار

حکومت انگلشیہ سے میرزا صاحب کے تعلق کا آغاز اونکے چچا نصر اللہ بیگ خان بہادر کے توسط سے ہوتا ہے۔ نصر اللہ بیگ خان بہادر انگریزی فوج میں رسالدار، اور پرگنہ سونک سونسا کے جاگیردار تھے۔ میرزا صاحب اپنے والد کے انتقال کے بعد چچا کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے کہ سنہ ۱۸۰۶ ع میں، جبکہ انکی عمر ہنوز دس سال کی بھی نہ ہوئی تھی، نصر اللہ بیگ خان بہادر کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ لیک بہادر نے دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے جاگیر کے عوض اونکے متعلقین کی پنشن مقرر کرادی، اور اسطرح میرزا صاحب انگریزوں کے وظیفہ خوار بن گئے۔ یہ پنشن نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھڑک، برادرِ نسبی نصر اللہ بیگ خان بہادر، کے خزانہ سے مائی تھی۔ لیکن اونکے جانشین، نواب شمس الدین احمد خان بہادر کو ولیم فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے قتل کرانے کے الزام میں پھانسی دیدی گئی، اور فیروزپور کی جاگیر ضبط ہو گئی، تو میرزا صاحب اور دیگر ورثائی نصر اللہ بیگ خان کی پنشن خزانہ کلکتری دہلی سے تقسیم ہونے لگی اور اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع تک میرزا صاحب کو ملتی رہی۔

میرزا صاحب اپنی اس «دیرینہ نمکخواری» کے متعلق نواب فردوس مکان کو تحریر کرتے ہیں :

«حالی رای جهان آرای باد، کہ دیرینہ نمکخوار مرکاز انگریزم، و از مر آغاز سال یکہزار و ہشتصد و شش، کہ درانگاہ شمار سنین عمر من از ده نگزشتہ بود، بعوض جاگیر عم حقیقی نسی خود نصر اللہ بیگ خان بہادر، کہ با جمعیت رسالہ چہار صد سوار بمقتب جرنیل لاؤڈ لیک بہادر در فتح ہندوستان کوششہای نمایان کردہ، و پرگنہ سونک سونسا بقید حیات جاگیر

یافتہ، وہم دران عہد بمرگ ناگاہ از جہان رفته بود، بفرمان جرنیل لاژد لیک بہادر و منظوری گورمنٹ مشت زری شامل جاگیر عم سبی من نواب احمد بخش خان بہادر در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری، کہ بذمہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔ چون جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت و جاگیر بمرکار باز یافت شد، رسیدن آن وجہ مقررہ از خزائنہ کلکتری دہلی صورت پزیرفت۔ چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام۔۔ (۱)

دربار اور خلعت

پنشنخوار کی حیثیت سے میرزا صاحب اہم شخصیت کے مالک نہ تھے۔ اونہیں ساڑھے سات سو روپیے سالانہ یا ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار کا معمولی وظیفہ ملتا تھا۔ نواب خلد آشیان کو ۵ ستمبر سنہ ۶۷ ع کے عریضہ میں لکھا ہے:

»باسٹھ روپو آئم آذ مہینا انگریزی سرکار سی بعوض جاگیر پاتا ہوں۔ (۲)

در اصل اونکا حقیقی اعزاز یہ تھا کہ گورنر جنرل کے دربار میں داہنی صف میں دسویں کرسی اور سات پارچے مع جیغہ، سرپیچ و مالای مروارید خلعت پاتے تھے۔ نواب فردوس مکان کو یہ تفصیل لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

»میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاست دودمانی کا رکھتا ہوں۔ معاش اگرچہ قلیل ہو، مگر عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورمنٹ کے دربار میں داہنی صف میں دسواں لمبر اور سات پارچہ اور جیغہ، سرپیچ، مالای مروارید خلعت مقرر ہو۔ (۳)

غدر اور قصور خدمت

سرکار انگریزی سے میرزا صاحب کے تعلقات مئی سنہ ۵۷ ع تک خوشگوار تھے۔ جب دہلی اور دیگر اطراف ملک میں انگریزوں کے خلاف فوج اور رعایا نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، اور شاہ ظفر مطلق العنان حکمران قرار دیے گئے، تو میرزا صاحب کیلئے بجز گوشہ گیری کوئی چارہ کار نہ رہا۔ کیونکہ اگر اپنی محسن سرکار کا ساتھ دیتے، تو باغی گھر بار لوٹ لیجاتے، اور اہل قلعہ کی کھلم کھلا حمایت کرتے، تو بصورتِ ناکامی انگریزوں کی طرف سے بدسلوکی کا خوف تھا۔ نصیب کی تائید سے میرزا صاحب کی تدبیر کارگر ہوئی، اور وہ

شہر دہلی کے اندر باغیوں کیساتھ "بیاطن بیگانہ و بظا ہر آشنا" ایام گزاری کرتے رہے۔ تا آنکہ انگریزی فوج نے دوبارہ شہر فتح کیا، اور اون اشخاص کی دار و گیر شروع ہوئی، جنہوں نے باغیوں کی جنبہ داری کی تھی۔ اہل شہر نے انگریزی سپاہ کے داخل شہر ہوتے ہی بھاگنا شروع کر دیا، لیکن میرزا صاحب اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ شہر میں تحقیقات شروع ہوئی۔ مخبروں نے اطلاعین ہم پہنچا کر باغیوں کی تلاش میں گورنمنٹ کی مدد کی، مگر باوجود تعلق قلعہ میرزا صاحب کے دامن وفاداری پر دھبہ نہ آیا۔ حکام کو میرزا صاحب کے قیام دہلی کی اطلاع ہوئی، مگر انہوں نے اس سے دلچسپی نہ لی۔ خود میرزا صاحب نے کسی حاکم سے اسلئے ملنا مناسب نہ جانا کہ موجودہ اصحاب میں اونکا کوئی شناسا نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کیلئے انکے تعلقات انگریزی منقطع ہو گئے۔ دوران بغاوت میں نواب فردوس مکان نے انگریزوں کی بڑی امداد کی تھی۔ میرزا صاحب اس حقیقت سے واقف تھے۔ جب غدر کی آگ بجھ گئی، تو انہوں نے ازراہ مصلحت ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو اپنی ساری روداد نواب صاحب کو لکھی، اور آخر میں عرض کیا:

"راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیاوردہ ام۔ لیکن مقام شکر است کہ بہ تقدیم نرسیدن خدمت از راہ بیدستگاہیست و ذریعہ اخلاص و خلوص همان بیگناہیست۔" (۱)

بعد ازان ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو تحریر کیا ہے:

"خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق کیطرح کہ جرم کا بہ نسبت میری احتمال بھی نہیں،" (۲)

اسی سلسلہ میں ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع کو لکھتے ہیں:

"ابتک میں اپنی کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار۔ مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی جو تو انعام کا مستحق ہوں۔ لیکن کوئی بیوقوفی بھی سرزد نہیں ہوئی جو دستور قدیم کو برہم ماری۔" (۳)

مسدودی دربار و خلعت و پنشن

میرزا صاحب نے ایام غدر میں جو رویہ اختیار کیا تھا اوسکی بنا پر

حکومت انگلشیہ کی نظر میں مجرم ثابت نہوے کہ سزا دیجاتی، لیکن کسی خاص خدمت کے انجام ندینے کے سبب اس کے بھی مستحق خیال نہ کیے گئے کہ پنشن، دربار اور خلعت بحال رکھا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں اعزاز بند ہو گئے۔ نواب فردوس مکان کو ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کے عریضہ میں دربار و خلعت کے ذکر کے بعد لکھا ہے:

• لاؤد ہارڈنگ صاحب کو عہد تک پایا۔ لاؤد دلہومی یہاں آؤ نہیں۔ اب یہ نواب علی القاب آؤ ہیں۔ زمانو کا رنگ اور۔ کوئی حاکم کوئی سکرتر میرا آشنا نہیں۔ بڑی میری مربی قردان جناب اڈمنشن صاحب۔ وہ بھی چیف سکرتر نہو۔ لفٹنٹ گورنر ہو گؤ۔ وہ سکرتر رہو تو مجھے کچھ غم نہ تھا۔ (۱)

پنشن کی مسدودی کے بارے میں ۱۴ جنوری سنہ ۵۸ ع کے محولہ بالا عریضہ میں لکھتے ہیں:

• چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام۔ و از مئی خود آشکار است کہ حال چیت۔ (۲)

اسکے بعد ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو تحریر کرتے ہیں:

• جناب عالی! طرفہ معاملہ ہو۔ خدا کا شکر ہو، اور اپنی قسمت کا گلہ ہو۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلعہ کی طرح کی جرم کا بہ نسبت میری احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای پنسن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ لیسوان مہینا ہو۔ گویا بن کھائی جینا ہو۔ (۳)

پنشن کی بحالی کی کوشش

غالباً مئی سنہ ۱۸۰۶ ع سے اپریل سنہ ۵۷ ع تک میرزا صاحب کو خاندانی وظیفہ ملتا رہا۔ مئی میں غدر ہو گیا اور چند ماہ تک اہل دہلی اور گورنمنٹ کے تعلقات منقطع رہے۔ فتح دہلی کے بعد جنوری سنہ ۵۸ ع تک میرزا صاحب نے اسلئے تجدیدِ راہ و رسم کی سعی نکى، کہ شناسا حاکمون میں سے اب کوئی نہ رہا تھا، اور نئے حکام سے ملاقات کی تقریب کوئی خدمت ہونی چاہیے تھی، جو از راہ احتیاط انہوں نے انجام نہیں دی تھی۔ چنانچہ ۱۴ جنوری سنہ ۵۸ ع کے عریضہ میں نواب فردوس مکان کو لکھا ہے:

ہاز مر آغاز سال ۱۸۰۶ ... بعوض جاگیر عم حقیقی نسبی خود ... مشیت زری ... در وجہ معاش من قرار یافت چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام . و از مئی خود آشکاراست کہ حال چیست می بایست کہ خود سلسلہ جنبان گشتی . و با حکام پیوستی . درین بارہ سخن آنست ، کہ درین فرماندہان با هیچ کس سابقہ معرفتی ندارم . و معہذا موقع و محل آن نمی نگرم کہ نامہ نویسم ، و خواہش ملاقات بہیان آورم . راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیاوردہ ام . (۱)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴ جنوری اور ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع کے درمیان ہی مین بحالی پنشن کی سلسلہ جنبانی شروع کردی تھی . اسلئے کہ نواب فردوس مکان کی بالواسطہ دعوت رامپور کے جواب مین صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کو ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع کو لکھتے ہیں :

ہ مین ز اپنی پنشن کی باب مین چیف کشر بہادر کو درخواست دی تھی . وہاں می صاحب کشر شہر کو وہ درخواست حوالہ ہوئی . صاحب کشر دہلی ز صاحب کلکتر شہر سی کیفیت طلب کی ہی . پس اگر وہ کیفیت پنشن کی ہو تو بیان کی کلکتری کا دفتر اگر نہیں رہا نہ رہی . رینوبوڑد کے دفتر اور لفٹنٹ گورنری آگرہ اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنشن کی کیفیت سی خالی نہیں ہیں . اور اگر میری کیفیت مطلوب ہی ، تو میرا بیجرم اور بری اور الگ ہونا فساد سی از روی دفتر قلعہ و اظہار مخبرین ظاہر ہی . بہر حال صاحب کشر شہر کیفیت صاحب کلکتر سی طلب کر کر چیف کشر کے ساتھ پنجاب کو گئے ہیں . دیکھو کب آوین ، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دین . (۲)

مداحوت مین نام

اس عرصہ مین میرزا صاحب نے مداحان حکومت انگلشیہ مین اپنا نام درج کرا کے وزرایِ ملکہ معظمہ کے دو ساریٹیکٹ حاصل کر لئے تھے . لیکن اسکے باوجود نومبر سنہ ۵۸ ع تک پنشن جاری نہوئی ، اور جب شہر مین یہ افواہ مشہور ہوئی کہ جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع مین پنشنداروں کو روپیہ ملیگا ، تو ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو میرزا صاحب نے از راہ شکایت نواب فردوس مکان کو لکھا :

ہ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای پنشن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں . یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسوان مینا ہو . گویا بن کھاؤ جینا ہی . کہتے ہیں کہ جنوری شروع سال مین پنشنداروں کو روپیہ ملیگا .

دیکھو کیا نیا گل کھلے گا۔ پہلی نومبر کو یہاں اشتہار عام ہو گیا ہے، کہ اب قلعہ ہندوستان میں
علی ملکہ معظمہ عاقبتاً ہو گیا ہے۔ میں پہلی ہی مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں۔
اور وزرائے ملکہ دارادربان کو دو سارے فکٹ پا چکا ہوں۔ (۱)

اسکے جواب میں نواب صاحب نے لکھا کہ آپ رامپور تشریف لے آئیے۔ میرزا
صاحب نے ۳ دسمبر کو جواباً تحریر کیا:

”میری حاضر ہونیکو جو ارشاد ہوتا ہے، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور کہاں جاؤنگا۔ پنشن کو
وصول کا زمانہ قریب آیا ہے۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں۔ سنا جاتا ہے، اور
یقین بھی آتا ہے، کہ جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پاؤ۔ جسکو روپیہ ملنا
ہو اسکو روپیہ، جسکو جواب ملنا ہو اسکو جواب ملجائے۔ (۲)

عرضی کی روداد

جنوری سنہ ۵۹ ع پر دو مہینہ اور گزر گئے، مگر هنوز مقدمہ پنشن
فیصل نہوا۔ سرکار نے ۱۳ اپریل کو پھر دعوتِ آمدِ رامپور دی، تو میرزا
صاحب نے امیدِ وصولیابی پنشن کا گیت گاتے ہوئے لکھا:

”مجموع پنداروں کی مثل مرتب ہو، اور هنوز صدر کو روانا نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل
لاؤد کینٹ بہادر نے کلکتہ سے میری کواغذ طلب کی، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ
ہو کر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے۔ وہاں سے کلکتہ کو بھیج جائینگے۔
پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئیگا، اور یہاں جیکو روپیہ ملجائیگا۔ (۳)

راہ چارہ مسدود

جب مہینے پر مہینا گزرنے لگا، اور پنشن کا تصفیہ نہوا، تو میرزا
صاحب نے ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع کو مجبوراً لکھا:

”ابنک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار۔ مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ کوئی
خیر خواہی نہیں کی جو نئی انعام کا مستحق ہوں۔ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی جو
دستورِ قدیم کو برہم ماری۔ بہر حال راہ چارہ مسدود اور دکھ موجود۔ عرفی خوب کہتا ہے:
مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ زند بفرقم و گوید کہ ہاں سری میخار۔ (۴)

نواب فردوس مکان کی سفارش

نواب فردوس مکان اپنے استاد کی پریشانی سے کماحقہ واقف تھے۔
آپ نے از راہِ نوازش اکثر انگریز حکام سے اسلئے میرزا صاحب کی تعریف کی

کہ انکے سابقہ مدارج بحال ہو جائیں . اور جب میرزا صاحب کا یاسنامہ مورخہ ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع مطالعہ فرمایا تو تسکینِ خاطر کیلئے لکھا :

« مشفقاً ! هنگام ملاقات کو اکثر صاحبانِ ذیشان می تذکار محامد اوصاف ذاتی اور صفاتی آپکا عمل میں آیا ہو . اللہ تمالی کو فضل اور قدر ذاتی سرکار دولتمدار می یقین واثق ہو کہ جو مدارج شریف آپکو قدیم می ہیں ، پیشگاہ گورنمنٹ می بھی اومی مطابق ظہور میں آویگا . کسواسطی کہ اہالی سرکار ابد قرارِ قدردان و قدر شناس ہیں . » (۱)

اقبال کی تائید

سرکار کی سفارش بار آور ہوئی ، اور پنشننداروں کا نقشہ بعدِ صدور حکم صدر سے واپس آگیا . میرزا صاحب نے ۱۲ اپریل سنہ ۶۰ ع کو ان الفاظ میں سرکار کو اطلاع دی :

« عالم دو ہیں . ایک عالمِ شہادت ، ایک عالمِ غیب . جس طرح عالمِ شہادت میں آپ میری دستگیری کر رہے ہیں ، عالمِ غیب میں آپکا اقبال مجھکو مدد پہنچا رہا ہو . تفصیل اس اجمال کی یہ کہ وہ نقشا پنشنداروں کا جو یہاں می صدر کو گیا تھا ، وہ اب صدر می بعد صدور حکم آگیا . حکم بہ نسبت ہر واحد کی مختلف ہو . تقلیل بہت ہو . سو رویہ میری والیکو چہتر بھی ہیں اور پچیس بھی ہیں اور دس بھی ہیں . اب فرمائی میری واسطی کیا احتمال گزرتا ہو . اس کئی ہو . لیکن واقعہ یہ ہوا ہو کہ سب می پہل میرا نام اور پوری پنشن کی واگراشت کا حکم . طرفہ یہ کہ میری نام کو ساٹھ ایک انگریزی تحریر ہو ، کہ جسکو دیکھو می یہ معلوم ہوتا ہو کہ گورنمنٹ کا حکم منقوری اس تحریر پر متفرع ہو . حکام کو عملہ میں اور وکلا اور اہل شہر میں یہ مشہور ہو کہ وہ تحریر ولایت می آئی ہو . بہر حال دوا امر ہنوز مبہم ہیں . ایک اس انگریزی تحریر کا حال اور دوسری میری بھائی کی پنشن کی حقیقت . سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائیگی . اور جو معلوم ہوگا وہ عرض کیا جائیگا . » (۲)

خدا ساز بات

میرزا صاحب نے ۴ مئی سنہ ۶۰ ع کو زری پنشن وصول کرلیا . اہل دہلی نے اس اجرا کو نواب فردوس مکان کی سعی و کوشش کا نتیجہ قرار دیا . میرزا صاحب ان مراتب سے سب سے زیادہ آگاہ تھے ، اور جنوری سنہ ۶۰ ع میں رامپور آتے وقت بعض احباب کو یہ لکھ بھی چکے تھے کہ

اس سفر کا مقصد یہ ہے کہ نواب صاحب کے ذریعہ گورنمنٹ سے میری صفائی ہو جائے۔ لیکن اسکے باوجود جب یوسف مرزا صاحب نے لکھا کہ خواجہ جان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ والی رامپور کی کوشش سے آپکی پنشن جاری ہوگئی، تو اسکے جواب میں میرزا صاحب نے اجرای پنشن کو مسبب الاسباب کی طرف منسوب کرتے ہوئے حقیقتِ حال کے اظہار سے انغماض کیا۔ فرماتے ہیں:

»خواجہ جان جھوٹ بولتا ہو۔ والی رامپور کو اس پنشن کو اجرا میں کچھ دخل نہیں۔ یہ کام خدا ساز ہو بعلی بن ایطال علیہ السلام۔« (۱)

بحالی دربار و خلعت کی کوشش

اوپر عرض کیا جاچکا ہے، کہ میرزا صاحب گورنر جنرل کے دربار میں خلعتِ ہفت پارچہ اور سہ رقومِ جواہر لارڈ ہارڈنگ صاحب کے وقت تک حاصل کرتے رہے۔ لارڈ ڈلہوسی نے دلی آکر دربار نہیں کیا۔ اسلئے سنہ ۱۸۴۸ ع سے غدر سنہ ۵۷ ع تک میرزا صاحب کو شرکتِ دربار اور حصولِ خلعت کا کوئی موقع میسر نہ آیا۔ غدر کے بعد بغدرِ اشتباہ پنشن بند ہوئی تو دربار و خلعت کی امید بھی جاتی رہی۔ لیکن اجرای پنشن کے بعد میرزا صاحب نے بحالی دربار کی درخواست کی، جس پر عرصہ تک تحقیقات ہوتی رہی۔

گورنر کا دربار اور خلعت

سہ شنبہ ۳ مارچ سنہ ۱۸۶۳ ع کو^(۲) سر رابرٹ مننگمری لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب کو بھی شرکت کا حکم ملا۔ یہ اوس روز نہ گئے۔ دوسرے دن گورنر نے یاد کیا، تو خیام

(۱) اردوی معنی، ص ۳۳۱

(۲) مولانا مہر نواز غالب، صفحہ ۲۳۹ اور ۲۴۱ پر لکھا ہے کہ مارچ سنہ ۱۸۶۲ ع میں دربار و خلعت بحال ہوئی۔ یہ رای درست نہیں ہے۔ دراصل یہ مارچ سنہ ۱۸۶۳ ع کا واقعہ ہے۔ کیونکہ نواب فردوس مکان اور میرزا صاحب کی مراسلت کا ہر خط مورخہ ہے۔ اور جن خطوں میں زیر بحث مسئلہ کا ذکر آیا ہے وہ سنہ ۱۸۶۲ ع کے ہیں، بلکہ سنہ ۱۸۶۳ ع کے تحریر شدہ ہیں۔ غالباً اردوی معنی کے مطبوعہ نسخہ کی غلطی طباعت میں میرزا صاحب کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ نیز اردوی معنی ص ۱۱۲ پر میرزا تقیہ کو نام کے مکتوب کی تاریخ ۴ فروری بھی غلط ہے۔ اسکو ۴ مارچ ہونا چاہیے۔

گورنری مین حاضر ہوئے۔ صاحب نے خلعت دیا اور فرمایا کہ گورنر جنرل بہادر کا دربار انبالے میں ہونیوالا ہے۔ آپ وہاں بھی تشریف لیجائیے، اور دربار میں شریک ہو کر خلعت معمولی حاصل کیجئے۔ میرزا صاحب نے غالباً ۴ مارچ کو سرکار سے زادِ راہ کیلئے عطیہ کی درخواست کی۔ ۱۱ کو سرکار نے ۲۰۰ روپیہ بھیجے۔ ۱۶ مارچ کو میرزا صاحب روپیہ کی رسید کیساتھ نواب فردوس مکان کو لکھتے ہیں :

ہاب سنتی اپنی دعاگو کی داستان۔ منگل ۳ مارچ کو جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے خلعت عطا کیا، اور فرمایا کہ تمہیں مژدہ دیتی ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے اپنی دفتر میں تمہاری دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں انبالے جاؤں ؟ فرمایا البتہ انبالے جانا ہوگا۔

بعد جناب نواب صاحب کو جانیکی شہر میں شہرت ہوئی کہ دلی کے لوگ انبالے جاتی ہی ممنوع ہیں۔ گھبراہٹ اور صاحب کمشنر کے پاس گیا۔ آپ خط اپنا دی آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں خط محررہ ۷ مارچ آیا۔ چنانچہ لفافہ بالحاظ گرائی وزن رہنے دیتا ہوں۔ اور خط بجنہ حضرت کو بھیجتا ہوں۔ کل سے ایک اور خبر اوڑی ہے کہ نصیب اعدا لاؤد صاحب کی طبیعت نامناسب ہوگئی ہے۔ انبالے میں دربار نکرہینگو، اور شملہ کو چلی جائینگے۔ اب میں دو وجہ سے بین السفر والسکون متردد ہوں۔ پہلی وجہ خاص اور دوسری وجہ عام۔ دو سو میں سے سو لیکر ساز و سامان درست کیا ہے، اور سو مہاجن کے ہاں ڈاک اور خرچ راہ کیواسطی رہنے دیے ہیں۔ نار برقی میں جناب نواب صاحب سے حکم منگواؤنگا۔ جو حکم آئیگا، آپ سے عرض کر کے اوسکی تعمیل کرونگا۔ (۱)

گورنر جنرل کے دربار میں نجاسکی

نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب کے عریضہ مورخہ ۱۶ مارچ کے جواب میں کمشنر صاحب کے خط کا جسقدر مضمون دہرایا ہے (۲) اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نے یہی لکھا تھا کہ آپ انبالے نجاتین۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں میرزا صاحب کے پھنسیان بھی نکل آئیں۔ اسلئے مجبوراً خود انبالے جانیکیے بجائے اپنا قصیدہ، جو معمولی نذر تھی، بطریق ڈاک بھیجکر شکریہ کے جوابی فرمان پر قناعت کرلی۔ اور ۴ اگست سنہ ۱۸۶۳ ع کو نواب فردوس مکان کو تحریر کیا :

جب انبالا میرا جانا نہوا تو میں نے قصیدہ مدح، جو دربار کی نذر کیواسطیٰ لکھا تھا، بطریق ڈاک جناب چیف سکریٹری بہادر کو اس مراد سے بھیجا، کہ آپ اسکو جناب نواب معلی القاب کی نظر سے گزرائیں۔ اور یہ دستور قدیم تھا کہ جب میں قصیدہ مدحیہ بھیجتا تو صاحب سکریٹری بہادر کا خط بیواسطہ حکام ماتحت بجھو آجاتا۔ اب جو میں نے موافق معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے مہینے میں وہ لفافہ پہان سے لشکر کو گیا۔ ”صدائی برخواست“ نا امید ہو کر بیٹھ رہا۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسم تحریر خطبوط نہی تو دربار و خلعت کہاں۔ ناگاہ کل شام کو صاحب سکریٹری بہادر کا خط ڈاک میں آیا۔ وہی افشانی کاغذ۔ وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیجوں۔ تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مگر برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامہ اور خط کی بھیجتا ہوں۔ (۱)

لیکن اسکے بعد زندگی بھر میرزا صاحب کو گورنر جنرل کے دربار کی شرکت کا موقع نہ ملا، اور یہ آرزو بھی دوسری بہت سی آرزوون کیساتھ پیوندِ خاک ہو گئی۔

گورنر کا دوسرا دربار اور خلعت

سر ڈائل میکلوڈ گورنر پنجاب نے ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب اس میں شریک اور «خلعتِ ہفت پارچہ وسہ رقم جو اہر» سے مشرف ہوئے۔ رامپور اس زمانہ میں نواب خلد آشیان کی زیر حکومت تھا۔ دربار کے دوسرے دن میرزا صاحب نے سرکار کو لکھا:

«حضرت کی توجہ باطنی، جو ہمیشہ میری مصلح حال اور افزایش عز و وقار کی کفیل ہے، بعد ادای شکر الہی، اوسکا سپاس بجا لاتا ہوں۔ پیش از غدر گورنمنٹ کے دربار میں ۷ پارچے اور جینے، سرپیچ، مالای مروارید، تین رقیں جو اہر کی بجھو ملتی تھیں۔ بعد غدر اگرچہ پنسن اور دربار بحال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کا کل ۱۲ پر چار بجے دربار تھا۔ حکم سب دربار داروں کو پہنچ گیا تھا۔ میں نواب مہدی علی خان صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹی کے بعد دربار میں گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہوگی۔ ایک رباعی کاغذ مذہب پر لکھی ہوئی نذر کرونگا۔ کلمات عنایت سنکر چلا آؤنگا۔ نہ بھیجی کہیں۔ احتمال۔ نہ صاحب کشتہ بہادر شہر کو علم۔ باری بروقت ملاقات تعظیم معمولی اور مصلحہ کر کے لازد صاحب نے کھڑی کھڑی جینے، سرپیچ میری ٹوپی پر باندھا، اور فرمایا: یہ ہم نے آپکی واسطیٰ رکھا تھا۔ مالای مروارید میر منشی نے گلی میں ڈالی۔ ... میں اس عطیہ کو آپکی بخشش معنوی سمجھتا ہوں۔ (۲)

یہ میرزا صاحب کا آخری دربار اور خلعت تھا۔ اسکے بعد فروری سنہ ۶۹ ع تک کسی دربار کی شرکت کا ذکر نہیں ملتا۔

بہادر شاہ ظفر سی تعلقات

تاریخ نویسی

دلی کے لال قلعہ سے میرزا صاحب کے تعلقات ذاتی تھے۔ لیکن پہلے صرف مختلف تقریبوں میں آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ شاہ ظفر کے عہد میں رشتہ ملازمت بھی پیدا ہو گیا اور سلاطین تیموریہ کی تاریخ نویسی سپرد ہوئی۔ نواب فردوس مکان کو لکھتے ہیں :

» پیوند تعلق با بہادر شاہ جز آن نبود کہ از ہفت ہشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ.....
می پرداختم۔ (۱)

یہ عریضہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو لکھا گیا تھا۔ اس حساب سے اونکے تعلق خدمت کا آغاز سنہ ۱۸۴۹ ع یا سنہ ۱۸۵۰ ع سے ہونا چاہیے۔ خواجہ حالی مرحوم نے اس واقعہ کا سال متعین کرتے ہوئے صرف سنہ ہجری ۱۲۶۶ لکھا ہے (۲)، جو ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۴۹ ع سے شروع ہو کر ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۰ ع پر ختم ہوتا ہے۔ مولانا مہر فرماتے ہیں کہ میرزا صاحب کو قلعہ کی پہلی تنخواہ جون سنہ ۱۸۵۰ سے ملی (۳)۔ اس حساب سے میرزا صاحب کے تخمینہ سنین تعلق قلعہ میں سے سنہ ۱۸۵۰ ع درست ہوگا۔

اصلاح اشعار

میرزا صاحب کی ملازمت کو ۴ سال ہوئے تھے کہ شیخ ابراہیم ذوق، استاد شاہ ظفر، کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اصلاح اشعار کی خدمت بھی میرزا صاحب کے سپرد کر دی۔ میرزا صاحب نے محولہ بالا عریضہ میں اسکا بھی ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

» و از دو سہ سال باصلاح اشعار شہربار می پرداختم۔ »

اس تخمینہ کی رو سے تعلقِ استادی سنہ ۱۸۵۴ ع یا ۱۸۵۵ ع میں شروع ہوا۔ خواجہ صاحب نے یہاں بھی سنہ ہجری ۱۲۷۱ پر اکتفا کی ہے^(۱)، جو ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع سے شروع ہو کر ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۵ ع پر ختم ہوتا ہے۔ قاموس المشاہیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوق نے ۲۴ صفر سنہ ۱۲۷۱ ھ کو انتقال کیا^(۲)، جو ۱۶ ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۵۴ ع کے مطابق ہے۔ لہذا سنہ ۱۸۵۴ ع سالِ تعلقِ استادی ہونا چاہیے۔

خطاب شاہی

بہادر شاہ نے میرزا صاحب کو »نجم الدولہ دیر الملک نظام جنگ« خطاب عطا فرمایا تھا۔ مکاتیب کے متن میں اس کا مذکور نہیں۔ لیکن عریضۂ اول مورخہ ۲۸ جنوری سنہ ۵۷ ع کے آخر میں مہر کے اندر پورا منقوش ہے۔ مہر میں سنہ ۱۲۶۷ ھ سال کندہ ہے، جو سنہ ۱۸۵۰ ع کے مطابق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملازمتِ شاہی کے موقع پر تقررِ تنخواہ کیساتھ خطاب بھی عطا ہوا تھا^(۳)۔



(۱) یادگار غالب، ص ۳۵ (۲) قاموس المشاہیر، ج ۱، ص ۲۴۷ (۳) یادگار غالب، ص ۳۳۔ یہی اسکی تائید ہوتی ہو۔ اسلئے سال ملازمت ہی کو عطایِ خطاب کا سال شمار کرنا چاہی۔
ح۔ الف

تعلقاتِ رامپور

ریاستون سے تعلق کی نوعیت

میرزا صاحب کو اپنی عالیٰ نسب پر ہمیشہ نخر رہا۔ وہ اوس زمانہ میں بھی، جبکہ سر پر مصائب کے بادل منڈلا رہے تھے، اور ہر چہار طرف نفسی نفسی کا عالم تھا، اپنی نسب انفرادیت کے گیت گاتے رہے، اور «زادشم و افراسیاب» کو نہ بھولے۔

لیکن سنہ ۱۸۴۷ ع میں ایک ایسا روح فرسا واقعہ پیش آیا، کہ کچھ عرصہ کیلئے اونکے ہوش پراگندہ ہو گئے۔ اوس عہد کے روسا چوسرو شطرنج کے ذریعہ وقت گزاری کیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب کا خاندان بھی امارت کے ان لوازمات سے عاری نہ تھا۔ اسلئے یہ بھی چوسر کے دلدادہ ہو گئے تھے۔ مگر کھیل میں سرگرمی پیدا کرنے کیلئے بازی لگا کر کھیلا کرتے۔ کوتوالِ شہر نے از راہِ عداوت جوئے کا مقدمہ قائم کر کے مجسٹریٹ کی عدالت میں چالان کر دیا، اور ولعہدِ ہندوستان کی سفارش کے باوجود میرزا صاحب کو ۶ ماہ کی سزا ہو گئی۔ تین مہینے کے بعد اوسی مجسٹریٹ کی رپورٹ پر انہیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن اس غیر شریفانہ برتاؤ سے انکی حسِ غیرت سخت مجروح ہوئی، خود اپنی نظر میں شرافتِ خاندان پر دھبہ آ گیا، اور یہ اپنے آپکو روسایِ ہندوستان سے ملنے جلنے کے قابل شمار کرنے سے احتراز کرنے لگے۔

سنہ ۱۸۵۲ ع میں ریاست جیپور سے اتفاقاً رابطہ پیدا ہوا۔ میرزا تفتہ نے اسکی تفصیلات دریافت کرتے ہوئے لکھا کہ میرا بھی خیال رہے۔ اسکے جواب میں جمعہ دہم دسمبر سنہ مذکورہ کو میرزا صاحب نے لکھا:

» جیور کا امر محض اتفاق ہو ۔ بی قصد و بی فکر درپیش آیا ہو ۔ ہوسناکانہ ادھر متوجہ ہوا ہوں ۔ بوڑھا ہو گیا ہوں ۔ بھرا ہو گیا ہوں ۔ سرکار انگریزی میں بہت بڑا پایہ رکھتا تھا ۔ رئیسزادوں میں گنا جاتا تھا ۔ پورا خلعت پاتا تھا ۔ اب بدنام ہو گیا ہوں ۔ بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہو ۔ کسی ریاست میں دخل نہیں کر سکتا تھا ۔ مگر ہاں استاد یا پیر یا مداح بنکر راہ و رسم پیدا کروں ۔ کچھ آپ فائدہ اونٹھاؤں ۔ کچھ اپنی کسی عزیز کو وہاں داخل کر دوں ۔ دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہو ؟ (۱)

چونکہ استاد یا پیر بنکر ملنے میں ان کا درجہ کم از کم والی ریاست کے مساوی ہو جانا یقینی تھا ، اور بصورتِ مداحی مددوح سے مساوی برتاؤ کی آرزو نہیں پیدا ہوتی ، اسلئے ان صورتوں میں میرزا صاحب کو اپنے اخلاقی دھبے کے احساس کا خطرہ نہ تھا ، اور اب وہ ہر ریاست سے اسی قسم کے تعلقات کے خواہاں تھے ۔

رامپور سے ابتدائی تعلق

نواب سید غلام محمد خان بہادر (نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہُ) کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی تخت سے دستبرداری کے بعد حکومتِ انگلشیہ کی زیرِ حمایت رامپور سے باہر اقامت گزین ہونے پر مجبور ہوئے تھے ، اور سابقہ تعلقات کی بنا پر دارالسلطنتِ دہلی کو اپنا مستقر بنایا تھا ۔ میرزا صاحب جس زمانہ میں دلی تشریف لائے یہ خاندان وہاں فروکش تھا ۔ چونکہ یہ حضرات صاحبِ علم و فضل تھے ، اسلئے ان سے میرزا صاحب کے روابطِ خلوص و اتحاد پیدا ہو گئے ۔

ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے ان روابط کا تذکرہ کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

» ہمدین کج ، کہ مسکن منست ، شنیہ ام کہ والا شان زین العابدین خان بہادر بشہر آمدہ اند ۔ نیازمندی من ۔ با مرحوی نواب عبداللہ خان بہادر ، و مہرورزی من با اصغر علیخان مرحوم ، و محبت و خلت من بانواب عبدالرحمن خان بہادر مغفور بکا دیدہ اند ، و آن مدارج کی در نظر دارند ، کہ ایشان را در ضمیر میگزشت کہ گدای گوشہ نشین را باید دید ۔ (۲)

نواب فردوس مکان کی شاگردی

نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان نے سنِ شعور میں قدم

نواب فردوس مکان کی تخت نشینی اور رشتہ استادی کی تجدید

اس مراسلت کے پندرہ سال بعد اپریل سنہ ۱۸۵۵ ع میں نواب جنت آرمگاہ نے وفات پائی، اور نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان تخت نشین ہوئے۔ میرزا صاحب نے قدیم رابطہ کو مد نظر رکھتے ہوئے قطعہ تاریخ جلوس ارسال کیا۔^(۱) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دربارِ رامپور سے اسکا کوئی جواب نہ گیا، اور تقریباً دو سال تک تجدید تعلقات کی یہ کوشش بار آور ہوئی۔

حسن اتفاق سے مولانا فضل حق خیر آبادی رامپور میں فروکش تھے۔ انھوں نے حق دوستی ادا کیا، اور وقتاً فوقتاً سرکار کے روبرو میرزا صاحب کی اسقدر تعریف و توصیف کی، کہ سرکار انکے کلام کے مشتاق ہو گئے۔ جب حالات سازگار نظر آئے، تو مولانا نے میرزا صاحب کو لکھا کہ سرکار کی خدمتِ مبارک میں »نامہ بندگی« اور قصیدہ مدحیہ ارسال کرین۔ مولانا کا نامہ گرامی میرزا صاحب کو ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۵۷ ع کو موصول ہوا۔ ۲۸ جنوری کو انھوں نے بتعمیل ارشاد نواب فردوس مکان کی خدمت میں پہلا عریضہ ارسال کیا۔ اسکے جواب میں سرکار نے ۵ فروری کو اپنے کچھ اشعار بغرضِ اصلاح بھیجے اور اونکے ساتھ تحریر فرمایا:

»نیمۃ انیقۃ بلاغت آگین مشعر رسید خط مولوی صاحب مخدوم محمد فضل حق صاحب با دیگر مراتب
محبت و اشفاق عبارت رنگین و دقیق در عین انتظار سرمہ کش عیون وصول نشاط شمول گردیدہ ،
باطلاع خبرینہا سرمایۂ سرور ناخصور افزودہ ، از مزید شفقت و ایلاف قلبی متصور شد۔«^(۲)

اس فرمان نے میرزا صاحب میں نیا ولولہ پیدا کیا، اور انھوں نے ۱۱ فروری کو سرکار کی مدح میں قصیدہ مدحیہ نظم کر کے بذریعہ ڈاک ارسال کیا۔ اسکی ایک نقل میرزا صاحب نے مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی تھی، جو انھیں الور میں موصول ہوئی۔ وہاں سے ۱۰ ماہ اپریل کو مولانا نے سرکار کو تحریر کیا:

»بعض عرض میرساند، کہ خیر سگال بافضال ایزد بیہال بصحت و اعتدال بالور رسیدہ ملاطفہ

مرزا صاحب مشفق نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خان صاحب متخلص بغالب مع قصیدہ مہیہ، کہ در مدح حضور فیض معمور منظوم کردہ اند، از داکخانہ یافت۔ مرزا صاحب موصوف در ثنا و ستایش موزونی طبع اقدس و توصیف غزلہائی، کہ نزد شان شرف ارسال یافتہ بودند، و شکر و سپاس عطای مبلغ پانصد روپیہ، کہ بدو دفعہ ہمرزا صاحب موصوف عنایت شدند، اسباب در تحریر فرمودہ اند۔ حالانکہ طبع اقدس در علوم عقلیہ و فنون حکمیہ آنچنان دقیقہ رس، کہ عدیل آن در مملکت ہندوستان، کہ حال علای آن تفصیلاً معلوم است، کمتر بلکہ معدوم است۔ نظم شعر و فہم آن و ابداع معانی تازہ و مضامین مبتکرہ و سرد الفاظ فصیحہ و تراکیب بلیغہ بحسب اوزان عروض نسبت بعلوم طبع اقدس و بلندی افکار صایبہ از ادنی مراتب است۔ مرزا صاحب ازین حال لاعلم اند۔ طبع عالی و فکر صائب در دقائق حکمیہ و معضلات فلسفیہ بجای میرسد، کہ رسیدن افہام علام اعلام تا آن مقام معلوم الانتفاست۔ درین سخن هیچ مبالغہ و اغراق نیست۔ حضور لامع الثور بنفس نفیس امتحانات فرمودہ اند، و تکریر امتحان ہم سہل است۔ و نظر بہمت والا در جود و سخا بذل آلف الوف را اقل قلیل توان پنداشت۔ مرزا صاحب حق سپاسگزاری ادا کردہ اند۔ نظم قصیدہ مدحیہ در غایت بلاغت و انجم است۔ غالباً شرف اندوز ملاحظہ والا شدہ باشد۔ (۱)

مولانا کی اس تحریر نے میرزا صاحب کے سابقہ تعلقات از سر نو استوار کر دیئے، اور ایک مخلص دوست کی کوشش سے میرزا صاحب کی یہ تجویز کہ «آئندہ ریاستون میں پیر یا اوستاد بنکر رسوخ حاصل کرنا چاہیے» ریاست رامپور میں کامیاب ہو گئی۔

نواب فردوس مکان کا سال شاگردی

نواب فردوس مکان کے سالر تلذذ کا تذکرہ میرزا صاحب نے متعدد خطوط میں کیا ہے۔ لیکن تقریباً ہر خط میں اونکا بیان دوسرے خط سے مختلف ہے۔ مارچ سنہ ۶۰ ع میں خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھا ہے کہ نواب فردوس مکان سنہ ۵۵ ع میں میرے شاگرد ہوئے۔ فرماتے ہیں:

«سنہ ۱۸۵۵ ع میں نواب یوسف علیخان بہادر والی رامپور، کہ میری آشنائی قدیم ہیں، اس سال یعنی سنہ ۱۸۵۵ میں میری شاگرد ہوئے۔ ناظم، اونکو مخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلین اردو کی بھیجی۔ میں اصلاح دیکر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ اودھر مو آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری۔ انگریزی پنشن کھلا ہوا۔ اونکو عطایا فتح گو جاتو تھی۔ جب وہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں، تو زندگی کا مدار اونکو عطیہ پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ

(۱) مثل نمبر (۲۵۹)، صفحہ احباب، عہد نواب فردوس مکان، محکمہ دارالانشاء

ط — مکاتیب غالب

میری مقدم کی خواہان رہتی تھی۔ میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں، تو میں آخر جنوری میں رامپور گیا۔ (۱)

اسی ماہ میں منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں :

نواب یوسف علیخان بہادر تیس بیس برس کی میری دوست اور پانچ چھ برس سے میری شاگرد ہیں۔ اگر گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے۔ اب جولائی سنہ ۱۸۵۹ سے سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بھیجتے ہیں۔ (۲)

اس تخمینہ کی رو سے نواب فردوس مکان کا سالِ شاگردی سنہ ۵۴ یا ۵۵ ع قرار پاتا ہے۔ لیکن ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۶۵ ع کو میان داد خان سیاح کو تحریر کیا ہے :

ایک قرن ۱۲ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علیخان والی رامپور اپنی اشعار میری پاس بھیجتے تھے، اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بیل ہنڈوی بھیجتے تھے۔ (۳)

اس حساب سے نواب فردوس مکان کو سنہ ۵۳ ع میں میرزا صاحب سے مشورۂ سخن آغاز کرنا چاہیے۔ میرزا صاحب کے سوانح نگاروں میں سے مولانا مہر نے سنہ ۵۵ ع اختیار کیا ہے^(۴)۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ بظاہر اول الذکر دونوں سنہ تخمینی اور یہ واقعی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ سنہ بھی تخمینی ہے، اور میرزا صاحب کے دوسرے تخمینی اعداد و شمار کی طرح دو سال قبل کی تاریخ بتاتا ہے۔

ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۸ جنوری سنہ ۵۷ ع کو اپنا پہلا "نامہ بندگی" ارسال کیا تھا، اور اوس میں یہ عرض کیا تھا، کہ سنہ ۵۵ ع میں قطعۂ تاریخ جلوس کا ارسال سابقہ تعلق کی بنا پر تھا۔ اب یہ عریضہ مولانا فضل حق خیرآبادی کے ارشاد کی تعمیل میں لکھ رہا ہوں۔ اس کے جواب میں نواب فردوس مکان نے ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو گرامی نامہ تحریر فرمایا۔ جسکا ضروری حصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ارادۂ تلذذ پر دال ہیں :

(۱) اردو مغل، ص ۲۸۳ و عود، ص ۱۳۶۔ عود میں "پنس" کہل ہوئی، بصیفۂ مونث ہی۔

(۲) اردو مغل، ص ۵۴ (۳) ایضاً، ص ۱۶ (۴) غالب، مصنفۂ مولانا مہر، ص ۱۴۱

«مشفقاً ! ہر چند کہ کاتب را انصاف موزونیت يك مصرعہ ہم اتفاق نشدہ بود، لیکن محض بجهت سماعت کلام سائی زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم خواست، کہ طریقہٴ رسل و رسائل جاری شود۔ چون سبیل بہ ازن بنظم نرسید، لہذا چند ایات و اہیات موزون نمودہ، برصدا اصلاح پیش آن یگانہ آفاق مرسل گشت۔ چشمداشت کہ بعد اصلاح غزلہای مذکور مع کدام طرح جدید لطف فرمودہ شوند۔» (۱)

میرزا صاحب نے ۱۲ فروری کو اس فرمان کے جواب میں عریضہ نمبر ۳ تحریر کیا، اور اوس میں غزلیات اور ہنڈوی کے پہنچنے کی اطلاع کے بعد عرض کیا کہ

«اشعار خود بہنگام خویش خواہد رسید۔»

۱۵ فروری کو اصلاح شدہ غزلوں کے ساتھ جو عریضہ بھیجا اوس میں تخلص کے متعلق لکھا:

«میں نہیں چاہتا کہ آپکا اسم سائی اور نام نامی تخلص رہے۔ ناظم، عالی، انور، شوکت، نیشان، ان میں سے جو پسند آئے وہ رہو دیجی۔ مگر یہ نہیں کہ خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔» (۲)

سرکار نے یکم مارچ کو جواباً تحریر فرمایا:

«منجملۃ الفاظ تخلص لفظ «ناظم» مطبوع طبع نیاز گشت۔» (۳)

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ نواب فردوس مکان ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو میرزا صاحب کے شاگرد ہوئے، ۱۵ فروری کو میرزا صاحب نے اونہیں تخلص کیلئے چند الفاظ لکھے، اور یکم مارچ سنہ ۵۷ ع کو سرکار نے «ناظم» تخلص پسند آنے کی میرزا صاحب کو اطلاع تحریر فرمائی۔

ایک غلط فہمی

منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم نے نواب فردوس مکان کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے:

«طبیعت اول سے موزون پائی تھی۔ بھنگوئی کا ذوق، اردو شعر فرماؤ کا شوق تھا۔ پہلو مومن خان صاحب دہلوی سے مشورہ رہا۔ پھر مرزا اسد اللہ خان غالب سے تلمذ ہوا۔ آخر آخر بوضع

(۱) مکاتیب، ص ۴، حاشیہ نمبر ۱ (۲) ایضاً، ص ۷ (۳) ایضاً، ص ۸، حاشیہ نمبر ۱

اوستادان لکھنؤ موزون فرماؤ لگی۔ منشی مظفر علی صاحب کو، جو آج لکھنؤ میں سببان مصر یکتای دھر مین، کلام دکھاؤ لگی۔ (۱)

جہانتک حکیم مومن خان مرحوم کی شاگردی کا تعلق ہے، سرکار کے اس بیان کی موجودگی میں کہ »کاتب را اتفاق موزونیت یک مصرعہ ہم اتفاق نشدہ بود« اسکی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، کہ ایک لمحہ کیلئے بھی امیر مینائی کے بیان کو تسلیم کیا جائے۔ اسلئے کہ اگر نواب فردوس مکان موہن سے اصلاح لے چکے ہوتے تو میرزا صاحب کو یہ کبھی تحریر نفرماتے، کہ مجھے ابھی تک ایک مصرعہ موزون کرینکا بھی اتفاق نہیں ہوا ہے۔

البتہ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنوی کی شاگردی کا مسئلہ باقی رہتا ہے۔ اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب کی حیات میں انتقال فرمایا ہے، اور جیسا کہ عریضہ نمبر ۴۴ بنام نواب خلد آشیان سے معلوم ہوتا ہے، آخر وقت تک سرکار میرزا صاحب کے پاس اپنا کلام بھیجتے رہے۔ اس حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب کی زندگی میں اور اونسے اصلاح لیتے ہوئے اسیر لکھنوی سے کیوں اور کب مشورۂ سخن کیا۔ غالباً امیر مرحوم کے پاس اس کا جواب صرف یہی ہوگا کہ نواب فردوس مکان کے آخری کلام میں لکھنوی اثر کا پایا جانا اس مدعا کے ثبوت کی اہم دلیل ہے۔

مجھے اس خیال سے اتفاق ہے کہ سرکار کے آخری کلام میں لکھنویت پائی جاتی ہے۔ لیکن صرف وجود لکھنویت تلمذ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ خود امیر صاحب کے آخری کلام میں دہلویت پائی جاتی ہے۔ مگر اسوجہ سے کسی نے بھی اونہیں مرزا داغ کا شاگرد تسلیم نہیں کیا۔ میری ناقص رای میں امیر صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور وہ اسطرح کہ سنہ ۶۴ ع میں

میرزا صاحب نے ضعفِ پیری اور غلبہٴ امراض کے باعث سرکار سے استدعا کی تھی کہ مجھے اصلاح سے معاف رکھا جائے^(۱)۔ اس زمانہ میں دیگر درباری شعرا کیساتھ سرکار نے منشی اسیر سے بھی کسی وقت دو چار الفاظ میں مشورہ کر لیا ہوگا۔ امیر مینائی مرحوم نے اس مساویانہ مشورہٴ سخن کو تلذذ سمجھ کر دربارِ رامپور سے اپنے رشتہٴ استادی کو قدیم بنایا ہے اور بس۔ اس خیال کو مزید تقویت بہم پہنچتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں، کہ نواب فردوس مکان نے متعدد مقطعون میں میرزا غالب کی استادی کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن اسیر کا ذکر کہیں نہیں کیا۔ اگر وہ بھی استاد ہوتے تو اونکا مذکور بھی کسی نہ کسی جگہ ضرور آنا چاہیے تھا۔

غدر اور میرزا صاحب کی خیر خواہی

میرزا صاحب کے جدید رشتہٴ استادی کے قیام پر چند ماہ گزرے تھے، کہ غدر سنہ ۵۷ ع کے آثار پیدا ہونے لگے۔ میرزا صاحب نے اپنے محسن شاگرد کی خدمت میں کچھ خطوط لکھے، جو اونکی حسبِ ہدایت چاک کر دیے گئے۔ اس ہدایت کی وجہ بجز اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی، کہ ان تحریروں کا مضمون سیاسیات سے متعلق تھا۔ اسلئے کہ جب آتشِ غدر بھڑک اٹھی، اور نواب فردوس مکان کیلئے ناگزیر ہو گیا کہ اپنا رویہ متعین کریں، تو اونھوں نے انتہائی ہوشمندانہ طریقِ کار اختیار کیا۔ دستنبو میں میرزا صاحب اس رویہ کے متعلق لکھتے ہیں :

«چشم بد دور! فروزندۂ نور، نواب یوسف علیخان بہادر فرمانروای رامپور، کہ از دیر باز دران سر زمین ہمرزمانی و شاہ نشانی نیاگان خویش را جانشین است، و با جہانباں انگلند در مہروروزی و یکدل استواری پچانش بدان آئین است، کہ دست روزگار در ہزار سال ہزارگونہ کشاکش آترا نیارد گست، چار ناچار بفرستادن پیام خشک زبان ہم سایگان از گفتگو بست.»^(۲)

یہ رویہ جسے میرزا صاحب نے «پیامِ خشک» سے تعبیر کیا ہے، اوسوقت تک

کامیاب نہیں ہوسکتا تھا، جب تک حالات کا صحیح علم اور اونکے پسند ہونے کے واقعی اسباب قبل از وقت نہ معلوم ہو چکے ہوں۔

ترك مراسلت

غدر کیساتھ حکومتِ ہند کے سلسلہ نامہ رسانی میں اختلال واقع ہو گیا۔ نیز دہلی سے خط و کتابت کرنے میں کاتب و مکتوب الیہ کیلئے لال قلعہ یا حکومتِ ہند کی نظر میں مشتبہ قرار پانے کا خطرہ تھا، اسلئے قاصد کے ذریعہ »خیریت گوئی و عافیت جوئی« بھی سہل اور بیخطر نہ رہی تھی۔ ادھر نواب فردوس مکان روہیلکھنڈ کی بغاوت فرو کرنے میں منہمک تھے۔ ان حالات کا یہ نتیجہ نکلا کہ میرزا صاحب اور سرکار میں اگست سنہ ۵۷ ع سے جنوری سنہ ۵۸ ع تک مراسلت نہوسکی۔

عریضہ نمبر ۷ میں میرزا صاحب اس تركِ مراسلت کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

»در زمان چیرہ دستی کورنمکان سپاہ روسیہ سر رشتہ یام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادن نامہ بر رساندن نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمان داوران دادگر روائی و سلسلہ آمد شد نامہ رسانی یافت، نامہ در یام روان داشته شد، و نا رسیدن پاسخ آترا چنان پنداشته شد، کہ مگر آن نیایشنامہ نرسیده باشد، یا فرط احتیاط مانع تحریر جواب گردیده باشد.... بہ نگاشتن این نامہ زحمت اوقات ملازمان ازان رو روا داشته ام، کہ اگر نفرستادن نامہ محض از روی احتیاط است ہویدا گردد، کہ در عنایت تقریط و در رعایت افراط است۔« (۱)

میرزا صاحب کی مالی پریشانی اور تقرر وظیفہ

میرزا صاحب کو خزانہ کلکٹری سے ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار پنشن ملا کرتی تھی جسے غدر کے بعد تعلقِ قلعہ کے سبب سے گورنمنٹ نے مسدود کر دیا۔ امن کے بعد میرزا صاحب نے بیگناہی ظاہر کی، لیکن عرصہ تک شنوائی نہوئی۔ غدر سے قبل نواب فردوس مکان وقتاً فوقتاً عطیات بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ میرزا صاحب نے خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو ان عطیات کے بارے میں لکھا ہے :

»نواب یوسف علیخان بہادر والی رامپور، کہ میری آشنای قدیم ہیں، اس سال ... میری شاگرد ہوئے۔ ناظم اونکو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلین اردو کی بھیجی۔ میں اصلاح دیکر بھیج دینا۔ گاہ گاہ کچھ رویہ اودھر سے آتا رہتا۔« (۱)

لیکن ایامِ غدر میں وہ بھی امداد نہ کر سکے۔ بعدِ غدر متعدد بار دو سو ڈھائی سو روپیے نقد عطا کیے۔ مگر میرزا صاحب کو اوقات بسر کرنے کیلئے ماہوار امداد کی ضرورت تھی۔ لہذا انہوں نے »یوسف رامپور« کے حضور میں ماہانہ پرورش کی درخواست ارسال کی۔ سوئے اتفاق سے مثل میں یہ درخواست موجود نہیں۔ البتہ عریضہ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۸ اپریل سنہ ۵۹ ع میں ایک حسنِ طلب پر مشتمل نیازنامہ کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں :

»امی نیازنامہ میں کچھ حسنِ طلب بھی تھا۔ افسوس کہ ایسا خط ضروری نہ پہنچا۔« (۲)

چونکہ اول الذکر عریضہ سرکار کو موصول نہوا، اور دوسرے میں اوس حسنِ طلب کی تصریح نہ تھی، اسلئے مجبوراً ۱۰ جولائی سنہ ۵۹ ع کو میرزا صاحب نے ایک اور عریضہ ارسال کیا۔ امثال میں یہ عریضہ بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن سرکار کے جوابی فرمان مورخہ ۱۴ ذیحجہ سنہ ۱۲۷۵ ھ مطابق ۱۶ جولائی سنہ ۵۹ ع سے اسکے مضمون پر روشنی پڑتی ہے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا ہے :

»... سامی صحیفہ تالطف آگین مورخہ دسویں اس مہینہ جولائی سنہ حال کا بیچ عین انتظار کے غازہ آرای چہرہ وصول نشاط شمول کا ہوا، اور اوپر مراتب مرقومہ کے مطلع کیا۔ اور ان غزلوں کی اصلاح سے مخلص کو کمال مسرت ہوئی۔ اور بنظر آپکی زیرباری کے اس مہینہ جولائی سے سو روپیہ مہینا مقرر کیا گیا۔ اور دفتر میں نام آپکا مندرج کیا گیا۔ ہر مہینہ تنخواہ مقررہ پہنچے گی۔ یقین ہو کہ آپ بھی محول کمال محبت میں فرماویں گے۔«

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں میرزا صاحب نے کسی وجہ سے مراسلت کم کر دی تھی، مگر سرکار اونکے خط کے منتظر تھے۔ جب ۱۰ جولائی کے عریضہ میں انہوں نے اپنی زیرباری کا ذکر کیا، تو سرکار نے از راہ پرورش سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر فرمادی۔ سرکار کا روبکارِ تقرر

وظیفہ ۱۶ جولائی کو صادر ہوا، اور میرزا صاحب کو پہلی تنخواہ کی ہنڈوی ۲۸ ذیحجہ سنہ ۷۵ ھ مطابق ۳۱ جولائی سنہ ۵۹ ع کو روانہ کی گئی۔
 اپریل سنہ ۶۰ ع میں میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کو جو خط لکھا ہے اوس میں بھی جولائی سنہ ۵۹ ع سے تنخواہ جاری ہونیکا ذکر ہے۔
 فرماتے ہیں :

”قرارداد یہ ہو کہ نواب صاحب جولائی سنہ ۱۸۵۹ ع، کہ جسکو یہ دسوان مہینا ہو، سو روپیہ
 بچہر ماہ بماء بھیجتے ہیں۔“ (۱)

ہنڈوی بھیجنے کا طریقہ

چونکہ میرزا صاحب رامپور میں فروکش نہ تھے، اسلئے اونہیں ہر مہینے کی دسویں بارہویں تاریخ تک سو روپیہ کی ہنڈوی سرکار کے گرامی نامہ کیساتھ ملفوف بھیجی جاتی تھی۔ بعض عرایض میں میرزا صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی دوسری تاریخ تک روپیہ بھیج دیا جایا کرے۔ سرکار نے اسکو منظور بھی فرما لیا ہے، اور دفتر کو حکم بھی ہو گیا ہے، لیکن بالعموم ان تاریخوں کے بعد ہی روپیہ روانہ کیا گیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب مورخہ ۳۰ جولائی سنہ ۶۵ ع بنام میان داد خان سیاح سے معلوم ہوتا ہے، کہ سرکار میرزا صاحب سے روپیہ کی رسید نہیں لیتے تھے۔ میرزا صاحب لکھتے ہیں :

”ابک قرن ۱۲ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علیخان والی رامپور اپنے اشعار میری پاس بھیجتے تھے، اور سو روپیہ مہینا ماہ بماء بسبیل ہنڈوی بھیجاتے تھے۔ اوس مغفور کی اندازہ دانی دیکھو کہ مجھے کبھی اوس روپیہ کی رسید نہیں لی۔ اپنے خط میں ہنڈوی بھیجا کرتی۔ میں خط کا جواب لکھ بھیجتا۔ اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو کبھی ڈھائی سو بھیجتے رہے۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پسن مسدود۔ یہ بزرگوار وجہ مقررہ ماہ بماء اور فوج گاہ گاہ بھیجتا رہا، تب میری اور میری متوسلون کی زیست ہوئی۔“ (۲)

اس مکتوب میں رسید سے میرزا صاحب کی مراد باضابطہ رسید ہوگی۔ ورنہ سرکار کے ہر فرمان میں روپیہ کی وصولیابی سے مطلع کرنے کی خواہش اور میرزا صاحب کے تمام ماہانہ عرایض میں روپیہ کی رسید کی اطلاع درج ہے۔

میرزا صاحب کی تنخواہ کے تقرر کے سلسلہ میں مولانا مہر فرماتے ہیں :

» غدر کے بعد جب قلعہ کی تنخواہ جاتی رہی ، اور خاندانی پنشن بند ہو گئی ، تو غالب نے ایک فارسی قصیدہ نواب یوسف علیخان کے پاس بھیجا ، جس میں گہری دوستانہ روابط کا ذکر کرتے ہوئے نواب صاحب کے تغافل کا شکوہ کیا گیا تھا ۔ اس قصیدہ پر نواب یوسف علی خان مرحوم نے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ غالب کیلئے مقرر فرمادیا ، جو ماہ بماء نواب صاحب خود غالب کو بھیج دیتے تھے ۔ (۱)

لیکن مجھے مولانا کی رائے سے اتفاق نہیں ۔ اسلئے کہ اس قصیدہ میں میرزا صاحب نے سرکار سے ترکِ مراسلت کا شکوہ کیا ہے ۔ اگر یہ قصیدہ سنہ ۵۹ ع کا لکھا ہوا ہوتا تو شکوہ نادرست تھا ۔ کیونکہ سرکار کا وہ فرمان ، جو اطلاعِ تقررِ وظیفہ کے سلسلہ میں میرزا صاحب کو لکھا گیا تھا ، سرکار کیطرف سے شکوہ ترکِ مراسلت پر مشتمل ہے ۔ دوسرے اسلئے کہ اس میں میرزا صاحب نے گورنمنٹ کیطرف سے بریلی کا علاقہ عطا ہونے کی مبارکباد تحریر کی ہے ۔ یہ علاقہ پرگنہ کاشی پور ضلعِ مراد آباد عطا کردہ اپریل سنہ ۶۰ ع کے عوض میں سرکار کو ملا تھا ۔ اگر میرزا صاحب کا قصیدہ سنہ ۵۹ ع کا ہوتا تو اوس میں توقعِ بریلی کا مذکور نہونا چاہئے تھا ۔

مولانا مہر کے اس قیاس کی وجہ خود اونکے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے ، کہ اس میں میرزا صاحب نے اپنی تنخواہ کے تقرر کی درخواست کی ہے ۔ اگر قصیدہ تقررِ تنخواہ کے بعد لکھا گیا ہوتا ، تو اس میں عنایت کا شکریہ ادا کیا جاتا ۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں :

» اسکو بعد نواب صاحب کو توقعِ بریلی کی مبارکباد دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں مفق یا قاضی یا شیعہ یا عامل کے عہدے کا طلبگار نہیں ، بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ بھی ماہ بماء پہنچتا رہے ۔ (۲)

حالانکہ اس قصیدہ میں میرزا صاحب نے صرف سالانہ امداد کی درخواست

کی ہے جو تقررِ تنخواہ کے بعد بھی ہو سکتی تھی۔ اسلئے اس کو تقررِ تنخواہ کی بنا قرار دینا مناسب نہیں۔ میرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے:

دائم کہ تو دریائی و من سبزہ ساحل
آن شمع فروزان کہ بود در خور محفل
صد حیف کہ شد نقش امیدم ہمہ باطل
با دوست کہ پیوستہ ہمی برد غم از دل
چون می نهد داد، ز فریاد چہ حاصل ؟
دل گفت کہ ہاں شیوہ عشاق فروہل
حاشا کہ حکایت کنم از لیلی و محل
خوانند ستمگارہ و خونخوارہ و قاتل
شایان بودش گویم اگر خسرو عادل
او قلم و عمان بود و من خس ساحل
مائیم و یقینی کہ بوجدت شدہ کامل
امیدگہم بود بہر وادی و منزل
برستہ برویم در ارسال رسائل
مشتاق جمال تو، چہ دیوانہ چہ عاقل
شد نام نظیر تو و ہم نام تو داخل
ماندن ز تو دشوار و رسیدن بتو مشکل
زبان کہ فرو رفتہ مرا پای درین گل
از چیست کہ ہرگز ندہی وایہ بہ سائل
حرفی غلط از صفحہ ہستی شدہ زائل
تا نزد تو آرند یکی طائر بسمل
چون قبلہ نما سوی تو ام ساختہ مائل
دانی کہ درین شیوہ نیم عای و جاہل
ایں آیہ خاصست کہ بر من شدہ نازل
می بین، در گنج ارچہ کشودن شدہ مشکل
غم نیست گر آبادی دہلی شدہ زائل
اعجاز ز دہلی بود و سحر ز بابل
دیگر نبرد ذوق ز آواز عتادل
بستم بفرہ مندی خویش از کرم دل
حاشا کہ پزیرم عمل شخہ و عامل

و چون نیست مرا ثربت آبی ز تو حاصل
در بادبہ بر گور غریبان ز چہ سوزد
زان خسرو خوبان چہ قدر چشم وفا بود
افسانہ غم گر ہر بر ایم نبود عیب
میگویم و ہمدم زندم طعنہ کہ متن زن
از طعنہ شدم خستہ دل و از رہ تیار
تا کس نبرد ظن کہ بشاہد بودم روی
شاہد بود آن دوست کہ اندر غزل او را
من ناام ازان دوست کہ در عالم انصاف
او خسرو خوبان بود و بندہ گدایش
گر خواجہ ہمانست و گر دوست ہمانست
خود ہر چہ سرودم ہمہ با اوست کرین پیش
یا رب چہ شد اینک کہ نگیرد خبر از من
ای «یوسف» ثانی کہ بود در ہمہ عالم
گر نام تو در بحر نگنجید زبان نیست
تا نزد تو چون آیم و دور از تو چہ سازم
ای کاش بکوی تو چنین روی نمودی
چونست کہ گاہی تکی روی بدین سوی
گر جان دہم از غصہ تو دانی کہ بگیتی
خواہی کہ مرا بگری از دور بفرمای
از صنعت استاد ازل دان کہ ز ہر سوی
«غالب» بسخن نام من آمد ازل آورد
در فن سخن دم مزین از عرفی و طالب
من گنج و گردون بہ گل اندوہ درم را
خود در خور ویرانہ بود گنج گرانمند
ہاروت فسون نفس گرم چہ داند
آرا کہ صریر قلم ہوش رباید
توقیع «ربلی» بتو فرخندہ کہ من نیز
حاشا کہ ستانم رقم قاضی و مفتی

بفرست خردمند کسان را بحکومت
 ہر سال ازان شهر بمن وایہ روان دار
 امید کہ لب تشنگی من نہ پسندی
 امید کہ پیزی و بر من نکھی قہر
 امید کہ آن شیوہ نوری کہ نگویم
 ای رای تو در روشنی از مہر فزون تر
 تا مہر یک سال کند دائرہ را دور
 بائی بسہر شرف آن ماہ کہ باشد
 در نور بہ خورشید جہانتاب مقابلہ (۱)

اصلاح مین تاخیر

میرزا صاحب کی طرف سے نواب فردوس مکان کے کلام پر اصلاح دینے مین تاخیر بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ متعدد فرامین مین تعجیل کا تقاضا اور بعض مین تاخیر کا شکوہ نظر آتا ہے۔ اس کا سبب میرزا صاحب کی علالت طبع تھی۔ ۲۰ نومبر سنہ ۶۱ ع کے ایک مکتوب بنام میان داد خان سیاح مین میرزا صاحب نے لکھا ہے:

ہاندنون ضعف دماغ، دوران سر مین ایسا مبتلا ہوں کہ والی رامپور کا بھی بہت سا کلام یونہی دھرا ہوا ہے۔ دیکھو کی بھی نوبت نہیں آتی۔ تمہاری بھیجی ہوئی غزلین سب محفوظ دھری ہوئی ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔ جب نوابصاحب کی غزلین دیکھونگا، تو یہ بھی دیکھی جائیگی۔ (۲)

ایکبار تفتہ کے کلام پر اصلاح دینے مین دیر ہوئی۔ انہوں نے تقاضائی خط لکھا۔ اسپر ۱۴ اکتوبر سنہ ۶۲ ع کو میرزا صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

ہ بھائی! تم سچ کہو ہو کہ بہت مسودی اصلاح کیواسطو فراہم ہوئی ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری ہی قصائد پڑی ہیں۔ نوابصاحب کی غزلین بھی اسطرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہے.... اب نجات ہوئی ہے۔ نوابصاحب کی غزلین اور تمہاری قصائد دیکھو جائینگے.... مین ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نبا تکلف کی ملاقات کا آجائی تو اولیٰ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹو لیٹو خط لکھتا ہوں۔ لیٹو لیٹو مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ! اللہ! اللہ! (۳)

اس جواب پر ایک ماہ گزر گیا، لیکن ہنوز تفتہ کو اصلاح شدہ قصائد نہ ملے۔ انہوں نے پھر شکایت آمیز خط لکھا۔ اسکے جواب مین ۲۷ نومبر سنہ ۶۲ ع

کو میرزا صاحب نے معذرت کرتے ہوئے نواب صاحب کی غزلوں پر اصلاح دینے کا پھر ذکر کیا۔ فرماتے ہیں :

مرزا تفتہ ! جو کچھ تنو لکھا یہ بیدردی ہو اور بدگمانی۔ معاذ اللہ ! تم سو اور آزدگی۔
مجھ کو اسپر ناز ہو کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں، جس کا ہر گویا نام
اور نقشہ تخلص ہو بھائی مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہو۔ برسات کی مصیبت گزر گئی،
لیکن بڑھاپہ کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیٹھ نہیں سکتا۔ اکثر لیٹو لیٹو لکھتا ہوں ...
لالہ بالکنند یصبر کا ایک پارسل ہو کہ اوسلو بہت دن ہو، آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا۔
نواب صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں۔

ضعف فی غالب نکلا کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھو کام کو (۱)

مگر وظیفہ جاری

لیکن اس تاخیر کے باوجود نواب فردوس مکان وظیفہ برابر دیتے
رہے۔ حتیٰ کہ ایک بار میرزا صاحب نے اصلاح سے انکار کر دیا۔ اسپر بھی
سرکار نے از راہِ قدردانی وظیفہ بند نکیا۔ سرکار کی اس مہربانی و پرورش
کا ایک خط میں میرزا صاحب نے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ درپیش آیا کہ ایک بار
تفتہ کے کلام پر اصلاح دینے میں دیر ہوئی۔ اونیوں نے تقاضا کیا۔
میرزا صاحب نے عذرِ ضعف کیا، جسے تفتہ نے باور نکیا۔ اسپر میرزا
صاحب نے تحریر فرمایا :

میرا عجب حال ہو۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں باور نہیں آتا۔ ... سامعہ مرگیا تھا
اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا۔ ... رئیس رامپور سو روپیہ مہینا دیتے ہیں۔ سال گزشتہ اونکو
لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہو، اور میں اپنی حواس نہیں پاتا۔ متوقع ہوں کہ
اس خدمت میں معاف رہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کی مرکار میں ملتا ہو، عوض خدمات سابقہ
میں شمار کیجی، تو میں سکھ لبر بھی، ورنہ خیرات خوار بھی۔ اور اگر یہ عطیہ بشرط
خدمت ہو تو جو آپ کی مرضی ہو وہی میری قسمت ہو۔ برس دہائی میں اونکا کلام نہیں آتا۔
فوج مقرری نومبر تک آئی۔ اب دیکھتی آگئی کیا ہوتا ہو۔ آج تک نواب صاحب از راہ جوانمردی
دیے جاؤ ہیں (۲)

یہ خط میرزا صاحب نے ۱۴ رجب کو لکھا ہے۔ اسکے آخر میں سنہ درج
نہیں، لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۱۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع

تاریخ کتابت ہوگی۔ اسلئے کہ اس مین میرزا صاحب نے نومبر کی تنخواہ موصول ہونے کی اطلاع دی ہے۔ لہذا خط لکھتے وقت دسمبر کا مہینا ہونا چاہیے۔ اور جیسا کہ خود میرزا صاحب کے عریضہ نمبر ۳۹ سے، جو اسی ماہ نومبر کی تنخواہ کی رسید ہے، معلوم ہوتا ہے، رجب اور دسمبر سنہ ۱۲۸۱ھ مین ایکساٹھ آئے تھے، اور اتفاق یہ کہ دونوں مہینوں کا آغاز بھی ایک دن ہوا تھا۔

اس خط مین میرزا صاحب نے اوس عریضہ کا مضمون دوہرایا ہے جو نواب فردوس مکان کی خدمت مین ارسال کیا تھا۔ وہ عریضہ فائل مین موجود نہیں۔ لیکن امثلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کا یہ ارشاد کہ »برسدن سے اونکا کلام نہیں آتا« حقیقی عذر ہے۔ کیونکہ اس ایکسال کے عرصہ مین، جو کم از کم دسمبر سنہ ۶۳ ع سے دسمبر سنہ ۶۴ ع تک پھیلا ہوا ہے، نواب فردوس مکان نے تقریباً ہر ماہ خط بھیجا ہے۔ لیکن کسی مین اشعار کے ارسال کی اطلاع یا مرسلہ کلام کی واپسی کا تقاضا درج نہیں ہے۔ اونکا آخری کلام وہ واسوخت تھا جو میرزا صاحب نے آخر اکتوبر سنہ ۶۳ ع مین واپس بھیجا اور یہاں ۲۹ اکتوبر سنہ مذکور مطابق ۱۵ جمادی الثانیہ سنہ ۸۱ھ کو موصول ہوا۔ اسکے بعد اکتوبر سنہ ۶۴ ع کے آخر یا نومبر کے آغاز مین سرکار سرطان کے عارضہ مین مبتلا ہو گئے، اور غالباً سنہ ۶۵ ع کے شروع مین محرم سنہ ۸۲ھ کی مجالس کے لئے صرف ایک سلام لکھ کر بھیج سکے، جو اونکے انتقال کے بعد میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان کی خدمت مین واپس ارسال کیا۔^(۱)

رامپور کا پہلا سفر، اور سرکار کی تین دعوتنامہ

نواب فردوس مکان کو میرزا صاحب کا شاگرد ہوئے چند ماہ گزرے تھے کہ ہنگامہ غدر برپا ہو گیا، اور کچھ عرصہ تک باہم مراسلت

بند رہی۔ لیکن مملکتِ ہند میں امن و امان قائم ہوتے ہی سرکار نے میرزا صاحب کو رامپور تشریف لانے کی دعوت دی۔ نواب صاحب کا پہلا دعوتنامہ مثل میں موجود نہیں۔ لیکن مکتوب بنام صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر مورخہ ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع میں میرزا صاحب نے اپنے رامپور نائیکے وجوہ تحریر کیئے ہیں۔ اسلئے یقیناً پہلی دعوت ابتدائے سال سنہ ۵۸ ع میں دی گئی ہوگی۔ خود میرزا صاحب کے الفاظ »بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہان رہتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا« سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ۲۵ نومبر سنہ مذکور کو سرکار نے پھر تحریر فرمایا:

»مشفقاً! جو کہ غلطی کو اشتیاقِ معانقہ اور مکالمہ آپ کا بدرجہ کمال ہے، اور اب تشریف آوری آپ کی ایسکے مناسب ہے، اس واسطے حوالہ خامۂ محبت نگار کی ہوتا ہے، کہ آپ دیدارِ فایض الاتوار اپنے ہی غلطی کو مسرور فرمائیے۔ (۱)

اس کے بعد ۱۳ ماہ اپریل سنہ ۵۹ ع کو سہ بارہ تحریر فرمایا:

»حال تشریف آوری آپ کا اسطرح کو ابھی تک سامعہ نواز نہیں ہوا۔ اور دل صفا منزل مشتاق اور منتظر دریافت۔ سرور ملاقات کا ہے۔ اس واسطے حوالہ خامۂ اتحاد نگار کی ہوتا ہے، کہ آپ براہ عنایت کی نوید تشریف فرماں اس سمت سے، کہ کینک ممکن الوقوع ہے، مطلع اور مطمئن فرمائیے۔ (۲)

میرزا صاحب کا عذر

میرزا صاحب مطلع سیاست صاف ہو جانیکے بعد اپنی انگریزی پنشن کے اجرا کی سعی میں مصروف تھے۔ حکام انگریزی کی معدلت گسٹری و انصاف پڑوسی کے بدل معترف تھے، اور اپنے آپ کو جرم بیوفائی و غداری سے قطعاً بری پاتے تھے، اسلئے حکام کی ہر دفتری حرکت اونکی امید کو پیام کامیابی نظر آتی تھی۔ وہ روزانہ اس یقین کیساتھ بیدار ہوتے، کہ آج پنشن کی اجرا کا حکم ہو جائیگا، اور میں شام تک اپنے قرضہ کے بار سے سبک دوش ہو سکونگا۔ بسا اوقات اون سے یہ موہوم خوشی ضبط نہوسکی ہے، اور احباب کو کامیابی کی منزل قریب آجانے کی اطلاعیں تک دیدی ہیں۔ (۳)

(۱) مکاتیب، ص ۱۶، حاشیہ نمبر ۱ (۲) ایضاً، ص ۱۹، حاشیہ نمبر ۱

(۳) اردو ملی اور عود میں اس مضمون کے متعدد خطوط موجود ہیں۔

ایسی حالت میں کس طرح ممکن تھا کہ وہ دلی سے باہر چلے جاتے۔ چنانچہ یہی امروز و فردا دلی چھوڑ کر رامپور آنے سے مانع رہے، اور انہوں نے ہر دعوت نامہ کے جواب میں یہی عذر کیا کہ پنشن کے وصول کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اسکو ادھورا چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ اس سلسلہ میں صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کو تحریر کرتے ہیں :

”جناب نواب صاحب میری محسن اور میری قدردان اور میری امیدگاہ ہیں۔ میں اگر رامپور آؤنگا تو کب جاؤنگا۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ تجکو آؤ میں تردد کیا ہو، تردد کچھ نہیں توقف ہو۔ وجہ توقف کی یہ کہ میں نے اپنی پنشن کی باب میں چیف کیشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کیشنر شہر کی وہ درخواست حوالہ ہوئی۔ صاحب کیشنر دہلی نے صاحب کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہو۔ پھر حال صاحب کیشنر شہر کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کر کر چیف کیشنر کیساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھیے کب آئیں، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں۔ مگر تا صدور حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملتو حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالف مدعا، دونوں صورت میں رامپور آؤنگا۔“ (۱)

نواب فردوس مکان کے دعوتنامہ مورخہ ۲۵ نومبر سنہ ۵۸ ع کے جواب میں اسی عذر کا اعادہ کیا ہے۔ تحریر کرتے ہیں :

”میری حاضر ہونے کو جو ارشاد ہوتا ہو، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور کہاں جاؤنگا۔ پنشن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہو۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں۔ سنا جانا ہو اور یقین بھی آتا ہو کہ جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پائی۔ جسکو روپیہ ملتا ہو اوسکو روپیہ، جسکو جواب ملتا ہو اوسکو جواب ملجائی۔“ (۲)

لیکن میرزا صاحب کے علی الرغم جنوری سنہ ۵۹ ع بھی بیگانہ وار گزر گیا، تو انہوں نے اپنی صادق الاعتقادی میں اور وسعت دے لی، اور جب سرکار نے ۱۳ ماہ اپریل سنہ مذکور کو تیسری بار آمدِ رامپور کی دعوت دی تو اسکے جواب میں لکھا :

”پہلی خط میں یہ عرض کیا ہو، کہ مجموعہ پسنداروں کی مثل مرتب ہو، اور ہنوز صدر کو روانہ نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لاؤڈ کیلنگ بہادر نے کلکتہ سے میری پنشن کے کواغذ طلب کیے، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے۔ وہاں سے کلکتہ کو بھیجی جائیں گی۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب

مکاتیب غالب

ہوتا ہوا بیان آیتگا، اور بیان مجکو رویہ ملجائیکا۔ آج رویہ ملا، کل مین فی آپ سی سواری اور بادر داری مانگی۔ آج سواری اور بادر داری پہچی، اور کل مین فی رامپور کی راہ لی۔ (۱)

چوتھی دعوت

آخر کار سال ۵۹ ع بھی ختم ہونے کے قریب آ گیا، مگر پنشن کا معاملہ ہنوز لیت و لعل میں پڑا رہا۔ سرکار نے ۱۶ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو پھر ارقام فرمایا: سابق میں چند مرتبہ در باب تشریف فرمائی بیان کو متکلف ہوا ہوں۔ لیکن اب تک آپہ سرور ملاقات بھت آیات سی سرور نہیں فرمایا۔ اب لازم اشفاق کا یہ ہی کہ آپ تشریف شریف باسرع ازمہ ارزانی فرماوین، اور مخلص کو مشکور الطاف کا کریں۔ (۲)

میرزا صاحب اس عرصہ میں نواب فردوس مکان کے اخلاص و اعانت کے بدل معترف ہو چکے تھے، اور یہ عزم کر کے، کہ مقدمہ پنشن کے منفصل ہوتے ہی رامپور روانا ہو جائینگے، یوسف مرزا کو لکھا تھا:

دین تو پنشن کے باب میں حکم اخیر سن لوں۔ پھر رامپور چلا جاؤنگا۔ جمادی الاول سی ذی الحجہ تک ۸ مہینے، اور پھر محرم سی سنہ ۱۲۷۷ سال شروع ہوگا۔ اس سال کے دو چار حد دس گیارہ مہینے غرض کہ اونیس بیس مہینے ہر طرح بدر کرے ہیں۔ اسمین رنج و راحت و ذلت و عزت جو مقصوم میں ہی وہ پہنچ جائے۔ اور پھر دلی علی، کہتا ہوا ملک عدم کو چلا جاؤں۔ جسم رامپور میں اور روح عالم نور میں۔ یا علی! یا علی! یا علی! (۳)

میرزا صاحب کا عزم سفر اور اوسکا مقصد

جب آغاز سنہ ۱۸۶۰ ع میں گورنمنٹ نے مقدمہ پنشن کا فیصلہ میرزا صاحب کی خواہش اور امید کے خلاف صادر کیا، تو انہوں نے حسب وعدہ سفر رامپور کی تیاری کی۔ اس سلسلہ میں خواجہ غلام غوث خان بہادر یخبر کو لکھتے ہیں:

بعد فتح دہلی وہ (نواب فردوس مکان) ہمیشہ میری مقدم کو خواہان رہے تھے۔ میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ میں گورنمنٹ سی وہ جواب پایا، کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں۔ تو میں آخر جنوری میں رامپور گیا۔ (۴)

نواب فردوس مکان ایام غدر میں گورنمنٹ کے وفادار اور معاون رہے تھے۔

(۱) مکاتیب، ص ۱۹ (۲) ایضاً، ص ۲۵، حاشیہ نمبر ۳ (۳) اردوی معلی، ص ۳۴۵

(۴) ایضاً، ص ۲۸۳

بنابرین برٹش حکام کی نظر میں اونکی بڑی عزت و وقعت تھی۔ میرزا صاحب سے بھی اونکے تعلقات ییحد پر خلوص تھے۔ اسلئے مقدمہ خلاف فیصل ہونیکے بعد میرزا صاحب نے مناسب جانا کہ رامپور جائین اور سرکار سے زبانی عرض کریں کہ اپنے توسط سے گورنمنٹ سے میرے معاملہ کو صاف فرمادیجیے۔ منشی شیونراین اکبر آبادی کو ۳ مارچ سنہ ۶۰ ع کو رامپور سے لکھا ہے:

دین حسب الطلب نوابصاحب کو دوستانہ بیان آیا ہون، اور اپنی صفائی گورنمنٹ سی بذریعہ انکی چاہتا ہون۔ دیکھوں کیا ہوتا ہو۔ (۱) ۰۰

اسکے علاوہ ایک اور واقعہ، جو قیام رامپور کے زمانہ میں پیش آیا، اس امر پر شاہد ہے کہ سفر رامپور سے میرزا صاحب کا مقصد گورنمنٹ سے اپنی صفائی تھی۔ ۱۴ فروری سنہ مذکورہ کو حکیم غلام نجف خان کو اس واقعہ کے متعلق تحریر کیا ہے:

دیان کا یہ حال ہو کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ مراد آباد آیا چاہتی ہین۔ مراد آباد بیان سی بارہ کوس ہو۔ نوابصاحب دوری کو اپنی ملک کی گئی ہین۔ دو چار دن میں پھر آئینگی۔ اگر اونکی ملاقات کو مراد آباد جائینگی، میں بھی ساتھ جاؤنگا۔ اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلی سی کچھ علاقہ نہیں، مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہو۔ (۲) ۰۰

اگر میرزا صاحب کے پیش نظر گورنمنٹ سے صفائی نہوتی تو یہ جاتے ہوئے کہ یو۔ پی کے گورنر کو دلی سے کچھ واسطہ نہیں سرکار کیساتھ مراد آباد جانیکا تہیا نہکرتے۔

دلی سی روانگی

میرزا صاحب نے ارادہ کیا کہ آخر جمادی الثانیہ میں دلی روانا ہون، اور رجب المرجب کا چاند رامپور آکر دیکھین۔ حسین مرزا صاحب کو سہ شنبہ ۳۱ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو لکھتے ہین:

رامپور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہولیا۔ جب تم لکھو ہو کہ وہ تم وہاں جاؤ! تو مجھکو ہنسی آتی ہو۔ میں یقین کرتا ہون کہ ہلال ماہ رجب المرجب

رامپور میں دیکھوں (۳) ۰۰

اس خط کی تحریر سے ۱۹ دن کے بعد میرزا صاحب دلی سے روانا ہوئے۔
دلی سے روانگی کی تاریخ کا ذکر متعدد خطوط میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً خواجہ
غلام غوث خان بہادر بینبر کو بھلا لکھدیا ہے کہ

• جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ میں گورنمنٹ سی وہ جواب پایا کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں تو میں
آخر جنوری میں رامپور گیا۔ (۱)

رامپور سے واپس جا کر منشی شیونرین کو مہینے کیساتھ تاریخ بھی لکھی ہے۔
فرماتے ہیں :

۱۹ یا ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۶۰ کتاب اور دونوں عرضیان ولایت کو روانہ کر کے رامپور گیا ہوں۔ (۲)

لیکن آخر عمر میں میرزا صاحب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اسلئے
اونہیں صحیح تاریخ یاد نہیں رہی۔ دراصل وہ ۱۹ جنوری سنہ ۶۰ ع کو
دلی سے روانا ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۱ جنوری کو میرٹھ پہنچ کر مرزا تفتہ
کو لکھا ہے :

• بھائی ! میں نے دلی کو چھوڑا، اور رامپور کو چلا۔ پنجشنبہ ۱۹ کو مرادنگر اور جمعہ ۲۰ کو
میرٹھ پہنچا۔ آج شنبہ ۲۱ کو بھائی مصطفیٰ خان کو کچی سی مقام کیا۔ یہاں سے یہ خط تمکو لکھ کر
بھيجا۔ کل شاہجہان پور پرسون گڈہ مکینشر رھونگا۔ پھر مرادآباد ہوتا ہوا رامپور جاؤنگا۔ (۳)

اسی تاریخ کو حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں :

• میان ! میں تم سے رخصت ہو کر اوسدن مرادنگر میں رہا۔ دوسری دن، یعنی جمعہ کو، میرٹھ
پہنچا۔ نواب مصطفیٰ خان نے ایکدن رکھ لیا۔ آج شنبہ ۲۱ جنوری یہاں مقام ہی۔ نوج گتو ہیں۔
بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ مفت کا کھانا ہی۔ خوب پیٹ بھر کر کھاؤنگا۔ کل شاہجہانپور،
پرسون گڈہ مکینشر، رھونگا۔ مرادآباد سے پھر تمکو خط لکھونگا۔ (۴)

ان تمام تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعرات کے دن صبح کیوقت ۱۹ جنوری
سنہ ۶۰ ع کو میرزا صاحب دلی سے روانا ہوئے۔

اخفای حال

روانگی سے پہلے میرزا صاحب نے کسی مصالحت کے ماتحت مختلف
اصحاب سے مختلف مقامات کے سفر کا اظہار کیا تھا۔ لیکن میرٹھ پہنچ کر اخفا

دیا جا

کی ضرورت نہ سمجھی، اور وہیں سے حکیم غلام نجف خان کو لکھا:

• ہاں بھائی! میں از روی مصلحت اپنی مقامات مختلف کا عازم کہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے پوچھا کری اوس سے پردہ نکرنا اور صاف کہدینا کہ رامپور کو گیا ہو۔ یعنی سب کو معلوم ہو جائے، اور کوئی تذبذب میں نہ رہے (۱) ۲۰

اس مکتوب میں میرزا صاحب نے اوس مصلحت کو ظاہر نہیں کیا، جو مقام سفر کے اخفا کی بنا تھی۔ لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ کسی سیاسی مصلحت سے ایسا کیا ہوگا۔ جو کم از کم یہ ہو سکتی ہے کہ اوس وقت تک گورنمنٹ نے میرزا صاحب کی بریت تسلیم نہیں کی تھی، اور انہیں غدر کے بعد سفر کا پہلا اتفاق تھا، اسلئے یہ خطرہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں رامپور جانے سے روک نہ دیا جاؤں، یا یہ کہ کوئی حاسد سرکار کو یہ نہ لکھ دے کہ میرزا صاحب گورنمنٹ کی نظر میں ابھی مشتبہ ہیں، انہیں اپنی ریاست میں نہ آنے دیجئے۔

منازل سفر

۱۹ جنوری کی صبح کو دلی سے روانا ہو کر میرزا صاحب نے شام کو مرادنگر میں قیام کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو میرٹھ پہنچے۔ وہاں ایکدن نواب مصطفیٰ خان بہادر شیفہ کے ہاں ٹہر کر اتوار کو شاہجہانپور اور پیر کو گڑھ مکئیسر میں اترے۔ یہاں سے مرادآباد تک کی منازل کا پتہ نہیں، جو منگل اور بدھ دو دن میں طے کی گئی ہونگی۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ آخری منزل مرادآباد تھی۔ یہ تمام تفصیل مرزا تفتہ اور حکیم غلام نجف خان کے نام کے مکاتیب میں ابھی گزر چکی ہے۔

رفقای سفر

اس سفر میں زین العابدین خان عارف مرحوم کے دونوں لڑکے، باقر علیخان اور حسین علیخان، عنایت اللہ خادم، اور ایک دو اور ملازم میرزا صاحب کے ہمراہ تھے۔ لڑکوں کا ذکر متعدد خطوط میں کیا گیا ہے۔ یہاں صرف اوس خط کا اقتباس کافی ہوگا، جس میں تمام ہمراہیوں

کا ذکر ہے۔ میرزا صاحب حکیم غلام نجف خان کے خط کے آخر میں لکھتے ہیں :

”لڑک ہی تدرست۔ آدمی بھی توانا۔ مگر ہاں ایک غایت اللہ دو دن سی کچھ بیمار ہو۔ خیر اچھا ہو جائیگا۔“ (۱)

ورد رامپور کی تاریخ

غالباً میرزا صاحب جمعرات کے دن مراد آباد پہنچے، اور وہاں رات کو آرام کر کے دوسرے دن جمعہ کو رامپور وارد ہوئے۔ جمعہ ۳ فروری کو رامپور سے حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں :

”آج تک، کہ جمعہ آٹھواں دن میری پہنچ کو ہو، کچھ کلام نہیں ہوا۔“ (۲)

اس سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے، کہ میرزا صاحب جمعہ کے دن رامپور پہنچے۔ لیکن مرزا تفتہ اور حکیم غلام نجف خان کو میرٹھ سے جو خطوط لکھے ہیں اون میں میرزا صاحب نے جمعہ کو ۲۰ اور شنبہ کو ۲۱ جنوری تاریخ تحریر کی ہے۔ اس حساب سے جس جمعہ کو میرزا صاحب نے سرزمین رامپور پر قدم رکھا، ۲۷ جنوری سنہ ۶۰ ع تاریخ انگریزی ہونی چاہیے۔

قبائگاہ

رامپور پہنچکر میرزا صاحب نے سرکار کی خاص کوٹھی میں قیام کیا۔ لیکن لڑکے میرزا صاحب کیساتھ آئے تھے، اسلئے یہاں چار دن گزارنے کے بعد از روی احتیاط جداگانہ مکان کی خواہش کی۔ سرکار نے ایک مکان، جو تین چار حویلیوں پر مشتمل تھا، قیام کیلئے عطا فرمایا۔ میرزا صاحب نے تفتہ کے پتہ کے استفسار پر جو خط لکھا ہے اوس میں فرماتے ہیں :

”پہل پہ تو بتاؤ کہ رامپور میں مجھے کون نہیں جانتا۔ کہاں مولوی وجیہ الزمان صاحب کہاں میں۔ اونکا مسکن میری مسکن سی دور۔ پھر در دولت رئیس کہاں اور میں کہاں۔ چار دن والی شہر تو اپنی کوٹھی میں اوتارا۔ میں تو مکان جداگانہ مانگا۔ دو تین حویلیاں برابر برابر مجھکو عطا ہوئیں۔ اب اس میں رہتا ہوں۔ بحسب اتفاق ڈاک گھر مسکن کو پاس ہو۔ ڈاک منشی آشنا ہو گیا ہو۔ برابر دلی سے خط چل آتی ہیں۔ صرف رامپور کا نام اور میرا نام۔ محلہ کی اور

عرف کی حاجت نہیں۔ بلکہ در دولت اور مولوی صاحب کو نشان می شاید خط تلف ہو جاؤ۔ (۱)

حکیم غلام نجف خان کو لکھا ہے:

”مکان کا پتہ ضرور نہیں۔ ڈاک گھر میری گھر کی پاس۔ ڈاک منشی میرا آشنا۔..... ایک

مکان، کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہو، رہتی کو ملا ہی۔ (۲)

میر مہدی کو تحریر کیا ہے:

”تمہارا خط پہنچا۔ تردد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کی قریب اور ڈاک منشی میرا دوست ہو۔ (۳)

مکان کی تحقیق

حقیر عرشی نے بزرگانِ شہر سے تحقیق کی کہ اوس زمانہ میں ڈاکخانہ کس محلہ میں تھا، تو معلوم ہوا کہ محلہ راجدوارہ کی اوس شاہراہ پر، جو خاص باغ پبلس کو جاتی ہے، مولوی محمد یحیی صاحب وکیل کے مکان میں ڈاکخانہ واقع تھا، اور میرزا صاحب نے اوسکے متصل مکان میں قیام کیا تھا۔ اس مکان میں آجکل ایک آہنگر مقیم ہے۔ چونکہ یہ مکان اردو ادب کے نیرِ رخشان کا فرودگاہ رہ چکا ہے، اسلئے عالی رتبہ صاحب چیف منسٹر بہادر کے حسبِ الحکم اسپر پتھر کا کتبہ لگایا جا رہا ہے۔

مہانداری

میرزا صاحب کیلئے ابتداء سرکاری باورچیخانہ سے کھانا آتا رہا۔ چنانچہ

حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

”کھانا دونوں وقت سرکار می آتا ہو، اور وہ سب کو کافی ہوتا ہو۔ غذا میری بھی خلاف

طبع نہیں۔ (۲)

میر مہدی کے خط میں بھی سرکاری مہانداری کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”ہیان کا حال سبطر خوب ہو، اور صحت مرغوب ہو۔ اسوقت تک مہان ہون۔ (۳)

لیکن چند دن کے بعد کھانے کے سو روپیہ ماہوار مقرر کر دیے گئے۔ دلی جا کر

میرزا صاحب نے میر مہدی کو لکھا ہے:

”اب جو میں ومان گیا تو سو روپیہ مہینا بنام دعوت اور دیا۔ یعنی رامپور رہون تو دو

سو روپیہ مہینا پاؤں، اور دلی رہون تو سو روپیہ۔ (۴)

(۲) ایضاً، ص ۲۲۸

(۱) اردوی مغل، لاہور ایڈیشن، ص ۳۷۱

(۴) ایضاً، ص ۱۶۲

(۳) ایضاً، ص ۱۶۹

آب و ہواۓ رامپور

رامپور کی آب و ہوا میرزا صاحب کے مزاج کے موافق ثابت ہوئی۔
آمدِ رامپور کے ۸ دن بعد حکیم غلام نجف خان کو لکھا ہے :

• پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں ۔ ایک دریا ہے کوسی ۔ سبحان اللہ ! اتنا میٹھا پانی کہ
پینے والا گمان کری کہ یہ پھیکا شربت صاف ہے ۔ سبک ، گوارا ، ہاضم ، سریع النفوذ ۔
اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدی سے محفوظ ہوں ۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ہے ۔
لڑکے بھی تسدرست ۔ آدمی بھی توانا ۔ مگر ہاں ایک عنایت اللہ دو دن سے کچھ بیمار ہے ۔
خیر اچھا ہو جائیگا ۔ (۱)

رامپور ہی سے میر مہدی مجروح کو تحریر کیا ہے :

• یہ رامپور ہے ۔ دارالمرور ہے ۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے ۔ پانی سبحان اللہ !
شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے ، اور کومی اوسکا نام ہے ۔ بڑے شبہ چشمہ آب حیات
کی کوئی سوت اوس میں ملی ہے ۔ خیر اگر یوں بھی ہے ، تو بھائی آب حیات عمر بڑھانا
ہو ۔ اتنا شیریں کہاں ہوگا ۔ (۲)

ملاقات اور تعظیم و توقیر

نواب فردوس مکان کا اخلاق میرزا صاحب کی امید کے مطابق ثابت
ہوا ۔ سرکار نے ہر وقت ملاقات احباب کی طرح معانقہ کیا ، اور احباب میں
تعظیم و توقیر کی جو رسم ہے اوسکو ملحوظ رکھا ۔ میرزا صاحب نے خود
نذر پیش کرنے کے عوض دونوں لڑکوں سے نذر دلوائی ۔ سرکار کے اس برتاؤ
کے بارے میں میرزا صاحب میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

• تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہے ۔ (۳)

بعد ازان دلی جا کر لکھا ہے :

• ملاقات بھی دوستانہ رہی ۔ معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہے ۔ وہ صورت
ملاقات کی ہے ۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوا دی تھی ۔ بس ۔ (۴)

اسی سلسلہ میں رامپور سے حکیم غلام نجف خان کو تحریر کیا ہے :

• اب میرا حال سنو ۔ تعظیم و توقیر بہت ۔ ملاقاتیں تین ہوئی ہیں ۔ (۱)

ابھی گفتگو نہیں ہوئی

اگرچہ نواب فردوس مکان نے جولائی سنہ ۱۲۰۹ھ سے میرزا صاحب کو سو

رویہ ماہوار بطور امداد عطا فرمانا شروع کر دیے تھے، جو انہیں بذریعہ ہندوی ماہ بماء ارسال ہوا کرتے، لیکن جب میرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور چند روز تک خدمت اور معاوضہ کے بارے میں سرکار سے بالمشافہہ گفتگو نہیں ہوئی، تو انہیں مختلف خطرات پیدا ہوئے۔ خدمت اور در ماہہ کے خطرہ کو حکیم غلام نجف کے نام کے مکتوب میں اسطرح ظاہر کیا ہے:

• هنوز کچھ گفتگو درمیان نہیں آئی۔ میں خود اون سے ابتدا نکر ونگا۔ وہ بھی مجھ سے بالمشافہہ نہ کہیں گی۔ مگر بواسطہ کارپردازان سرکار دیکھوں کیا کتو ہیں، اور کیا مقرر کرتے ہیں۔ (۱)

یہ خط ۳ فروری کو لکھا گیا تھا۔ اسکے بعد ۱۴ فروری کو پھر لکھتے ہیں:

• یہاں کا رنگ نوابصاحب کی آتی پر جو ہوگا، اور جو قرار پائیکا، وہ مفصل تمکو لکھونگا۔ (۲)

میر مہدی مجروح کو بھی دبیے الفاظ میں لکھا ہے:

• اسوقت تک مہانت ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ (۳)

رامپور کی اقامت کے خطرہ کو مرزا تفتہ کے خط میں ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

• دوسری بات جو تم نے لکھی ہے وہ بھی مطابق واقع و مناسب حال نہیں۔ اگر اقامت قرار پائی تو تمکو بلاونگا۔ (۴)

۱۴ فروری کو مرزا تفتہ کے خط کے جواب میں پھر لکھا ہے:

• میری جان! آخر لڑکے ہو۔ بات کو نہ سمجھو۔ میں اور تفتہ کا اپنی پاس ہونا غنیمت نجانوں۔

میں نے یہ لکھا تھا کہ بشرط اقامت بلاونگا۔ اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں

کی ٹھہری تو بدتمہاری نہ ہونگا۔ نہ رہونگا۔ زہار نہ ہونگا۔ (۵)

سہ بارہ یکم مارچ کو تحریر کرتے ہیں:

• بالفعل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مراد آباد اور وہاں سے رامپور آئیں گی۔ بعد اونکو جانیکی

کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہریگا۔ منظور بھگو یہ ہے کہ اگر بیان رہنا ہوا تو فوراً

تمکو بلاونگا۔ (۶)

تین خدمت و اقامت

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار یہی طے پایا کہ میرزا صاحب رامپور

کی اقامت اختیار کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ جہاں مزاج چاہے رہیں۔ سرکار

(۱) اردوی مہلی، ص ۲۲۸ (۲) ایضاً، ص ۲۳۰ (۳) ایضاً، ص ۱۶۹

(۴) ایضاً، لاہور ایڈیشن، ص ۲۷۲ (۵) ایضاً، ص ۷۳ (۶) ایضاً، ص ۸۶

کے کلام پر اصلاح دیدیا کرین۔ البتہ رامپور آکر رہینگے تو دعوت کے سو روپیے ماہوار مزید عطا ہونگے، اور دلی رہینگے تو صرف سو روپیہ تنخواہ ملیگی۔ اس تصفیہ کے متعلق میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کو لکھا ہے :

• قرار داد یہ ہو کہ نواب صاحب جولائی سنہ ۱۸۵۹ء سے ، کہ جسکو یہ دسواں مہینا ہی ، سو روپیہ بھیجے ماہ بماء بھیجتے ہیں۔ اب جو مین وہاں گیا ، تو سو روپیہ مہینا بنام دعوت اور دیا ۔ یعنی رامپور رہوں تو دو سو روپیہ مہینا پاؤں ، اور دلی رہوں تو سو روپیہ ۔ بھائی سو دو سو مین کلام نہیں ۔ کلام اس مین ہو کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں ۔ ... ہر حال غنیمت ہو ۔ رزق کو اچھی طرح ملو کا شکر چاہتی ۔ کمی کا شکوہ کیا ۔ (۱)

مرزا تقیہ کو تحریر کیا ہے :

• وہ سو روپیہ مہینا یہاں رہوں وہاں رہوں خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہو ۔ (۲)

قاضی عبدالجلیل صاحب بریلوی کو بھی یہی لکھا ہے کہ

• حق تعالیٰ والی رامپور کو صد و سی سال سلامت رکھے ۔ اونکا عطیہ ماہ بماء بھکر پہنچتا ہو ۔ کرم گستری اور استاد پروری کر رہی ہیں ۔ میری رنج سفر اونٹنوں کی اور رامپور جانیکی حاجت نہیں ۔ (۳)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں :

• واہ کیا کہنا ہو ۔ رامپور کے علاقہ کو گاؤشنگ اور بھکر بیل ، یا اوس پیوند کے طعنہ کو تازیانہ اور بھکر گھوڑا بنایا ۔ وہ علاقہ اور وہ پیوند لوہارو کے سفر کا مانع و مزاحم کیوں ہو ۔ رئیس بکطرف سے بطریق وکیل محکمہ کشنری مین معین نہیں ہوں ۔ جس طرح امرا واسطی فقرا کے وجہ معاش مقرر کردیتے ہیں اسی طرح اس سرکار سے میری واسطی مقرر ہو ۔ ہاں فقیر سے دعا کی خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب ہو ۔ چاہوں دلی رہوں چاہوں اکبر آباد ۔ چاہوں لاہور چاہوں لوہارو ۔ (۴)

لڑکوں کی شرارت

رامپور کی آب و ہوا کی موافقت مزاج اور سرکار کی تعظیم و توقیر کے باعث میرزا صاحب زیادہ عرصہ قیام کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن باقر علیخان اور حسین علیخان ساتھ تھے ۔ میرزا صاحب نے انکا دل بہانے کے خیال سے طفلانہ کھیل کود کے تمام لوازمات مہیا کر دیئے تھے ۔ اس پر بھی یہ برابر انکے

سکون و آرام میں خلل ڈالتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۴ فروری کو میرزا صاحب حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں :

”لڑکوں دونوں اچھی طرح میں۔ کبھی میرا دل بہلاؤ میں۔ کبھی جھکوتاؤ میں۔ بکریاں، کبوتر، بٹیرین، نکل، ککوا سب سامان درست ہو۔ (۱)“

اپنے ارادۂ قیام اور انکی شرارت کے متعلق یوسف مرزا صاحب کو تحریر کرتے ہیں :

”جھکوں لڑکوں کو بہت تنگ کیا۔ ورنہ چند روز اور رامپور میں رہتا۔ (۲)“

میر مہدی مجروح کو لکھا ہے :

”لڑکوں کو ساتھ لیکھا تھا۔ وہاں اونہوں کو میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھجندی میں وم آیا، کہ خدا جاؤ اگر کوئی امر حادث ہو تو بدنامی عمر بھر رہو۔ اس سبب سے جلد چلا آیا۔ ورنہ گرمی برسات وہاں کاٹتا۔ اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤنگا، اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤنگا۔ (۳)“

دلی کو واپسی

لڑکوں کی شرارت سے تنگ آکر میرزا صاحب نے برسات تک کے ارادۂ قیام رامپور کو فسخ کر دیا۔ سرکار نے ہر چند روکا اور آموں کا لالچ دیا، لیکن میرزا صاحب نہ روکے اور آخر مارچ مطابق آخر شعبان میں دلی کو روانہ ہو گئے۔ رامپور سے روانگی کی تاریخ بھی میرزا صاحب نے متعدد خطوط میں تحریر کی ہے۔ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو لکھتے ہیں :

”سال گزشتہ اندون میں میں رامپور تھا۔ مارچ سنہ ۶۰ ع میں یہاں آگیا ہوں۔ (۴)“

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں :

”میان میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں، تو کیا کہوں کہ یہاں کو لوگ میری حق میں کیا کیا کہہ کتے میں۔ (۵)“

میر مہدی مجروح کو تحریر کرتے ہیں :

”میر مہدی ! تم میری عادات کو بھول گئی۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہو۔ میں اس مہینے میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہو، اور بہت منع

کرتو رہو . برسات کی آموں کا لالچ دیتو رہو . مگر بھائی میں ایسی انداز سی چلا کہ
چاند رات کی دن بیان آہنچا . یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا . (۱)

میر غلام حسنین قدر بلغرامی کو سہ شنبہ ۱۳ مارچ سنہ ۶۰ ع کو لکھا ہے :
» اب جو خط بھجی دلی کو بھجی گا ، کہ میں اس مہینے میں اودھر کو جاؤنگا . رویت ماہ
صیام اغلب ہو کہ دلی ہی میں ہو . (۲)

ان خطوط سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب آخر شعبان
سنہ ۱۲۷۶ ھ مطابق آخر مارچ سنہ ۱۸۶۰ ع میں رامپور سے روانا ہو کر ۳۰
شعبان کو دلی پہنچے ، اور وہاں پہنچکر رمضان المقدس کا چاند دیکھا . لیکن
انگریزی و ہجری تاریخیں ابھی متعین نہیں ہوئی تھیں . انگریزی تاریخ کے بارے
میں منشی شیونز این کو رامپور سے لکھتے ہیں :
» اب میں شنبہ کی دن ۱۷ مارچ کو دلی روانا ہوگا . (۳)

یوسف مرزا صاحب کو ۹ رمضان مطابق ۲ ماہ اپریل کو ہجری تاریخ کے متعلق
تحریر کیا ہے :

» میں ۲۳ شعبان کو رامپور سی چلا اور ۳۰ شعبان کو دلی پہنچا . اوسی دن چاند ہوا . (۴)

میرزا صاحب نے اس خط میں رمضان کی نوین تاریخ کو اپریل کی دوسری تاریخ
کے مطابق لکھا ہے ، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اوس سال رمضان کا چاند ۳۰ کا ہوا
تھا . اس حساب سے ۲۳ شعبان سنہ ۱۲۷۶ ھ ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۶۰ ع کے مطابق ،
اور ۳۰ شعبان سنہ مذکورہ ۲۴ مارچ سنہ ۶۰ ع کے مطابق ہوگی . لہذا میرزا
صاحب کی رامپور سے روانگی کی تاریخ ۲۳ شعبان سنہ ۷۶ ھ مطابق ۱۷ مارچ
سنہ ۶۰ ع اور دلی میں ورود کی تاریخ ۳۰ شعبان سنہ ۷۶ ھ مطابق ۲۴ مارچ
سنہ ۶۰ ع قرار پاتی ہے .

کل مدت قیام

میرزا صاحب کے بعض خطوط میں رامپور کے قیام کی کل مدت کا بھی

(۲) ایضاً ، ص ۴۰۶ ، لاہور ایڈیشن

(۴) ایضاً ، ص ۳۴۸

(۱) اردوی معلی ، ص ۱۶۱

(۳) اردوی معلی ، ص ۳۸۰

ذکر آیا ہے۔ لیکن وہ تخمینی ہے۔ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھتے ہیں :

» میں آخر جنوری میں رامپور گیا۔ چھ سات ہفتہ وہاں رہ کر دلی آیا۔ « (۱)

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں :

» نواب یوسف علیخان بہادر ... بلاق رہو تھر۔ اب میں گیا۔ دو مہینہ رہ کر چلا آیا۔ « (۲)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو تحریر فرماتے ہیں :

» سال گزشتہ بیڑی کو زاویۂ زندان میں چھوڑ مع دونوں متکڑیوں کو بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد

موتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینہ وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ

پھر نہ بھاگوں گا۔ « (۳)

ان خطوط میں » چھ سات ہفتے، کچھ دن کم دو مہینے « اور » دو ماہ « تین مختلف بیان ملتے ہیں۔ ان میں سے » کچھ دن کم دو مہینے « صحیح ہے، اسلئے کہ میرزا صاحب ایک ماہ بیس یوم رامپور میں رہے تھے۔

رامپور میں عدیم الفرستی

قیام رامپور کے زمانہ میں میرزا صاحب اسقدر عدیم الفرست رہے، کہ اکثر احباب کے محبت ناموں کا ہر وقت جواب تک ندیسکے۔ ایک خط میں اسکی وجہ تحریر فرماتے ہیں :

» از بسکہ بیان کہ حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آؤ میں، فرصت مشاہدہ اوراق

نہیں ملی۔ « (۴)

واپسی پر دلی میں چہ میگوئی

میرزا صاحب نے دلی سے روانا ہونے وقت اپنا صحیح ارادہ سفر ظاہر نہیں کیا تھا۔ جب یہ رامپور سے واپس دلی پہنچے تو حساد نے اس اخفا کا انتقام لیا، اور شہر میں واپسی پر خوب خوب رای زنی کی گئی۔ میرزا صاحب کو اس رای زنی سے سخت ذہنی اذیت پہنچی، اور اونہوں نے شکایت آمیز لہجے میں مرزا تفتہ کو لکھا :

» میان میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں بیان آگیا ہوں تو کیا کہوں کہ

(۲) ایضاً، ص ۵۴

(۱) اردوی معلی، ص ۲۸۳

(۴) اردوی معلی، ص ۷۳

(۳) ایضاً، ص ۴۰۰، وعود، ص ۷۰

یہاں تک لوگ میری حق میں کیا کیا کچھ کہتی ہیں . ایک گروہ کا قول یہ ہو کہ یہ شخص والی رامپور کا استاد تھا ، اور وہاں گیا تھا . اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا تو بھی پانچ چار ہزار روپیہ سے کم نہ دیا ہوگا . ایک جماعت کہتی ہو کہ نوکری کو گتھی تھی مگر نوکر نہ رکھا . ایک فرقہ کہتا ہو کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا . دو سو روپیہ مہینا کر دیا تھا . لفٹ گورنر الہ آباد جو رامپور آئے ، اور اونکو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا ، تو اونہوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتی ہو تو اسکو جواب دو . نواب نے برطرف کر دیا . (۱)

یہ تو اربابِ دہلی کی آرا تھیں . لیکن انکی نقل کے بعد میرزا صاحب نے تفتہ کو اصل حقیقت بتائی ہے . فرماتے ہیں :

”یہ تو سب سن لیا . اب تم اصل حقیقت سناؤ . نواب یوسف علی خان بہادر تیس تیس برس کی میری دوست اور پانچ چھ برس سے میری شاگرد ہیں . آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے . اب جولائی سنہ ۱۸۵۹ء سے سو روپیہ مہینہ ماہ بجا بھیجتے ہیں . بلاؤ رہتے تھے . اب میں گیا . دو مہینے رہ کر چلا آیا . بشرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤنگا . وہ سو روپیہ مہینہ ، بیان رہوں وہاں رہوں ، خدا کی ہاں سے میرا مقرر ہو .“ (۱)

نواب فردوس مکان کی علالت اور میرزا صاحب کا تردد

ماہ اکتوبر سنہ ۶۴ع کے آخر یا نومبر کے آغاز میں نواب فردوس مکان عارضۂ سرطان میں مبتلا ہوئے . میرزا صاحب کو کسی ذریعہ سے اسکی اطلاع ملی ، تو انہیں اپنے سخی داتا شاگرد کی علالت سے سخت تردد لاحق ہوا . چونکہ نواب صاحب مرزا صاحب کے پورے خاندان کے مربی تھے اسلئے میرزا صاحب کی بی بی اور حسین علیخان بھی پریشانی کا شکار ہونے سے نہ بچے . مگر اسوقت تک میرزا صاحب کو یہ معلوم نہو سکا تھا کہ سرکار کو مرض کیا لاحق ہوا ہے . اس امر کی تحقیق کیلئے اونہوں نے ۸ نومبر سنہ ۶۴ع کو انتہائی احتیاط کیساتھ تحریر کیا :

”جب سے حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سے مسومع ہوا ہو ، عالم الغیب گواہ ہو ، کہ مجھ پر اور میری بی بی پر اور میری فرزند حسین علیخان پر کیا گزر رہی ہو . ایکدن رات میری گھر میں روٹی نہیں پکی . سب نے فاقہ کیا . باری وہ خبر وحشت اثر غلط نکلی . حواس ٹھکانو ہوئے .“ بالکل اطمینان جب ہوگا ، کہ آپکو غسل صحت کی نوید سنوئنگا ،“

اور قطعہ تاریخ غسل صحت لکھکر بھیجوںگا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقت مرض سی آگہی حاصل ہو۔ (۱)

۱۲ نومبر کو سرکار کا نامہ مبارک میرزا صاحب کو موصول ہوا۔ غالباً اوسمین نوعیت و کیفیت مرض کا ذکر نہ تھا، جس سے کسیقدر اطمینان ہوا۔ لیکن ابھی تشویش رفع نہوئی تھی، اسلئے اسکے جواب میں ۱۳ نومبر کو میرزا صاحب نے پھر لکھا:

”ابتدای یکم نومبر سی ۱۱ تک عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نهار مجھ پر کیسی گزری ہیں۔“ راہ دور۔ میں رنجور۔ ممبدا یمقدور۔ اگر دل سی راپور تک شکر کی ڈال جاتی ہوتی، تو میں بیان ایک دم نہ ٹھرتا، اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ تازہ برقی بھی نہیں جو صحت و عافیت کی خبر جلد حاصل ہو۔ ناچار از راہ اضطرار ۸ ماہ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانہ کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشد کامل یعنی حضرت کی ہدایت تو اوس خط کی جواب آنیکی مدت سی پہلے مجھ پر گرداب اضطراب سی نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نوازشنامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی۔ بلکہ ایک اور نئی جان میری بدن میں آگئی۔ اب استدعا یہ ہو کہ حال ناسازی مزاج اقدس مفصل معلوم ہو۔ (۲)

اس عریضہ کے جواب میں ۱۹ نومبر کو سرکار نے تحریر فرمایا کہ ”پھوڑا نکل آیا تھا، لیکن اب بحمد اللہ آفاقہ ہے۔“ میرزا صاحب اس خبر سے ییحد مسرور ہوئے، اور ۲۷ نومبر کو اسکے جواب میں لکھا:

”کس زبان سی کہوں، اور کس قلم سی لکھوں کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سی بسر ہوا ہو۔ ہر روز شام تک جانب در دنگران رہتا، کہ ڈال کا ہرکارہ آؤ، اور حضرت کا نوازشنامہ لاؤ۔“ باری خدا کی مہربانی ہوتی، از سر نو میری زندگانی ہوتی، کہ کل چار گھڑی رات گئی ڈال کا ہرکارہ تو وہ عطوفت نامہ عالی دیا، ”جسکو پڑھکر روح تازہ رگ و پد میں دوڑ گئی۔“ نیند کیسی؟ سونا کسکا؟ روشنی کی سامنی بیٹھا، اور اشعار تہنیت لکھو لگا۔“ سات شعر مع مادہ حصول صحت جب لکھ لئو تب سویا۔ (۳)

غسل صحت کی تہنیت

سرکار کے خط سے صحت و آفاقہ مرض کی اطلاع ملگئی، لیکن یہ معلوم نہوسکا کہ غسل صحت ہوچکا ہے یا نہیں۔ اور بصورت دیگر کونسی تاریخ اس تقریب سعید کیلئے مقرر ہوتی ہے۔ اس تحقیق کیلئے میرزا صاحب

نے منشی سیلچند میر منشی کو ۲۵ دسمبر کو لکھا:

• اگرچہ از روی خطوط حضور صحت و عافیت حضور معلوم ہوئی ہو . لیکن یہ کہیں می
نہیں سنا کہ غسل صحت کیا ، یا کس دن کرینگے . آپ می یہ فقیر کا سوال ہو ، کہ جھکو لکھی
کہ حضرت غسل کس دن فرمائینگے . اور اگر موافق میری آرزو کے نہاچکے ہوں تو غسل کی تاریخ
می اطلاع دیجیے . (۱)

میر منشی صاحب نے جواباً لکھا کہ ابھی غسل صحت نہیں فرمایا ہے . غالباً
رمضان مبارک میں یہ تقریب عمل میں آئیگی . میرزا صاحب کو ۱۴ جنوری
سے قبل سرکار کا نامہ صحت ملچکا تھا . نیز وہ اس عرصہ میں قصیدہ تہنیت
بھی ارسال کرچکے تھے . اسلئے التواء تاریخ غسل پر ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع
کو پھر میر منشی صاحب کو لکھا:

• یہ جو میں نے قصیدہ تہنیت لکھ کر بھیجا ہو ، منشا اسکا یہ ہو کہ شاہ کبیر الدین صاحب
رامپور سی آؤ ، اور اونہوں نے کہا کہ نوابصاحب جمعہ کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو
نہائینگے . اب تمہاری تحریر سی معلوم ہوا ، کہ ماہ آئندہ یعنی (رمضان) میں نہائینگے . خیر
وہ کاغذ تو حضور کی نظر می گزرےگا . اگر موقع پاؤ تو حضور میں یہ ماجرا عرض کردینا
کہ میں نے بموجب روایت شاہ کبیر الدین کے اسکو ارسال میں جلدی کی ہو . (۲)

غسل صحت کا جشن ماہ عید میں منایا جانا تجویز ہوا . لیکن ابھی مرض
قدرے باقی تھا ، اور رامپور سے جسقدر سرکاری تحریریں جاتی تھیں اون میں
مزاج کی کیفیت کا مذکور نہیں ہوتا تھا . اسلئے میرزا صاحب نے ۱۴ مارچ
سنہ ۶۵ ع کو میر منشی صاحب سے پھر استفسار کیا:

• منشی صاحب ! عجب اتفاق ہو کہ حضور اپنی خط میں اپنی مزاج مبارک کا حال کچھ نہیں لکھو ،
اور میرا دھیان لگا ہوا ہو . خدا کی واسطی ! تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہو ،
اور صورت کیا ہو . دربار بدستور ہوتا ہو یا نہیں ؟ (۳)

میر منشی صاحب کا جواب مثل میں موجود نہیں . اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ
اونہوں نے مرض کے متعلق کیا لکھا . لیکن ۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۲۲
مارچ سنہ ۱۸۶۵ ع کو میرزا صاحب نے اپنا فارسی تہنیت نامہ ارسال کیا ہے ،

(۱) مکاتیب ، ص ۱۱۳ (۲) ایضاً ، ص ۱۱۳ . قصیدہ تہنیت ص ۴۶ کے حاشیہ میں مندرج ہو .

(۳) ایضاً ، ص ۱۱۴

جو صفحہ ۴۴ تا ۷۴ پر درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ مذکورہ تک میرزا صاحب کو صحت کی اطلاع تھی۔

عود مرض اور وفات

لیکن مادہ مرض کا بالکلہ استیصال نہیں ہوا تھا۔ کسی معمول سے احتیاطی نے مادہ کو دوبارہ چھیڑ دیا، اور سرکار پر از سر نو مرض کا حملہ ہو گیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ اطبا مجبور ہو گئے، اور حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی، تا آنکہ یوم جمعہ ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع کو نواب فردوس مکان رہگرای عالم بقا ہوئے، اور میرزا صاحب کے ہاں قیامتِ صغریٰ کا منظر نظر آنے لگا۔

خلد آشیان کی تخت نشینی اور میرزا صاحب کا وظیفہ

نواب فردوس مکان طاب ثراہ کے بعد نواب خلد آشیان نے مسندِ آبائی پر قدم رنجہ فرمایا۔ میرزا صاحب کا تعلق نواب فردوس مکان کی ذات سے تھا، اسلئے دورِ جدید میں اسکے ختم ہو جانیکا خطرہ تھا۔ اس خطرہ کا میرزا صاحب کو احساس ہوا اور اونہوں نے فوراً تہنیت نامہ لکھا۔ سوئے اتفاق سے یہ مکتوب مثل میں موجود نہیں۔ لیکن نواب خلد آشیان نے یکم مئی سنہ ۶۵ع کو اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

«شفقا! آنچه مشاھدہ آن کرمفرما از عہد نوابصاحب و قبلہ فردوس مکان مقرر است انشاء اللہ

تعالیٰ بدستور جاری ماندہ، حسب ضابطہ بسای خدمت رسیدہ خواہد ماند۔» (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے تہنیت کیساتھ اپنے وظیفہ کے متعلق بھی کوئی درخواست کی تھی۔ یہ خواہش معرضِ قبول تک پہنچی، اور وظیفہ بدستور جاری رہا۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے ۳۰ جولائی کو میان داد خان سیاح کو لکھا ہے کہ

«اپریل کا رویہ رئیس حال سو میں ذیابا۔» (۲)

لیکن اس مکتوب سے ۲۴ روز قبل خواجہ غلام غوث خان بہادر یخبر کو قدرے تفصیلاً تحریر فرمایا تھا :

» والی رامپور کو خدا سلامت رکھی . اپریل مئی ان دونوں مہینوں کا رویہ موافق دستور قدیم آیا . جون ماہ گزشتہ کا رویہ خدا چاہو تو آجاؤ . آج جمعہ ۷ جولائی م . معمول یہ م . کہ دسویں بارہویں کو رئیس کا خط مع ہنڈوی آیا کرتا م . (۱)

تہنیت نامہ کا امید افزا جواب پا کر میرزا صاحب نے قصیدہ تہنیت ارسال کیا . یہ قصیدہ بھی مثل میں موجود نہیں . لیکن میں نے عودِ ہندی سے عریضہ نمبر ۴۴ کے حاشیہ میں نقل کر دیا ہے . اس قصیدہ کی پزیرائی موافقِ امید ہوئی ، تو میرزا صاحب کو بڑھاپے کی تمام مجبوریوں کے باوجود سفرِ رامپور کیلئے آمادہ ہونا پڑا .

نواب خلد آشیان کا دعوتنامہ

میرزا صاحب نے اپنے ارادہ سفر کی اطلاع میرزا داغ کو دی . اونہوں نے کسی مناسب موقع پر سرکار کے حضور میں ذکر کیا . سرکار نے ۱۱ جون سنہ ۶۵ ع کو قصیدہ کی وصولیابی کے تذکار کے بعد تحریر فرمایا :

» درنولا زبانی نواب مرزا عزم ساسی باین طرف مسموع گشتہ موجب کال ممرتہاست . چراکہ راقم نیز متغی ملاقات شریف است . او تعالیٰ شب یلدای فراق را بزودی ہرچہ تمامتر بایام وصال مبدل گرداند . (۲)

اس دعوت کے بعد میرزا صاحب نے تقریباً چار ماہ توقف کیا . غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ سرکار نے جشنِ تخت نشینی کیلئے دسمبر کا پہلا ہفتہ مقرر فرمایا تھا . میرزا صاحب نے اسی زمانے کو سفر کیلئے زیادہ مناسب خیال کیا . لیکن سرکار کے جواب میں یہ لکھا ، کہ

» حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا . وہ آگ برسرہی م کہ طیبور کو پر جل رہی ہیں . بعد آگ کی پانی برسیگا . سفر خصوصاً بوڈھی رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر . آفتاب میزان میں آیا ، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا ، اور میں نے احرام بیت المعمور رامپور باندھا . انشاء اللہ العلی العظیم . (۳)

”ہنگامہ آتش و آب“ کے ختم ہوجانیکے انتظار میں میرزا صاحب کو تقریباً چار ماہ توقف کرنا پڑا، اور ماہ اکتوبر سنہ ۶۵ ع میں ”احرام بیت المعمورِ رامپور“ باندھنے کی نوبت آئی۔

سفر کی غرض

میرزا صاحب کے اس سفر کی غرض و غایت نواب فردوس مکان (طاب ثراہ) کے انتقال کی تعزیت اور نواب خلدہ آشیان کی مسند نشینی کی تہنیت تھی۔ مولوی عبد الرزاق شا کر کو سفر کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

”قبلہ و کعبہ! فقیر یا در رکاب ہر۔ سہ شنبہ چار شنبہ ان دونوں دنوں میں میرزا ایک دن عازم رامپور ہوئیگا، تقریب و مان جانو کی رئیس مرحوم کی تعزیت اور رئیس حال کی تہنیت۔ دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا۔“ (۱)

قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا تھا:

”پیر و مرشد! نواب صاحب کا وظیفہ خوار، گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کیواسطہ رامپور آیا۔“ (۲)

لیکن اس تعزیت و تہنیت کی تہ میں جو غرض پنهان تھی اوسکا اظہار مرزا نفعہ کے خط میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگتا نہیں آیا۔ بھیک مانگتی آیا ہوں۔“ (۳)

تاریخ روانگی

ابتداءً میرزا صاحب کا ارادہ تھا کہ سہ شنبہ یا چار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن رامپور روانا ہوں گے۔ چنانچہ شا کر کو یہی لکھا بھی تھا۔ لیکن نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو یکم اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو لکھا:

”میان! تم جانتے ہو کہ میں عازم رامپور تھا۔ اسباب مہلک ہو گئے۔ بشرط حیات جمعہ کو روانا ہوئیگا۔“ (۴)

مگر مرزا شہاب الدین خان بہادر کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے دلی سے روانہ ہوئے۔ فرماتے ہیں:

(۱) اردو معلیٰ، ص ۲۱۶، وعود، ص ۱۶۰۔ موخر الذکر میں ”عازم رامپور ہوئیگا“ ہر۔

(۲) ایضاً، ص ۲۰۸، و ایضاً، ص ۱۶۹ (۳) اردو معلیٰ، ص ۹۸ (۴) ایضاً، ص ۲۹۵

• ہفتہ کے دن دو تین گھنٹی دن چڑھ کر رخصت کر کے راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ پلکنوی رہوں۔ وہاں قافلہ کی گنجائش نہ تھی۔ (۱)

حکیم غلام نجف خان کو مراد آباد پہنچ کر جو خط لکھا ہے، اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتے کو ماہ اکتوبر کی ۷ تاریخ تھی۔ فرماتے ہیں:

• بدھ کا دن پھر پھر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۱۰ جمادی الاول کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہے۔ (۲)

حکیم احمد حسن مودودی کو صراحت سے لکھا ہے، کہ
• ہفتہ اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانا ہوا۔ (۳)

رفقای سفر اور سواری

اس سفر میں میرزا صاحب کے ساتھ باقر علیخان، حسین علیخان، کلو، نیاز علی اور دو آدمی اور کل ۶ نفوس تھے۔ میرزا صاحب نے پالکی میں اور دونوں لڑکوں نے کبھی رتھ اور کبھی گھوڑوں پر راستہ طے کیا۔ بقیہ چار آدمیوں اور سامانِ سرمائی کے لئے دو گاڑیاں ہمراہ تھیں۔ حکیم غلام نجف خان کو محولہ بالا خط میں لکھا ہے:

• میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا... دونوں لڑکے دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے

ہیں۔

مرزا شہاب الدین خان بہادر کے خط میں لکھا ہے:

• دونوں گھوڑی کوتل آگے، دونوں لڑکے رتھ میں سوار آئے ہیں۔

آدمیوں کے بارے میں رامپور سے روانگی کے وقت مرزا علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے:

• آج صبح کے سات بجے باقر علیخان اور حسین علی... دلی کو روانا ہوئے۔ دو آدمی میری اونٹنی کے ساتھ گئے۔ کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میری پاس ہیں۔ (۴)

کیفیت و مناظر سفر

میرزا صاحب نے دلی سے رامپور تک ۶ منزلیں طے کی تھیں۔ حکیم احمد حسن مودودی کو تحریر فرمایا ہے:

• رامپور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار روزنہ خوار ہوں۔ رئیس حال فی مسند نشینی کا جشن کیا۔

(۱) اردو مغل، ص ۲۹۲ (۲) ایضاً، ص ۲۳۳ (۳) ایضاً، ص ۲۴۳ (۴) ایضاً، ص ۳۴۹

دعا گوی دولت کو در دولت پر جانا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ ومان پہنچا۔ (۱)

مرزا شہاب الدین خان بہادر کو ان منازل کی تفصیل بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

غازی آباد کا حال شمشاد علی سے سنا ہوگا۔ ہفتی کے دن دو تین گھنٹے دن چڑھی احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ ہلکنوی رہیں۔ وہاں قافلے کی گنجائش نپائی۔ ہاپوڑ کو روانہ ہوا۔ دونوں برخوردار گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیے۔ چار گھنٹے دن رہی مین ہاپوڑ کی مرای مین پہنچا۔ دونوں بھائیوں کو بیٹھو ہوو اور گھوڑوں کو ٹھٹھو ہوو پایا۔ گھنٹے بھر دن رہی قافلہ آیا۔ ... آج مین نے تمہاری والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ چار بجے پانچ کے عمل مین ہاپوڑ سے چل دیا۔ سورج نکلے بابو گڈھ کی مرای مین آ پہنچا۔ چار پائی بچھائی۔ اوسپر بچھونا بچھا کر حقہ پی رہا ہوں، اور یہ خط لکھ رہا ہوں۔ دونوں گھوڑی کو تل آگے دونوں لڑکی رتھ مین سوار آتے ہیں۔ اب وہ آتی اور کھانا کھالیا اور چلی۔ (۲)

حکیم غلام نجف خان کو ہاپوڑ سے مراد آباد پہنچ کر لکھا ہے :

بدھ کا دن پھر بھر دن چڑھا ہوگا کہ مین فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۱۰ جادی الاول کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہو۔ دونوں لڑکی دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں۔ اب آتی جاتی ہیں۔ رات بخیر گزری۔ بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائینگے۔ گھبراہوا ہوں۔ تیسرا دن ہی پاخانہ پھری کو۔ (۳)

مناظر سفر کے متعلق حکیم غلام رضا خان کو تحریر کرتے ہیں :

دسم سے رخصت ہو کر اور تمہیں خدا کو سوئے کر روانہ رامپور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑا ابھی چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ہوا۔ سایہ و سرچشمہ جا بجا۔ آرام سے رامپور پہنچا۔ (۴)

نوشتہ راہ

ہاپوڑ کی سرائے مین میرزا صاحب نے اپنے واسطے چھٹانک بھر گھی مین دو شامی کباب تلوائے۔ لڑکوں نے ارھر کی کھچڑی تیار کرائی، اور خوب گھی ڈال کر خود بھی کھائی، اور آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دوسرے دن کیلئے سادہ سالن بغیر ترکاری کا پکوا یا۔

منزل پر پہنچ کر حسین علیخان پاڑ اور مٹھائی کے کھلونے خرید لاتے

اور باقر علیخان کے ساتھ بیٹھکر کھا لیتے۔ مرزا شہاب الدین خان بہادر کے خط میں مرزا صاحب نے لکھا ہے :

• میں تو چھٹانک بھر گھی داغ کیا۔ دو شای کباب اوس میں ڈال دی۔ رات ہو گئی تھی۔ شراب پی لی۔ کباب کھاؤ۔ لڑکون تو ارہر کے کھچڑی پکوائی۔ خوب گھی ڈالکر آپ بھی کھائی، اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کیواسطے سادہ سالن پکوا یا۔ ترکاری نہ ڈلوائی۔ باری آجک دونوں بھائیوں میں موافقت ہی۔ آپس کی صلاح و مشورت سے کام کرتے ہیں۔ اتنی بات زائد ہو کہ حسین علی منزل پر اوتر کر پاؤ اور منہائی کے کھلوے خرید لاتا ہی۔ دونوں بھائی ملکر کھا لیتے ہیں۔ (۱)

ناسازی طبیعت

راستہ کی تکان اور اوقاتِ غذا میں اختلال ہو جانے کے باعث میرزا صاحب کو قبض کی شکایت ہو گئی تھی۔ حکیم غلام نجف خان صاحب کو مراد آباد سے تحریر کیا ہے :

• بدھ کا دن پھر پھر دن پڑھا ہوگا کہ میں فقط بالکی پر مراد آباد پہنچا ... رات بخیر گزری۔ بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائیگی۔ گھبرایا ہوا ہوں، تیسرا دن ہو پاخانہ پھری کر۔ (۲)

تاریخ ورود رامپور

آخر کار چھ منزلیں طے کر کے میرزا صاحب جمعرات کے دن ۱۲ اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو رامپور تشریف لائے۔ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا ہے :

۱۲۰ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ (۳)

حکیم غلام نجف خان کے محوٰلہ بالا خط میں بھی، جو ۱۱ اکتوبر کو مراد آباد سے لکھا تھا، یہی تحریر کیا ہے کہ کل یعنی بارہ اکتوبر کو رامپور پہنچ جاؤنگا۔ حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی کے نام کے خط سے بھی یہی تاریخ مستنبط ہے۔ فرماتے ہیں :

• ہفتہ اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ وہاں پہنچا۔ (۴)

(۲) ایضاً، ص ۲۳۳

(۱) اردو می، ص ۲۹۲

(۴) اردو می، ص ۲۴۳

(۳) ایضاً، ص ۲۰۸، وعود، ص ۱۶۹

نواب خلد آشیان کی تواضع

نواب خلد آشیان نے میرزا صاحب کی بیحد تواضع اور مدارات کی . قیام کیلئے جرنیلی کی کوٹھی عطا ہوئی^(۱)، اور باورچیخانہ سرکاری سے دونوں وقت کھانا مقرر ہوا . حکیم غلام نجف خان نے اپنے خط میں کھانے کے متعلق تشویش کا اظہار کیا تھا . اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے اونہیں لکھا ہے :

» صبح شنبہ ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ ع . اقبالنشان عند الدولہ حکیم غلام نجف خان کو غالب علیشاہ کی دعا پہنچی . تمہاری خط سے معلوم ہوا کہ تمکو میری کھاؤ پیو کی طرف سے تشویش ہے . خدا کی قسم ! میں یہاں خوش اور تندرست ہوں . دن کا کھانا ایسی وقت آتا ہے کہ پھر دن چڑھو تک میری آدمی بھی روٹی کھا چکتی ہیں . شام کا کھانا بھی سویری آتا ہے . کئی طرح کے سالن ، پلاؤ ، متنجن ، پسندی ، دونوں وقت روٹیاں خیریں ، چپاتیاں ، مری ، آچار . میں بھی خوش لڑکے بھی خوش . کلو اچھا ہو گیا ہے . سقا ، مشعلچی ، خاکروب سرکار سے متعین ہے . - حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے . « (۲)

۲۴ اکتوبر کو میرزا صاحب نے پھر حکیم صاحب کو خط لکھا . اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں سرکار نے کھانے اور جانوروں کے گھاس دانے کی نقدی مقرر فرما دی تھی . فرماتے ہیں :

» آج منگل کا دن ۴ جمادی الثانی کی اور ۲۴ اکتوبر کی ہے . کھاؤ کی اور گھوڑوں اور بیلوں کو گھاس دانوں کی نقدی ہوگئی . لیکن اس میں میرا فائدہ ہے ، نقصان نہیں . « (۳)

تعظیم و توقیر اور اخلاص

نواب خلد آشیان قدر دانی علم و ہنر میں اپنے والد مرحوم کے سچے جانشین تھے . اونہوں نے میرزا صاحب کی تعظیم و توقیر اور خاطر و مدارات کا بیحد لحاظ کیا . میرزا صاحب ۲۱ اکتوبر کو حکیم صاحب کو لکھتے ہیں :

» آجنگ دو ملاقاتیں ہوئی ہیں . تعظیم ، تواضع ، اخلاق ، کسی بات میں کمی نہیں . « (۲)

سرکار کا التفات روز بروز زیادہ ہونے لگا تو میرزا صاحب نے ۲۴ ماہ مذکور کو پھر حکیم صاحب کو تحریر کیا :

(۱) یہ عمارت قلعہ معلیٰ کے مشرق دروازہ کے باہر واقع تھی . نواب سید محمد حامد علیخان بہادر جنت مکان فی قلعہ معلیٰ کی قدیم عمارتیں منہدم کرا کر نئی عمارات تعمیر کروڑے وقت بعد ترمیم مناسب قلعہ کے اندر داخل کر لیا ہے . آجکل یہ عمارت مہمان خانہ کا کام دیتی ہے .

(۲) اردوی معلیٰ ، ص ۲۱۹ و ۲۲۰

(۳) ایضاً ، ص ۲۲۲

و اب روداد سنو . نوابصاحب کا اخلاص و التفات روز افزون ہی ۰۰ (۱)

اوس بات کی کچھ اصل نہیں

رامپور کے سفر سے قبل میرزا صاحب نے کوئی ایسی بات سنی تھی ، جو انکے تعلق ریاست کیلئے خطرناک تھی . یہاں آکر نوابصاحب کے التفات و اخلاص نے اوسکی تغلیط کردی . میرزا صاحب اپنی بیوی سے اس خطرہ کا ذکر کرچکے تھے . اسلئے اونکی پریشانی رفع کرنے کے خیال سے حکیم صاحب کے خط کے آخر میں اونکے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :

«ظہیرالدین خان بہادر کو دعا پہنچی . یہ خط لیکر تم اپنی دادی صاحب پاس جاؤ . اور یہ خط پڑھکر سناؤ . اور اونسی یہ کہدو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ غلط ہی .

اوسکی کچھ اصل نہیں ہی ۰۰ (۲)

نواب خلد آشیانہ کے متعلق میرزا صاحب کی رائے

میرزا صاحب سرکار کے حسن صورت و سیرت کے اسقدر گرویدہ ہوئے کہ اونہیں بعض شیوہ و روش میں نواب فردوس مکان پر ترجیح دینے لگے . اس زمانہ میں سرکار نے بعض عمالانہ ریاست کو سرکاری مطالبات اور عام رعایا کو غلہ کا محصول معاف کر دیا تھا . ان تمام واقعات نے مرزا صاحب کے دل پر اچھا نقش کیا . چنانچہ حکیم غلام رضا خان کے خط میں انکا اسطرح ذکر کیا ہے :

«نوابصاحب حال بمقتضای «الولد سر لایہ» حسن اخلاق میں نواب فردوس آرامگاہ کی برابر بلکہ بعض شیوہ و روش میں اون سے بہتر ہیں . بمجرد مسند نشینی کے غلہ کا محصول یکمفل معاف کیا . علی بخش خان خانسامان کو ۳۰ ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخشیدا . مفصل حالات بذل و نوال عند الملاقات زبانی کہو نگا ۰۰ (۳)

مرزا تقیہ کو لکھتے ہیں :

«نوابصاحب از روی صورت روح مجسم ، اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں . خزائنہ فیض کی تحویلدار ہیں . جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہو ، اوسکی پٹو میں دبر نہیں لگتی . ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف کر دیا . ایک اہل کار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا ، اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا . منشی نولکشور صاحب کی عرضی

پیش ہوئی۔ خلاصہ عرضی کا سنلیا۔ واسطو منشی صاحب کو کچھ عطیہ بتقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے۔ مقدار مجبہر نہیں کھلی ۰۰ (۱)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کے خط میں نواب صاحب کی تصویر کھینچتے ہیں :

« رئیس کی تصویر کھینچنا ہون۔ قد، رنگ، شکل، شامل بعینہ بھائی ضیاء الدین خان۔ عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرہ اور لہجہ متفاوت۔ حلیم، خلیق، باذل، کریم، متواضع، متشروع، متورع، شعر فہم۔ سینکڑوں شعر یاد۔ نظم کی طرف توجہ نہیں۔ نثر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ جلالائی طباطبائی کی طرز برتتے ہیں۔ شگفتہ جبین ایسی کہ اونکو دیکھو سو غم کوسوں بھاگ جاؤ۔ نصیح بیان ایسی کہ اونکی تقریر سنکر ایک اور نئی روح قالب میں آؤ۔ اللہم دام اقبالہ و زاد اجلالہ ! » (۲)

نواب صاحب کی دورہ کو روانگی اور میرزا صاحب کا لطیفہ

نواب خلد آشیان نے ۳ نومبر سنہ ۶۵ ع کو اضلاع ریاست کے معاینہ کیلئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔ مشایعت کیلئے میرزا صاحب بھی ساتھ تھے۔ سرکار پا برکاب ہوئے تو حاضرین نے آداب و کورنش ادا کی۔ سرکار نے میرزا صاحب کے آداب پر تبسم کیساتھ ارشاد فرمایا۔ «خدا کے سپرد»۔ میرزا صاحب کی شوخی طبع نے گدگدایا، اور آپ قدرے حزن صورت بنا کر بولے: «حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے۔ آپ پھر اولٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں» (۳)

جشن جمشیدی

دسمبر کا پہلا ہفتہ جشنِ تخت نشینی کیلئے مقرر ہوا تھا، اور اس تقریب کیلئے اسدرجہ شاندار تیاریاں ہوئی تھیں کہ میرزا صاحب نے اسکو «جشنِ جمشیدی» سے تعبیر کیا ہے۔ حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

«نواب صاحب دوری سے یا آج شام کو یا کل آجائینگے۔ جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں» (۴)

۲۵ اکتوبر کو تاریخِ جشن کے متعلق لکھتے ہیں:

«دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اوسکی ہے۔ بعد جشن کو رخصت ہونگا۔ خدا چاہے تو آخر دسمبر تک ہمکو آدیکھنا ہون» (۵)

(۱) اردوی مغل، ص ۹۸ و ۹۹ (۲) ایضاً، ص ۴۴۱ (۳) یادگار غالب، ص ۴۲

(۴) اردوی مغل، ص ۲۳۱ (۵) ایضاً، ص ۲۲۴

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے :

• جشن یکم دسمبر می شروع . ۵ دسمبر کو خلعت کا آنا مسموع ۱۰ . (۱)

۶ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو جشن جمشیدی کی روداد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

• بیان جشن کہ وہ سامان ہو رہی ہیں کہ اگر جمشید دیکھتا تو حیران رہ جاتا . شہر می دو کوس پر آغا پور نامی ایک بستی می . آٹھ دس دن می وہاں خیام برپا تھی . پرسون صاحب کشتہر بہادر بریلی مع چند صاحبوں اور میمنوں کے آؤ ، اور خیمن مین اوتری . کچھ کم سو صاحب اور ہم جمع ہوئے . سب سرکار رامپور کے مہمان . کل سہ شبہ ۵ دسمبر حضور پر نور بڑی تحمل می آغا پور تشریف لیگئے . بارہ پر دو بج گئے ، اور شام کو پانچ بجے خلعت پہنکر آؤ . وزیر علیخان خانسلمان خواصی مین می روپیہ پہنکنا ہوا آنا تھا . دو کوس کے عرصہ مین دو ہزار روپیہ می کم نہ ایثار ہوا ہوگا . آج صاحبان عالیشان کی دعوت ہو . • • • • • شام کا کھانا بین کھا ئیگی . روشنی ، آتشبازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کر بیگی . طوائف کا وہ ہجوم ، حکام کا وہ مجمع ، کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا چاہیے . کوئی کہتا می کہ صاحب کشتہر بہادر مع صاحبان عالیشان کے کل جائیگی . کوئی کہتا می پرسون . • • • • • (۲)

عزم مراجعت

ابتداءً میرزا صاحب کا یہ ارادہ تھا کہ دو چار مہینے رامپور مین قیام کریں گے . چنانچہ شا کر کو تاریخ روانگی رامپور کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کیا تھا :

• دو چار مہینہ وہاں رہنا ہوگا . اب جو کوئی خط آپ بھیجن تو رامپور بھیجن • • • • • (۳)

لیکن رامپور مین کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ اختتام جشن کے بعد رخصت طلب کریں ، اور آخر دسمبر تک دلی جا پہنچیں . حکیم غلام نجف خان کو ۲۴ اکتوبر کو لکھا ہے :

• دسمبر کی پہلی می جشن شروع ہوگا . ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اوسکی می . بعد جشن کے رخصت

ہوگا . خدا چاہی تو آخر دسمبر تک تمکو آدیکھتا ہوں • • • • • (۴)

میرزا علائی کو ۶ دسمبر کو تحریر کیا ہے :

• بعد اختتام محافل طالبِ رخصت ہونگا۔ بعد حصولِ رخصت دلی جاؤنگا۔ (۱)

اسی طرح قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو بریلی کی دعوتِ قدم کے جواب میں لکھا ہے :

• پیر و مرشد ! نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مستند نشینی کی تہیت کیواسطی رامپور آیا۔ مین کہان اور بریلی کہان۔ ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ (۲)

لڑکون کی روانگی

باقر علیخان اور حسین علیخان اب نوجوان تھے، اور اب انہیں تنہا بھیج دینے میں اوس قسم کے خطرات پیدا نہیں ہوتے تھے، جنکے خوف سے سنہ ۶۰ ع کے سفر میں میرزا صاحب نے فردوس مکان کے اصرار کے باوجود رامپور قیام نہیں کیا تھا، اور بچوں کی ضد پر راہی دہلی ہو گئے تھے۔ لہذا میرزا صاحب نے دونوں کو سرکار سے مراجعت کی اجازت دلا کر جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو دو آدمیوں کیساتھ دلی روانا کر دیا۔ سرکار نے وقت رخصت ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا۔ نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو اسکے متعلق میرزا صاحب نے لکھا ہے :

• آج صبح کی سات بجی باقر علیخان اور حسین علی، ۱۴ مرغ، ۶ بڑی اور آٹھ چھوٹی، (لی) کی دلی کو روانہ ہوئی۔ دو آدمی میری اونکے ساتھ گئے۔ کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میری پاس میں۔ نواب صاحب نے وقت رخصت ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا۔ (۳)

میرزا صاحب کی تاریخِ روانگی

اسی خط کے آخر میں میرزا صاحب نے لکھا :

• میری چلو کا حال یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی ہفتہ میں چلوں گا۔

۲۶ دسمبر کو پھر تحریر فرماتے ہیں :

• جانا ! جانا ! ایک خط میرا تمہاری دو خطوں کے جواب میں تمکو پہنچا ہوگا۔ ... آج منگل ہے ۷ شعبان کی اور ۲۶ دسمبر کی۔ دونو بھتیجی تمہاری جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو روانہ دہلی ہوئی۔ میں پرسونٹ یوم الخمیس کو مرحلہ پیا ہونگا۔ (۴)

(۲) ایضاً، ص ۲۰۸ و عود، ص ۱۶۹

(۴) ایضاً، ص ۳۹۶

(۱) اردو می، ص ۴۴۲

(۳) اردو می، ص ۳۹۴

ن — مکاتیب غالب

اس حساب سے میرزا صاحب جمعرات کے دن ۲۸ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو رامپور سے رخصت ہوئے۔

احباب رامپور می آخری ملاقات

سرکار سے رخصت حاصل کر کے میرزا صاحب قیامگاہ پر تشریف لائے۔ یہاں رامپور کے بعض احباب الوداع کہنے کیلئے پہلے سے جمع تھے۔ صاحبزادہ سید نجابت علیخان بہادر نے، جو اپنے والد صاحبزادہ سید ہدایت علیخان بہادر کے ساتھ میرزا صاحب سے آخری ملاقات کیلئے گئے تھے، ایکروز میرزا غالب کے تذکرہ میں حقیر عرشی سے بیان کیا، کہ جب میرزا صاحب سرکار میں سے واپس آئے، تو میں اپنے والد کے ہمراہ اونکے قیامگاہ پر موجود تھا۔ میرزا صاحب نے احباب کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا:

”بھئی! ہم نے ابھی یہ شعر کہا ہے:

اب ہے دلی کیطرف کوچ ہمارا غالب ✽ آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے،“ (۱)

رخصتانہ کی رقم

میرزا صاحب نے ۲۸ نومبر کو رامپور سے تفتہ کو لکھا تھا:

”میں ترکی داد اور نظم کا صلہ مانگتی نہیں آیا، بھیک مانگو آیا ہوں۔ روٹی اپنی گرہ می نہیں کھانا، سرکار می ملتی ہی۔ وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی مت۔“ (۲)

نواب خلد آشیان تاریخ تحریر خط سے ۲۱ روز قبل ۷ نومبر سنہ ۶۵ ع کو ایک ہزار روپیہ عطا فرما چکے تھے۔ تاہم ۲۶ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو

(۱) مولانا نظامی بدایونی نے شرح دیوان غالب اردو (مطبوعۃ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ ع) کے صفحہ ۲۵۴ پر یہ مقطع اور ایک شعر نقل کر کے حاشیہ میں لکھا ہے: ”حضرت نواب می نواب یوسف علیخان ناظم والی رامپور کی طرف اشارہ می۔ یہ اوس غزل کے شعر ہیں جو رامپور می رخصت ہوتے وقت لکھی تھی۔ چونکہ دیوان اوسوقت مرتب ہو کر شایع ہو چکا تھا۔ اسلئے دیوان میں شامل نہیں ہوئی۔“ اس بیان میں مولانا می تسامح ہوا می۔ کیونکہ ایک عینی شاہد کے بیان می معلوم ہوتا می، کہ یہاں نواب خلد آشیان محمد کلب علیخان بہادر مراد ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ پہلی سفر میں میرزا صاحب رامپور می دیوان اردو کی نقل لیگتی تھی، جس می دیوان طبع ہوا، اسلئے نواب فردوس مکان کے بجائے نواب خلد آشیان کے عہد کی غزل کا اوس میں شامل ہونا قرین قیاس اور مطابق واقعہ ہو سکتا می۔

(۲) اردوی معلی، ص ۹۸

۲۰۰ روپیہ بوجہ زادِ راہ مرحمت فرما کر میرزا صاحب کی اس آرزو کی بھی تکمیل کردی۔

نواب ضیاء الدین خان بہادر کی فرمائش

نواب ضیاء الدین خان بہادر نیر نے میرزا صاحب سے فرمائش کی تھی کہ رامپور سے بانس کی غلیل لائیں۔ میرزا صاحب نے فرمائش پوری کی۔ لیکن غلیل پر جو کچھ بدیتی وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ علائی کے نام رامپور سے ۲۶ دسمبر کو لکھا ہے :

و توکان گرومہ کہا کر۔ فارسی بھگارا کر۔ مجھی ہندی کی چندی سن۔ ایک غلیل حضور

فی دینی کی ہو۔ ایک علی اصغر خان می میٹھی۔ دونوں کل آئینگی ۰۰ (۱۱)

لیکن سوہ اتفاق سے فرمائش کی تکمیل میں سعی کے بعض مدارج رہ گئے، اور غلیل پر نئی افتاد پڑی۔ ۱۳ جنوری سنہ ۶۶ ع کو میرزا صاحب علائی کو لکھتے ہیں :

د میان چلو وقت تمہاری چھا فی غلیل کی فرمائش کی تھی۔ رامپور پہنچکر وہ بی سعی و تلاش ہات آگئی۔ بنا رکھی۔ لڑکوں فی ملازموں فی سب فی مجھی سنلیا کہ یہ نواب ضیاء الدین خان کیواسطی ہو۔ اب چلو سو ایک ہفتہ پہلے تمہو غلیل مانگی۔ بھائی اکیا بناؤں کہ کئی جستجو کی۔ کہیں ہم نہ پہنچی۔ دس روپیہ تک مول کو نہیں ملی۔ نواب صاحب می مانگی۔ توشہ خانہ میں بھی نہ تھی۔ ایک امیر کی ہان پتا لگا۔ دوڑا ہوا گیا۔ کبھی موجود پائی۔ لیکن کیا کبھی؟ جیسو نجف خان کے عہد میں تورانیوں میں ہماری تمہاری مڈی۔ بنواؤں کی فرصت کہاں؟ آج لی کل چلایا۔ اس بانس کی قدر کرنا، اور اسکو اچھی طرح بنوالینا۔ ۰ (۲)

سفر کے مصائب

رامپور سے واپسی میں میرزا صاحب کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ دریایِ رام گنگا میں سرمائی بارش کے سبب سیلاب تھا۔ میرزا صاحب کی پالکی کے پار ہوتے ہی پانی کے زور سے کشتیوں کا عارضی پل ٹوٹ گیا۔ اسباب کی گاڑیاں اور خدام سب مجبوراً اوس پار رہ گئے، اور میرزا صاحب یکہ و تنہا صرف ایک کبل ساتھ لیٹے مراد آباد کی سرا میں اقامت گزین ہوئے۔

(۱) اردو می، ص ۳۹۶ (۲) ایضاً، ص ۴۱۵۔ نسخہ میں "دکرتا" اور "ہنوا لپتا" ہو۔

بڑھاپے کی کمزوری سرمائی تکلیفوں کا مقابلہ نکر سکی، اور یہ بیمار ہو گئے۔ پانچ دن صدر الصدور مراد آباد کے ہاں قیام کیا، اور جب قدرے رو بصحت ہوئے تو دلی کا عزم کیا۔ دلی پہنچ کر نواب خلد آشیان کو لکھتے ہیں :

« بعد تسلیم معروض ہو . مراد آباد پہنچا ، بعد پالکی کی اوتر آنیکی پل کا ٹوٹ جانا ، گاڑی اسباب ہیانتک کہ رخت خواب کا مع آدمیوں کے اومی زمہریر کے میدان میں رہنا ، بغیر جاڑی کے کچھ نہ کھانا ، خیر جو اونپر گزری وہ جانیں میں مراد آباد کی سرا میں ایک چھوٹی سی حویلی میں ٹہرا . بھوکا پیاسا کل اوڑھ کر پڑ رہا . یہ شعر اپنا پڑھ پڑھ کر صبح کی .

گرم فریاد رکھا شکل نہالی فی بھیر * تب امان ہجر میں دی برد لیالی فی بھیر صبح کو خستہ ورنجور اونٹھا . صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر کے بھیجی ہوئی دو فرشتہ آئے . اونٹھا کر سعید الدین خان صاحب کو ہاں لیگئی . صاحبزادہ صاحب نے وہ تعظیم و تکریم ، اور سعید الدین خان صاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی ، کہ میری ورزش سے زیادہ تھی . ناگاہ مولوی محمد حسن خان بہادر صدر الصدور آئے ، اور بھیر اپنی گھر لیگئی . پانچ دن وہاں رہا . بھائی نواب مصطفی خان بہادر وہیں بھیر آکر ملی . دوسری دن وہ رھگرای دار السرور راہپور اور میں جادہ نورد ستم آباد دہلی ہوا . (۱)

مرکار کی ہمدردی

یہ عریضہ ۱۰ جنوری سنہ ۶۶ ع کو تحریر کیا تھا . لیکن سرکار کو اس کے پہنچنے سے پہلے نواب مصطفی خان بہادر شیفتہ کی زبانی تمام حالات کی اطلاع مل چکی تھی . اونھوں نے مراد آباد کے پتہ سے میرزا صاحب کو لکھا :

« زبانی نواب مصطفی خان بہادر کے دریافت ہوا کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپکی علیل ہو گئی ہو . باستماع اس امر کی باعث کال تردد کا ہوا . اسواسطی حوالہ خامۂ محبت نگار کے ہوتا ہی کہ خیریت مزاج می مطلع کیجی . اور اگر هنوز طبیعت مائل باعتدال نہو ، اور آپکا ارادہ قیام مراد آباد کا نا درستی طبیعت ہو ، تو آپ رامپور میں تشریف لائی . یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا . (۲)

اس فرمان کے جواب میں میرزا صاحب نے ۲۱ جنوری کو لکھا :
« اس سفر کا حال کیا عرض کروں . دلی سے رامپور تک ذوق قدمبوس میں جوانانہ گیا . اختلافات آب و ہوا و تفرقہ اوقات غذا کو ہرگز نہ مانا ، اور رنج راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا . وقت معاودت اندوہ فراق نے وہ فشار دیا ، کہ جوہر روح گداز پاکر ہر بن مو

می ٹپک گیا۔ اگر آپکی اقبال کی تائید نہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا۔ جازا، مینہ، قبض و انقباض، فقدان جوع، فاقہ ہای متواتر، منزہای نامانوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظر نہ آنا، شب و روز ہواۓ زمہریر کا جانگزا رہنا۔ باری ہاپوڑ می چلکر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی۔ دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیرو ناتوان ہون جیسا کہ اس سفر می پہلی تھا۔ خدا وہ دن کری کہ پھر اوس در پر پہنچوں! (۱)

میرزا صاحب لٹکے

اس سفر میں میرزا صاحب کی تکالیف اس حد کو پہنچ گئی تھیں کہ وہ اسکو تاراجی حسن فکر سے تعبیر کرتے تھے۔ مرزا شمشاد علی بیگ رضوان کو لکھتے ہیں:

» رامپور کی سفر میں تاب و طاقت، حسن فکر، لطف طبیعت، یہ سب اسباب لٹ گیا۔ « (۲)

سفر رامپور کا رہ آورد

ان جسمانی اذیتوں نے میرزا صاحب کی صحت پر بہت برا اثر کیا، اور انہیں رعشہ و ضعفِ بصر کی شکایت زیادہ ہو گئی۔ ۱۲ مئی سنہ ۶۶ ع کو مولوی حبیب اللہ خان ذکا کو تحریر فرماتے ہیں:

» تمکو میری خبر یہی ہو۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیمجان ہوں۔ آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رامپور کی سفر کا رہ آورد ہو رعشہ و ضعفِ بصر۔ جہان چار سطرین لکھیں، انگلیاں نیز می ہو گئیں۔ حرف سوچنی می رہ گئی۔ « (۳)

وقت و تاریخ ورود دہلی

عناصر کی ان بیرخائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے میرزا صاحب ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ ع کو دو شنبہ کے دن گیارا بجے دلی پہنچے۔ مرزا تفتہ کو ورود کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

» لو صاحب! کھچڑی کھائی دن پہلاؤ۔ کپڑی پہاڑی گھر کو آئی۔ ۸ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غضب الہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا۔ تمہارا خط مضامین درد ناک می بھرا ہوا رامپور میں میں نے پایا۔ جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کی مراد آباد میں پہنچکر بیمار ہو گیا۔ پانچ دن صدر الصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ اونہوت نے بیسارداری اور غمخواری بہت کی۔ « (۴)

حکیم احمد حسن مودودی کو لکھا ہے:

» ہفتم جنوری کو دلی پہنچا۔ عرض راہ میں بیمار ہوا۔ پانچ دن مراد آباد میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ روان ناتوان تھا ویسا ہوتا۔ (۱)

خواجہ غلام غوث خان بہادر یخبیر کو لکھتے ہیں :

» بندہ گناہگار شرمسار عرض کرتا ہوں ، کہ پرسوں غازی آباد کا اونٹن ہوا گیارہ بجے اپنے گھر پر مثل بلای ناگہانی نازل ہوا ہوں۔

باید کہ کتب ہزار نفرین پر خویش * اما بزبان جادۂ راہ وطن (۲)

مولوی عبد الرزاق شاکر کو لکھا ہے :

قبلہ ! یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ۸ جنوری کو فقیر دلی پہنچا ، تھکا ماندہ خستہ و رنجور۔
ہنوز افاقہ کلی نہیں پائی۔ (۳)

یہی تاریخ نواب خلد آشیان کو بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں :

» دوشنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲ء ، ۸ جنوری ۱۸۶۶ء در غمکہ پر پہنچا۔ حضور کی اقبال کی تائید تھی۔ ورنہ میں اور جیتا دلی پہنچتا۔ (۴)

دلی سے باہر رہنے کی کل مدت

میرزا صاحب ۷ اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو دلی سے روانا ہوئے اور ۸ جنوری سنہ ۶۶ ع کو دلی واپس پہنچے۔ اس حساب سے انکی دلی سے باہر رہنے کی کل مدت تین ماہ ہے۔

ارسال ہدایا

میرزا صاحب اور دربار رامپور کے درمیان حسبِ ضابطہ مودت و خلوص تحفے اور ہدیات کی آمد و شد کا سلسلہ بھی پایا جاتا ہے۔ سرکاری تحفوں میں رامپور کے آم ہوتے تھے، جو طبعاً مرغوب ہونے کی وجہ سے میرزا صاحب کو انگریزی خلعت اور سرکاری عطیات سے کم نہ معلوم ہوتے ہونگے۔ ۱۷ جون سنہ ۶۲ ع کو میرزا صاحب نے میان داد خان سیاح کو لکھا ہے :

» رامپور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آمون میں سو اکثر ببیل ارمان بھیجتے رہتے ہیں۔ (۵)

جولائی سنہ ۶۴ ع میں سرکار نے دو سو آم بھیجے تھے۔ میرزا صاحب

۵ جولائی کو اس عنایت کی رسید میں لکھتے ہیں :

• نواز شامہ اور اوسکو ساتھ دو بھگیاں دو سو آمون کی پہنچیں .

۷ شکر نعمتہای تو چندان کہ نعمتہای تو ۳۹۰ (۱) •

وقتاً فوقتاً میرزا صاحب بھی پھل بھیجا کرتے تھے . ایکبار انھوں نے رنگترے ار سال کیئے ، تو اسکی رسید میں ۲ جون سنہ ۶۱ ع مطابق ۲۲ ذیقعدہ سنہ ۷۷ ھ کو نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا ، کہ دمیزی رنگترے موصول ہوئے . شکر یہ قبول فرمائیے .

فرمایشین

اس کے علاوہ کبھی کبھی دونوں طرف سے بعض چیزوں کی فرمایش بھی ہو جاتی تھی . سنہ ۶۴ ع میں نواب فردوس مکان نے چوب چینی کی فرمایش کی . میرزا صاحب نے بڑی کوشش سے پانچ سیر رنگین و سنگین و بے گرہ یا کم گرہ قطعات چوب چینی ، مہیا کر کے سرکاری کھار کے ہاتھ روانا کیئے ، اور از راہ معذرت لکھا :

• دلی اب شہر نہیں . چھاؤنی ہو . کپ ہو . نہ قلعہ نہ شہر کو امرا ، نہ اطراف شہر کو

روسا . ۲۰ (۲)

رامپور کے دوسرے سفر میں نواب ضیاء الدین خان بہادر نیر کیئے میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان سے ایک بانس کی غلیل مانگی تھی . سرکار نے حکم دیا کہ توشہ خانہ خاص سے عطا کر دیجائے . میرزا صاحب رامپور سے ۷ شعبان سنہ ۸۲ ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۶۵ ع کو علائی کے خط میں لکھتے ہیں :

• مجھ سے ہندی کی چندی سن . ایک غلیل حضور نو دینی کو ۲۰ (۳)

بعد ازاں اسی غلیل کے متعلق ۲۵ شعبان مطابق ۱۳ جنوری سنہ ۶۶ ع کو لکھا ہے :
• اب چلتی سو ایک ہفتہ پہلے تم نو غلیل مانگی . بھائی کیا بتاؤں ، کہ کتنی جستجو کو . کین ہم نہ پہنچی . دس روپیہ تک مول کو نہ ملی . نواب صاحب سے مانگی . توشہ خانہ میں بھی نہ تھی ۲۰ (۴)

۱۱ جولائی سنہ ۶۱ ع مطابق غرہ محرم سنہ ۷۸ ھ کو میرزا صاحب نے آمون کی فرمایش کی تھی . اس کے جواب میں نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا :

(۱) مکاتیب ، ص ۳۹ (۲) ایضاً ، ص ۴۳ (۳) اردوی معلی ، ص ۳۹۶ (۴) ایضاً ، ص ۴۱۵

» در بارہ ترسیل انہہ ہای کی ، کہ زیب ترقیم فرمایا ہو ، حال یہ ہو کہ امسال بہار انہہ کی باغات اس سرکار میں بہت قلیل اور کم رہی . اور علاوہ اسکی عجب کیفیت اون میں پیدا ہوئی کہ قابل رکھنی دو چار دن کی نہ تھی . یعنی در صورت رکھنی کی خراب اور بوسیدہ ہو جاتی تھی . اس سبب سو بیہیچنا انہہ ہای کا متصور نہوا . ظہور اس امر کا بعالم مجبوری تصور فرمائی . «

دیگر خدمات

میرزا صاحب سرکار کی دیگر خدمات بجا لانے کیلئے بھی ہر وقت تیار رہتے . ۱۰ ربیع الاول سنہ ۸۱ ھ مطابق ۱۴ اگست سنہ ۶۴ ع کو نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا :

» درینولا شب سہای ساہو رھنیوالہ رامپور کی بغرض علاج چشم دھلی گئو ہین . آپ اطباء دھلی کو دکھا کر علاج کرا دین . یہ متوسل اس سرکار کی ہین . «

میرزا صاحب نے ساہو صاحب کا دلی میں بخوبی علاج کرا دیا .

جولائی سنہ ۶۷ ع میں نواب خلد آشیان نے مرزا رحیم الدین بہادر حیا سے لکھوایا کہ دلی کے فاضل شطرنج باز کو رامپور روانا کر دیجئے . میرزا صاحب نے اوسکو خرچ دیگر روانہ کیا اور اطلاعاً نواب صاحب کی خدمت میں لکھا :

» بموجب تحریر میرزا رحیم الدین بہادر حیا کے فاضل شطرنج باز کو خرچ دیگر روانہ کیا . « (۱)

سرکار کا طریق خطاب

سرکاری فرامین میں میرزا صاحب کو مساویانہ مخاطب کیا جاتا تھا . چنانچہ القاب ، آداب اور خاتمہ ، ہر جگہ مساوات و محبت کا لحاظ پایا جاتا ، اور علی العموم فرمان کا انداز یہ ہوتا ہے :

» نوابصاحب مشفق مہربان کرمفرمای مخلصان سلہ اللہ تعالیٰ . بعد اشتیاق مواصات موفور المہرت کہ متجاوز التحریر ہی مشہود ضمیر مودت تعمیر کی ہو زیادہ جمعیت و نشاط ہو . «

انہی مطالب میں جہان میرزا صاحب کے خط کا حوالہ آیا ہے وہاں اونکے مکتوب کو » سامی صحیفہ لطف آگین « یا » نیمیقہ انیقہ بلاغت مشحون « یا دیگر تعظیمی الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے . اسطرح ہر جگہ لفظ » مشفقا « سے

تخاطب نظر آتا ہے۔ ان روام و آداب سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ سرکارِ رامپور سے میرزا صاحب کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔

میرزا صاحب کا طریق خطاب

خود میرزا صاحب کے عرایض کے القاب، آداب اور خاتمہ بھی اس پر شاہد ہیں کہ اس رشتہ کی بنا احسان و عنایت سے زیادہ محبت و خلوص پر تھی۔ چنانچہ میرزا صاحب نے تقریباً تمام عرایض میں »ولی نعمت« سے مخاطب کیا ہے، اور »بعدِ تسلیم معروض ہے« سے اظہارِ مطلب شروع کر کے »زیادہ حدِ ادب« پر عریضہ کو ختم کر دیا ہے۔ خاتمہ میں صرف دو دعائیہ شعر پائے جاتے ہیں، جن میں سے کبھی ایک کبھی دوسرا خط کی زینت بڑھاتا رہتا تھا۔ یہ بھی بناوٹ اور تصنع سے دوری و نفرت پر دلالت کرتا ہے۔

میرزا صاحب کی رامپوری شاگرد

میرزا صاحب کے خطوط میں رامپور کے صرف ایک ایسے بزرگ کا ذکر آیا ہے، جو اون سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ یہ صاحبزادہ سید عباس علیخان بہادر ابن نواب سید عبد العلیخان بہادر، نواب فردوس مکان کے حقیقی چچازاد اور نسبتی بھائی، اور نواب خلد آشیان کے حقیقی مامون تھے۔ بیتاب تخلص کرتے اور میرزا صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب نے میان داد خان سیاح کو ۲۳ اپریل سنہ ۱۸۶۷ ع کو لکھا ہے :

»میں اب محض نکا ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلاؤ۔ چاس جگہ سی اشعار واسطو اصلاح کی آؤ ہوی بکس میں دھری ہیں۔ از انجملہ تین صاحبون کو نام تنکو لکھتا ہوں۔ سر ابراہیم علیخان صاحب، میر عالم علیخان صاحب، نواب عباس علیخان رئیس حال رامپور کو حقیقی مامون « (۱)

انشایِ غالب

میرزا صاحب کے عہد تک ہندوستان کا تعالیم یافتہ طبقہ فارسی زبان میں اظہارِ خیالات پسند کرتا، اور دیسی زبان کا پایہ اپنے مرتبہ سے فروتر جانتا تھا۔ عرصہ دراز تک میرزا صاحب بھی اسی روشِ عام کے دلدادہ رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ انکی فارسی خط و کتابت کی جگہ اردو نے حاصل کرنی شروع کردی، جو آخرِ عمر تک پہنچکر انکے اظہارِ خیالات کا واحد ذریعہ ہو گئی۔

اردو انشا کا آغاز اور خواجہ حالی کی رائے

اردو مراسلت کی ابتدا کے متعلق میرزا صاحب کا کوئی تصریحی بیان موجود نہیں۔ البتہ خواجہ حالی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا سنہ ۱۸۵۰ ع تک ہمیشہ فارسی میں خط کتابت کرتے تھے۔ مگر سنہ مذکور میں، جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کئے گئے، اور وہ تین مہرینہ روز کو لکھنے میں مصروف ہو گئے، اسوقتِ بضورت انکو اردو میں خط کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثرین اور اکثر فارسی خطوط، جن میں قوتِ متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسبِ قدر غالب معلوم ہوتا ہے، نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب انکی ہمت مہرینہ روز کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی ضرور ہے کہ اسوقتِ اوںکو فارسی زبان میں خط کتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرزِ خاص میں شاق معلوم ہونی ہوگی۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ انہوں نے غالباً سنہ ۵۰ ع کے بعد ہی اردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔ (۱)

میر صاحب کا اختلاف

مولانا غلام رسول مہر کو خواجہ صاحب کی رائے سے اختلاف ہے۔ اونکے نزدیک میرزا صاحب کی اردو مراسلت سنہ ۱۸۵۰ ع سے قبل شروع ہو چکی تھی۔ لیکن وہ اسلئے ضایع ہو گئی کہ اسوقت کے اہل علم اردو کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مولانا کے وجوہِ اختلاف حسبِ ذیل ہیں:

... اول مہر نیروز کوئی بڑی کتاب نہیں جسکی ترتیب میں غالب کی اوقات کا بیشتر حصہ صرف ہوتا ہوگا۔ یہ کتاب انہوں نے کم و بیش پانچ برس میں مرتب کی، موجودہ مطبوعہ صورت میں اسکی ۱۱۸ صفحہ ہیں۔ اس میں ظاہر ہے کہ باعتبار اوسط وہ سال بھر میں زیادہ سے زیادہ پچیس صفحات لکھتے رہے، اور یہ غالب جیسی قادر الکلام اور مشاق نثر نگار کیلئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے، جسکی تکمیل کی خاطر انہیں فارسی خط و کتابت ترک کرنی پڑی ہو۔

دوسری خط و کتابت میں انکا عام انداز پیچیدہ اور الجھا ہوا نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ لکھتے تھے عموماً بلا تکلف لکھتے تھے۔ اردو خطوط کی طرح فارسی خطوط میں بھی تکلفات سے آزادگی ہر مقام پر ظاہر ہے۔ انہوں نے پنج آہنگ کی آغاز میں نثر نگاری کے جو خصائص بیان کئے ہیں ان میں ظاہر ہے کہ وہ ابتدا ہی سے صحیح راستہ پر گامزن تھے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر فارسی خط کی لفظ لفظ پر گھنٹوں مصروف فکر رہتے تھے۔

تیسری انکی فارسی مکاتیب میں ایک خط منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام ہے، جس میں سر کیائی لنگی کی فرمائش کے ہیں۔ اس خط کے آخر میں مطبوعہ پنج آہنگ میں یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۸ ع مطابق چہارم محرم سنہ ۱۲۵۱ھ ثبت ہے۔ ہجری اور عیسوی تاریخ میں مطابقت نہیں ہوتی۔ جس میں ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ایک تاریخ ضرور غلط ہے۔ اگر تاریخ ہجری کو سنہ ۱۲۵۱ھ کے بجائے سنہ ۱۲۶۱ھ رکھا جائے تو عیسوی تاریخ سنہ ۱۸۴۵ ع ہونی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ان کی اردو معنی کے ایک خط میں بھی منشی جواہر سنگھ سے لنگی کا تقاضا موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "کیون صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی۔ بہت دن ہوئی جب تم نے لکھا تھا کہ امی ہفتے بھیجوںگا۔" یہ دونوں خط لازماً ایک دوسری سے قریب کے زمانوں میں لکھے گئے ہونگی۔ میرا خیال ہے کہ غالب سنہ ۱۸۵۰ ع سے قبل اردو خط و کتابت شروع کر چکی تھے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اردو نثر کو اہل علم زیادہ بلند پایہ نہیں دیتے تھے۔ اسلئے وہ خط محفوظ نہ رہ سکی۔ لیکن جیسی جیسی اردو کا رواج بڑھتا گیا اور فارسی کا رواج کم ہوتا گیا غالب کی خط و کتابت فارسی کے بجائے اردو میں زیادہ ہوتی گئی۔ (۱)

وجوہ میں کلام

میری ناقص رائے میں مولانا مہر کے وجوہ اختلاف میں کلام کی گنجائش موجود ہے۔ اونکی پہلی دلیل کے متعلق یہ عرض ہے کہ میرزا صاحب کے زمانہ تک جس قسم کی فارسی زبان ایران و ہندوستان میں مروج تھی، اوسکی بہترین مثالیں ابوالفضل، ظہوری، جلالی طباطبائی، میرزا طاہر وحید وغیرہ اہل قلم کی تصنیفات ہیں۔ یہ سب بزرگ اپنے کلام کی زینت و شکوہ

چونکہ میرزا صاحب نے قدیم شاہراہ سے ہٹکر ایک نئی روش اختیار کی تھی، اسلئے اونہیں قدم قدم پر وہ تمام مشکلات پیش آتی ہونگی، جو پرانی طرز کے تارک اور نئے انداز کے موجد کو پیش آیا کرتی ہیں۔ اور چونکہ میرزا صاحب رسم عام کے برخلاف عربی الفاظ کے استعمال سے بھی حتی المقدور احتراز کیا کرتے تھے، حتی کہ اونکی اکثر تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب نے ایک پیش پا اوفتادہ عربی لفظ ترک کر کے بالقصد فارسی نژاد لفظ استعمال کیا ہے، پس کسطرح باور کیا جاسکتا ہے کہ قطع نظر اور تمام تحریروں سے خود »مہر نیمروز« کی تالیف میں بھی میرزا صاحب نے کافی غور و خوض کی ضرورت محسوس نہ کی ہوگی۔ خصوصاً جبکہ »مہر نیمروز« اکبر نامہ

کے مقابلہ میں لکھی جا رہی تھی اور انہیں ایک مسلم الثبوت استاد سے بازی لیجانا منظور تھا۔

ان دشواریوں کی تصدیق خود میرزا صاحب کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے »مہرِ نیمروز« کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی عمر کا گزشتہ حصہ بادہ خواری و نظم نگاری میں بسر کیا تھا۔ اگر کبھی ضرورتاً نثر نگاری کا اتفاق ہوا تو نثر کو نظم ہی کے مستانہ انداز میں لکھا۔ بنا برین سلاطینِ تیموریہ کی تاریخ جس اندازِ نگارش کی مقتضی ہے اس ابتلا و پریشانی کے زمانہ میں، کہ دل افسردہ اور تن خستہ ہے اور یہ حال ہے کہ

»نگارش اگر ہمہ یک صفحہ بیش نبود، بیش از آنکہ انجام گیرند و ہم پیچیدن ورق را
هنگام آید انامل ہم پیچد، و کلک از بنان فرود افتد۔۔ (۱)

مجھ سے اسکا انصرام ممکن نہیں۔ لہذا یہ کس طرح مناسب ہوگا کہ روزگار یہ فیصلہ کر لے کہ

»در فسانہ سرائی آوازہ ساز مرا اندازہ و اندازہ انداز مرا آزمودن برگردد۔۔ (۱)

بہر حال میں

»از کار فرمائی این نگارش سپاس پزیرم، کہ بہر داختن این نقط، کہ خود را چون سایہ باز میں
ہموار ساختہ ام تا پرداختہ ام، و بہ انگیختن این نقش کہ چشم و دل و نگاہ و نفس بام
آمیختہ ام، تا انگیختہ ام، دست از کارہای دگر کوتاہ است و دل از اندیشہ های دگر
برکنار۔۔ (۲)

میرزا صاحب کی اس تصریح کے بعد کہ »میں نے اس روش کے نبانے میں اپنے آپکو سایہ کی طرح زمین پر بچھا دیا تھا، اور اس نقش کی درستگی میں چشم و دل و نگاہ و نفس سب کو لگا دیا تھا، تب اسکی سرانجام سے عہدہ برآ ہوا ہوں، اس خیال کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ »یہ غالب جیسے قادر الکلام اور مشاق نثر نگار کیلئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے۔«

اب یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا میرزا صاحب نے ۲۵ صفحے فی سال کے

حساب سے »مہرِ نیمروز« کی تالیف پر صرف کئے۔ واقعات اسکے خلاف ہیں۔
 »پنج آہنگ« میں منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام ایک خط درج ہے جو ۱۱ جون
 سنہ ۱۸۵۲ ع کو لکھا گیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے »مہرِ نیمروز« کے
 مسودہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

»مسودہ روزنامہ روداد اورنگ نشینان چغتائیسہ بدست میرا سنگھ روان داشتہ ایم و هنوز
 از رسیدنش نشان نیافتہ ایم۔ اگر رسیدہ است بنویسند۔ ورنہ از میرا سنگھ باز پرس کنند۔« (۱)

اس خط سے واضح ہے کہ میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۵۰ ع میں »مہرِ نیمروز«
 شروع کر کے ۱۱ جون سنہ ۵۲ ع سے قبل تمام کر لی تھی۔ اسکے بعد کا زمانہ،
 جو تقریباً دو برس یا اس سے کچھ زائد ہے، نظرِ ثانی میں گزرا، اور جب
 میرزا صاحب نے اپنے احباب کو کتاب دکھا کر دلیلی تب بادشاہ کے حضور میں
 اوسے پیش کیا۔ اس صورت میں ۲۵ صفحہ فی سال کے بجائے ۵۹ صفحات فی
 سال یا ۵ صفحے فی ماہ ہوتے ہیں، جو اور زیادہ ہو جائینگے، اگر صحیح
 علم ہو جائے کہ میرزا صاحب نے ۱۱ جون سنہ ۵۲ ع سے کتنا عرصہ پہلے کتاب
 ختم کر دی تھی۔

مولانا کی دوسری وجہ کے بارے یہ گزارش ہے کہ »پنج آہنگ« کے
 دیباچہ میں میرزا صاحب نے جس روش کے خلاف صدایِ احتجاج بلند کی
 ہے، وہ انشایِ خلیفہ، انشایِ مادھورام، اور انشایِ ہرکرن جیسی ہندیانہ
 کتابوں سے ملکِ میں رواج پزیر ہو کر اس درجہ مقبولِ خاص و عام خیال
 کیجائے لگی تھی، کہ اوسکے خلاف قدم اٹھانا معاشرتی و علی گناہ تسلیم
 کیا جاتا تھا۔ میرزا صاحب اسکے طبعی مخالف تھے اسلئے اُنہوں نے
 »پنج آہنگ« کے دیباچہ میں، جو دراصل مبتدیوں کیلئے تالیف کی گئی تھی،
 یہ مشورہ دینا مناسب خیال کیا کہ

»این پارسی آمیختہ بازی را در کشاکش تصرفات ہندی زبانان پارسی نویس ضایع نگاراد۔

(۱) کلیاتِ ثر فارسی، ص ۲۵۰۔ مسٹر محمد اکرام فی غالب نامہ، ص ۱۱۴ میں اس خط کو مولوی رجب
 علیخان کی نام لکھ دیا ہو۔ حالانکہ مولوی صاحب کا نام صرف خطِ ماقبل کو آخر میں آیا ہو۔

و لغات عربی جز بقدر بایست صرف نناید. و پیوستہ در آفت کوشید کہ سادگی و نفی
شعار او گردد. (۱)

اس کا یہ مطلب کسی طرح نہیں قرار دیا جاسکتا کہ خود اونکی اپنی انشا بھی
تکلفات سے آزاد ہے۔ کیونکہ اگر القاب و آداب اور دیگر الفاظ عربی سے
قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اونکی انشا ادائی مطلب مین سراسر تکلف
سے پُر اور عام انداز سے اسقدر علیحدہ ہے، کہ تا وقتیکہ نگاہ و فکر اوس سے
اخذ مطلب کے عادی نہوجائیں، انسان سہولت کیساتھ مطلب تک نہیں پہنچ
سکتا۔ اسی سبب سے میرزا صاحب کے پہلے عریضہ کے جواب مین نواب
فردوس مکان جیسے ادیب کو یہ لکھنا پڑا تھا کہ

مخلص را لیل و نهار معنی اخبار تصور فرمودہ اکثر باصا لتمامی انا بق خیریت وثائق عبارت
سلیس کہ در خواندنش تاملی بوقع نیاید مسرور و مطمئن میفرمودہ باشند. (۲)

علاوہ ازیں خود میرزا صاحب اسکے معترف ہیں کہ ایام پیری مین اون سے
اپنی روش خاص نہیں نہہ سکی۔ چنانچہ مولوی عبدالرزاق شاکر کو فارسی
خط کی فرمایش کے جواب مین لکھتے ہیں :

بندہ نواز ا زبان فارسی مین خطون کا لکھنا پہلی می متروک ہو۔ پیرانہ سری و ضعف ک
صدمون سی بخت پڑوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ مین نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال
ہو اور یہ حال ہو،

مضمحل ہوگئی قوی غالب * وہ عناصر مین اعتدال کہان

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں۔ سب دوستوں کو جن می کتابت رہتی ہو اردو ہی مین نیازنامی
لکھا کرتا ہوں۔ جن صاحبوں کی خدمت مین آگئی مین نو فارسی زبان مین خطوط و مکاتیب
لکھی اور بھیجی تھی، اون مین می جو صاحب الی الان ذہنیات و موجود ہیں اون می اہی
عندالضرورت امی زبان مروج مین مکاتیب و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہو۔ ... پس امیدوار
ہوں کہ آپ انہیں تذویر محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوی سادہ و مسری کو غنیمت
جانکر قبول فرماؤ رہیں. (۳)

اس خط مین میرزا صاحب نے فارسی مراسلت ترک کرنے کی وجہ یہ

قرار دی ہے کہ

(۱) کلیات تثر فارسی، ص ۵ (۲) مکاتیب غالب، ص ۴، حاشیہ نمبر ۱ (۳) اردوی معلی،

» پیرانہ سری و ضعف کی صدموں سے سخت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی ۔
اسکے بعد شاکر صاحب کو یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ جن اصحاب سے پہلے
فارسی میں خط و کتابت رہا کرتی تھی اونہیں بھی اب اردو ہی میں خط
لکھا کرتا ہوں ۔ اس صورت میں مولانا حالی کا یہ خیال کہ » مہرِ نیمروز
کی تالیف کے زمانہ میں اردو مراسلت شروع کی « بعید از وقوع نہیں معلوم
ہوتا ۔ اسلئے کہ جب میرزا صاحب معمولی فارسی مکاتبت میں اسدرجہ جگر
کاوی سے کام لیا کرتے تھے کہ ایامِ پیری میں ، جبکہ اونکی مشقِ پارسی
نگاری پختہ ہو چکی تھی ، اس بار کے اوٹھانے کیلئے آمادہ نہیں تھے ، تو
» مہرِ نیمروز « کی تالیف کے زمانہ میں دو بوجھ کس طرح اوٹھاتے ۔

مولانا مہر کی تیسری وجہ میں صرف اسقدر کلام ہے کہ میرزا صاحب
کے فارسی مکاتیب بنام جواہر سنگھ میں سے ایک خط یقینی سنہ ۵۰ ع سے
بعد کا ہے ۔ دوسرا بھی ، جس میں میرزا صاحب نے لکھا ہے کہ بادشاہ کی
علالت کیوجہ سے قصیدہٴ تہنیتِ عید پیش کرنیکا موقع نہ ملا ، سنہ ۵۰ ع کے
بعد کا معلوم ہوتا ہے ۔ اسلئے کہ اس میں میرزا صاحب نے بادشاہ کی بیماری
کے سلسلہ میں لکھا ہے :

» تا دیگر چہ رونماید ، و بر من ، کہ در سایہٴ دیوارش غنودہ ام ، چہ رود ۵۰ « (۱)

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اوسی وقت زیادہ بھلے نظر آتے ہیں جب میرزا صاحب
کے قلعہ سے تعلقات صرف دوستانہ نہوں ، ملازمت کا سلسلہ بھی قائم ہو چکا ہو ۔
اب تیسرا خط رہتا ہے ۔ مولانا مہر کے خیال میں اس خط کی تاریخہائی
عیسوی و ہجری دونوں غلط ہیں ۔ صحیح تاریخ یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۵ ع مطابق
۴ محرم سنہ ۱۲۶۱ ھ ہونی چاہیے ۔ میری ناقص رای میں مولانا کا یہ
خیال درست ہے کہ ہجری اور عیسوی سنین میں تطابق نہیں ۔ مگر یہ نادرست
ہے کہ دونوں سنہ غلط ہیں ۔ اسلئے کہ میرزا صاحب نے دونوں سنوں کیساتھ

تاریخین بھی لکھی ہیں۔ کتاب تشریح السنین سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ ع کو یکم محرم سنہ ۱۲۶۲ ھ تھے۔ اس حساب سے یکم دسمبر سنہ ۴۵ ع کو یکم محرم سنہ ۶۱ ھ نہیں ہوسکتے۔ اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۴ محرم سنہ ۱۲۶۵ ھ یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۸ ع کے مطابق تھی۔ لہذا ہمیں میرزا صاحب کی عیسوی تاریخ و سنہ کو درست ماننا پڑیگا۔ اور ہجری تاریخ و ماہ بھی صحیح ہونگے۔ صرف ہجری سنہ کو غلط تسلیم کر لینگے۔ یعنی سنہ ۵۱ ھ کے بجای ۶۵ ھ صحیح سنہ ہوگا۔

اور جب یہ ثابت ہوچکا کہ میرزا صاحب کا وہ فارسی خط، جس میں لنگی کا ذکر آیا ہے، دسمبر سنہ ۴۸ ع کا مکتوبہ تھا، اور یہ بھی خود میرزا صاحب نے اپنے اردو خط میں لکھا ہے کہ »بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتہ میں بھیجوں گا«^(۱) تو پھر کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا اگر آپ یہ تسلیم کر لیں کہ میرزا صاحب نے سنہ ۵۰ ع میں یہ اردو خط لکھا تھا۔ اسلئے کہ ان دونوں خطوں کے درمیان صرف ایک سال کا فصل ہے۔ اور فقرہ »بہت دن ہوئے« ایک یا ڈیڑھ سال کے وعدہ کے متعلق بسہولت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

میرزا صاحب کا بیان

اگرچہ اردو مراسلت کے آغاز کے متعلق میرزا صاحب کا کوئی قطعی بیان ہمارے پاس موجود نہیں؛ لیکن »پنج آہنگ« کے خاتمہ میں فارسی مراسلت بالکل ترک کر کے صرف اردو میں خط و کتابت کرنیکی تاریخ خود اوفہین نے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

دردان داند، ومدعیان دانش را توفیق دانستن دهد تاداند، کہ خامہ غالب سبہ نامہ مسلک دشوار گزار پارسی آمیختہ بازی را بکدام دلاویز رفتار پیموده است۔ درین شصت و ہشت سالہ زندگی کہ جزو در بازی وکل در سخن طرازی گزشت و بسا گزین روشہا در نثر انظر فروز آمد از دو سال در بند آن بودم کہ... دیگر در خامہ فرسائی انداز خود نمائی فرو ہم... پنجاہ سال فی بی برگ را

بہ ہنچار اورامہ سرایان پارس بہ نوا داشته ام . اکنون آن روش فروگذاشته ام . سپس
ما فی التضمیر را ، کہ بر یاران نزدیک و دور عرضه باید داد ، در زبان اردوی و آن ہم سرمری
و از تکلف بری رقم خواہم کرد ، تا زندگی آسان گردد . (۱)

یہ خاتمہ سنہ ۱۲۸۰ ھ (۱۸۶۳ ع) میں لکھا گیا تھا ، جبکہ میرزا صاحب کی
عمر ۶۸ سال کی تھی . اس ۶۸ سالہ زندگی میں سے ۱۶ سال کھیل کود میں
گزار کر ۱۲۲۸ ھ (۱۸۱۳ ع) سے ادبی زندگی کا آغاز کیا تھا ، اور تقریباً ۵۰
سال فارسی نظم و نثر لکھتے رہے تھے . لیکن سنہ ۱۲۸۰ ھ (۱۸۶۳ ع) سے
دو سال قبل سنہ ۷۸ ھ (۶۱ ع) میں یہ عزم کیا تھا کہ اب فارسی آمیختہ و نا آمیختہ
بتازی کو ترک کر کے سادہ اردو میں اظہار مطالب کرینگے . کیونکہ فارسی
کیلئے جس فراغ خاطر و قوت دماغ کی ضرورت تھی غلبہ پیری کے سبب
میرزا صاحب اوس سے محروم ہو چکے تھے . اردوی معلیٰ اور عود کے مختلف
خطوط سے اسکی تصدیق بھی ہوتی ہے ، کہ میرزا صاحب نے سنہ ۷۸ ھ
(۶۱ ع) سے قبل ہی فارسی نگاری سے احتراز کرنا شروع کر دیا تھا . قاضی
عبدالجلیل صاحب بریلوی کو لکھتے ہیں :

فارسی کیا لکھوں ؟ یہاں ترک تمام ہی . اخوان و احباب یا مفعول الخبر . ہزار آدمی کا
ماتعداد ہوں . آپ غزدہ اور آپ غمگسار ہوں . اس سے قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں مرنا
سر پر کھڑا ہی . پارکاب ہوں . (۲)

اس خط میں میرزا صاحب نے اپنی وفات کی تاریخ « غالب مرد » کا بھی تذکرہ
کیا ہے . جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تاریخ کتابت سنہ ۷۷ ھ (۶۰ ع)
سے قبل ہے .

مولانا محمد عباس رفعت بھوپالی کو ۴ ربیع الاول سال « رستاخیز » (۱۲۷۸ ھ
مطابق ۱۸۶۱ ع) کو تحریر کرتے ہیں :

از دیر باز بہ نظم و نثر نمی گرایم . نظم خواہی پارسی و خواہی اردو خواہی ست فراموش .
نامہ در پارسی نوشتن نیز آہن نماندہ . ہرچہ نوشتہ می شود یکدست در اردوست . اینک ...
مولانا عباس ... از بھوپال فرمان فرستاد کہ غالب نامہ در پارسی زبان نویسد . یا رب !

فرمان چون بجا آورم ؟ و در نامہ چہ نویسم ؟ باری نہ از توانائی بنان بلکه از اثر روائی آن فرمان جنبش خامہ لفظی چند کہ بخواندن نیز زد بر روی ورق ریخت . (۱)

ان دونوں خطوں میں میرزا صاحب نے ترکِ فارسی نگاری کا سبب غلبہٴ رنج و غم اور ضعفِ پیری کو قرار دیا ہے ۔ یہی سبب مولوی عبدالرزاق شاہ کے نام کے مکتوب میں بھی ذکر کر چکے ہیں ۔ اب اگر ہم تمام دلائل کو سامنے رکھ کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کریں تو وہ یہ ہوگا کہ میرزا صاحب ایک ایسے دشوار گزار مسلکِ فارسی نگاری کے موجد تھے، جو اطمینانِ خاطر و توانائیِ دماغ و قلب کا مقتضی تھا ۔ سنہ ۱۸۵۰ ع (۱۲۶۶ھ) تک یہ دونوں اسباب میسر رہے اسلئے میرزا صاحب تقریباً اسی زبان میں خامہ فرسائی کرتے رہے ۔ لیکن جب سنہ مذکورہ میں بادشاہِ ظفر نے تاریخ نگاری کی خدمت سپرد کی اور فراغِ خاطر میں کمی ہو گئی، تو میرزا صاحب نے فارسی کیساتھ اردو نثر کو بھی نوازا نا شروع کیا ۔ سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ ع) میں ذوق کا انتقال ہوا تو اصلاحِ کلام بھی میرزا صاحب کے سپرد کی گئی، اور یہ فرصت سے بالکل محروم ہو گئے، جسکے سبب مسلکِ فارسی کی گامزنی کیلئے اور کم وقت میسر آنے لگا اور اردو کو مزید غلبہ حاصل کر نیکا موقع ملا۔^(۲) سنہ ۵۷ ع کے بعد ہجومِ مصائب و آلام نے اطمینانِ خاطر کا قطعی خاتمہ کر دیا۔ نیز افکار کی زیادتی اور معاشی پریشانی کے سبب رفتہ رفتہ امراضِ مستولی ہوتے گئے۔ اب اردو نہایت سرعت کیساتھ انکی انشا پر چھانے لگی، تا آنکہ سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ ع) میں میرزا صاحب کو عزم کرنا پڑا کہ آئندہ فارسی میں نظم و نثر کچھ نہ لکھیں گے۔ لیکن اس عہد کی عملی تکمیل سنہ ۱۸۶۵ ع میں ہوئی۔

(۱) انشای نور چشم، ص ۵۱ (۲) میرزا صاحب نے سنہ ۵۷ ع میں پہلی سید غلام حسین قدر بلگرامی کو اپنی مصروفیت کا حال لکھا ہے۔ فرماتی ہیں: ”رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ بیان ہوتی اور میرا حال دیکھتی۔ ہر روز صبح کو قلعہ جانا اور دوپہر کو آنا۔ بعد کھانا کھانے کی حضرت کی مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کی خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے۔ (اردو میں معلیٰ لاہور ایڈیشن ضخیمہ مر خوش)۔ یہ اردو خطوط کی جوابات کی متعلق معذرت ہے۔ ایسی حالت میں فارسی نگاری کی مہلت ملنے کی امید رکھنا کس طرح قرین صواب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آج ہمارے پاس سنہ مذکورہ کے بعد کی فارسی تحریریں کالمعدوم ہیں۔

مجھپر اردو کی فرمائش

میرزا صاحب اپنے عہد کے ممتاز فارسی ادیب تھے، اور اکثر اربابِ علم و فضل کی طرح اسی کو سرمایہ نازش و افتخار خیال کرتے تھے۔ جب بعض معاصرین نے اپنی اردو شاعری کے بل بوتے پر انکی ہمسری کا دعویٰ کیا، تو انہیں اپنے کلامِ اردو کی تمام خوبیوں سے قطع نظر کر کے میدانِ سخن کے ان یکہ تازوں سے کھدینا پڑا:

فارسی بین، تا بہ بینی نقشہای رنگ رنگ * بگزر از مجموعه اردو کہ بیرنگ منست
راست میگوم من، و از راست سرتوان کشید * هر چه در گفتار غر تست آن ننگ منست (۱)

میرزا صاحب کا یہ خیال نظمِ اردو ہی تک محدود نہ تھا۔ وہ شہرِ اردو کو بھی اپنے پایہ کمال سے فروتر جانتے تھے۔ چنانچہ منشی شیونرین اکبر آبادی کے توسط سے ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب نے شہرِ اردو کی فرمائش کی، تو میرزا صاحب نے منشی صاحب کو لکھا:

مگر بھائی تم غور کرو، اردو میں اپنی قلم کا زور کیا صرف کرونگا، اور اوس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھرونگا۔ (۲)

انہیں کو دوبارہ لکھا ہے:

جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ اوس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہو۔ بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کی اردو کی فصیح ہوگا۔ (۳)

سہ بارہ پھر انہیں کو لکھا ہے:

میان! اردو کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہی کہ مجھپر اردو کی فرمائش ہو۔ (۴)

نظم و نثر سہل متع ہی

لیکن اسکے باوجود میرزا صاحب یہ ضرور جانتے تھے کہ اونکا کلام، نظم ہو یا نثر، حسن و خوبی کے اوس درجہ پر پہنچ چکا ہے، جسے علمای

بلاغت « سہل ممتنع » کہتے ہیں ۔ چنانچہ خواجہ غلام غوث خان بہادر یخبیر کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں :

« پیر و مرشد ! سہل ممتنع اوس نظم و نثر کو کہتی ہیں کہ دیکھو میں آسان نظر آؤ اور اوسکا جواب نہوسکو ۔ بالجلہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہو ، اور بلاغت کی نہایت ہو ۔ ممتنع در حقیقت ممتنع النظیر ہو ۔ شیخ سعدی کی بیشتر فقری اس صفت پر مشتمل ہیں ۔ اور رشید وطواط وغیرہ شعرائ سلف نظم میں اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتی ہیں ۔ خود ستائی ہوتی ہو ۔ سخن فہم اگر غور کریگا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائیکا ۔ » (۱)

جہانتک میرزا صاحب کی نثر اردو کا تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ شیخ سعدی کی گلستان کی طرح بظاہر اسقدر سہل معلوم ہوتی ہے کہ انسان سمجھتا ہے میں بھی ایسا لکھ سکتا ہوں ؛ مگر جب لکھنے بیٹھتا ہے تو ایک جملہ بھی نہیں لکھ سکتا ۔ اور یہی کلام کی خوبی و کمال کی آخری حد ہے ، جس تک رسائی کیلئے زورِ دماغ سے زیادہ بخششِ معنوی کی ضرورت ہے ۔

برتری کا پہلا سبب ۔ استعداد فارسی

میرزا صاحب کی اردو نثر کی برتری و دلچسپی کے متعدد اسباب ہیں ، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ میرزا صاحب ادبِ فارسی کے بے بدل ماهر تھے ۔ انھوں نے زبانِ فارسی کے وہ تمام محاسن ، جو کئی ہزار نادرہ کار دماغوں کی گیارہ سو برس کی سعی و جانفشانی سے ہم پہنچے تھے ، اردو جیسی کم عمر و تہی مایہ زبان کے دامن میں بھر دئے ۔ اگر وہ فارسی کے بلند پایہ ادیب نہوتے ، تو اپنے کلامِ اردو میں اسقدر جدت ، شیرینی اور تناسب پیدا نہ کر سکتے ۔ اور نہ یہ ممکن تھا کہ اس زمانہ میں ، جبکہ تسکینِ ذوقِ ادب کے لئے روزانہ نیا میدان تلاش کیا جا رہا ہے ، اور تقریباً ہر سال اردو انشا کا طرزِ ادا بیرونی ادبیات سے نئے اثرات قبول کرتا جاتا ہے ، میرزا صاحب کا کلام زبانِ اردو میں پائیدار حیثیت حاصل کر سکتا ۔ یہ دراصل زبانِ فارسی کی دولتِ بے پایان تھی ، جو میرزا صاحب کی انشا کو میسر آ گئی ہے ۔ اسی

کے سہارے میرزا صاحب کی حیاتِ ادبی کی بقا ہے، جو اوسوقت تک ممت سے مبدل نہیں ہو سکتی جب تک اردو زبان بھی فارسی کے برابر قدیم اور ترقی یافتہ نہو جائے۔

دوسرا سبب. خطوط سے تفریح

میرزا صاحب کی کامیابی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اردو مکاتبت اونکے تفریحی مشغولوں کا جزو بن گئی تھی۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اپنا اور مکتوب الیہ کا دل بہلانے کی خاطر لکھا کرتے تھے۔ قدرت نے ظریف طبیعت عطا کی تھی، اسلئے خطوط سے خود لطف اوٹھانے اور دوسروں کیلئے سامانِ انبساط مہیا کرنے میں اونہیں خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی، لیکن غدر سنہ ۵۷ع کے بعد تمام مشاغل میں سے صرف اسی ایک مشغلہ پر انحصار کرنا پڑا۔ یہ دور اہلِ ہند کیلئے عمرِ ما اور دہلی کیلئے خصوصاً سخت ابتلا و مصائب کا دور تھا، جس نے اعزاء و احباب کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اوتار کر بقیہ اصحاب کو شہر بدر کر دیا تھا، اور میرزا صاحب ہندوستان کے برِ اعظم میں اپنے آپکو یکہ و تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ اسلئے اس عہدِ افسردگی کو فرحت و انبساط کیساتھ گزارنے کی یہی ایک ترکیب باقی تھی کہ جو دو چار دوست آشنا رہ گئے تھے اون سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس طرح اپنا غم اونہیں سنانے اور اونکا فسانہ خورد سنانے کا موقع ملیگا اور کچھ غم غلط ہو جایا کریگا۔ چنانچہ میرزا صاحب نے یہی کیا۔ اور یہی میر مہدی مجروح، میرزا تقی، خواجه غلام غوث خان بہادر بیخبر اور چند دیگر اصحاب سے کثرتِ مراسلت کا باعث بھی تھا۔ ان میں سے جسکا خط آتا اوسکو جواب، اور جسکا نہ آتا اوسکو شکوہ و عتاب لکھتے رہتے۔ اس زمانے میں ایکبار ہر گوپال تفتہ نے کوتاہ قلبی سے کام لیا، اور ایک ماہ تک کوئی نیازنامہ نہ بھیجا، تو میرزا صاحب نے ۱۹ جون سنہ ۵۸ع کو پر حسرت انداز میں لکھا:

”کیون صاحب؟ مجھ سے کیون خفا ہو؟ آج مہینا بھر ہو گیا ہوگا، یا بعد دو چار دن کی ہو جائیگا، کہ آپکا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میری پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بالکنڈ اوسکا بیٹا یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔ اس سے گزر کر لکھنؤ اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے تھے۔ اوں دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ وہ آمد خطوط کی موقوف۔ صرف تم تین صاحبوں کی خط کی آتی کی توقع۔ اوس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ۔ ہاں ایک تم کہ ہر مہینے میں ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔ سنو صاحب اپنی پر لازم کر لو ہر مہینے میں ایک خط بچکو لکھنا۔ اگر کچھ کام آہڑا دو خط تین خط، ورنہ صرف خیر وعافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایکبار بھیج دی۔“ (۱)

اسکے بعد پھر تفتہ سے تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے ۱۳ نومبر سنہ ۵۸ ع کو مزاحاً تحریر کیا:

”کیون صاحب؟ کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کی رہنے والی دلی کی خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں؟ ہلا اگر یہ حکم ہوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا کہ زہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جاوی۔“ (۲)

لیکن میرزا تفتہ نے اسکے بعد بھی تساہل سے کام لیا، تو میرزا صاحب نے ۷ دسمبر سنہ ۵۸ ع کو لجاجت سے لکھا:

”کیون صاحب؟ روٹھی ہی رہو گی یا کبھی منو گی بھی۔ اور اگر کسی طرح نہیں منو تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کی بھروسہ جیتا ہوں۔ یعنی جسکا خط آیا۔ میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لانا ہے۔ ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو۔

میری دلگی ہو جاتی ہے

دن اونکر پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ یعنی تم نہیں آؤ۔ خط لکھو صاحب۔ نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آؤ میں بخل نکرو۔ ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔“ (۳)

لفافی بنا کر دل پہلائی

اس زمانہ میں میرزا صاحب غم غلط کرنے کے اسقدر درپسے تھے کہ جب خط و کتابت کے بعد بھی وقت بچ رہتا تو آئندہ مراسلت کیلئے لفافے

بنانے لگتے۔ چنانچہ اپنے ایک دوست منشی نبی بخش کے مکتوب مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۵۸ ع میں لکھتے ہیں :

”اللہ ! اللہ ! یہ دن بھی یاد رہیں گی۔ خط سو خط لکھو گئی ہیں۔ بجو اکثر اوقات لفافہ بنائی میں گزرتی ہیں۔ اگر خط نہ لکھو لنگا تو لفافہ بناؤ لنگا۔“ (۱)

منشی شیو نراین اکبر آبادی کو یہ لفافے دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب تنگدستی کی وجہ سے سادہ لفافے بازار سے نہیں خرید سکتے۔ یہ سوچ کر انہوں نے کچھ لفافے بھیجے، اور بذریعہ تحریر ارسال کی اطلاع دی۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا :

”لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کون تکلیف کی؟ لفافہ بنانا دل کا بہلانا ہی۔ بیکار آدمی کیا کریں۔ پھر حال جب لفافہ پہنچ جائیگا ہم آپکا شکر بجا لائینگے۔“ ہرچہ از دوست میرسد نیکوست۔“ (۲)

تیسرا سبب۔ خط نہیں باتیں

تیسرا سبب یہ ہے کہ میرزا صاحب نے تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیدیا تھا۔ وہ جب کسی دوست کو خط لکھتے، مخاطب میں وہی انداز اختیار کرتے جو مکتوب الیہ سے ملاقات کیوقت زیبا ہوتا۔ اور چونکہ ہر شخص گفتگو میں سادگی، برجستگی اور ظرافت پسند کرتا ہے، اور یہ سب خوبیاں انکی تقریر میں موجود تھیں، اسلئے انکی تحریر میں بھی وہی دلچسپی نظر آتی تھی، جو تقریر میں تھی۔ دراصل میرزا صاحب اس قسم کی مراسلت اختیار کرنے پر مجبور بھی تھے۔ انہیں دور افتادہ دوستوں کو اپنی پریشانیوں سنانی تھیں۔ اگر یہ پریشانیان قدیم اندازِ تحریر کے لباس میں جلوہ گر ہوتیں، تو مکتوب الیہم بہت جلد اوکتا جاتے، اور میرزا صاحب کو مراسلت کا زیادہ موقع نہ ملتا۔ لہذا انہوں نے اپنے تمام خطوط کو مکالمہ بنا کر اوس میں طبعی ظرافت کی تخم ریزی کی، جسکے سبب سے احباب ان کے خطوں کے انتظار میں رہا کرتے اور اجنبی اصحاب طرح طرح سے سلسلہ مراسلت شروع کرنے کی کوشش کرتے۔

چونکہ میرزا صاحب نے یہ طریقہ جان بوجھکر اختیار کیا تھا، اسلئے جب انہیں اسکی کامیابی کا یقین آگیا تو اسکی ایجاد کو نفراً اپنی ذات کیطرف منسوب بھی کیا ہے۔ مرزا حاتم علی مہر کے نام کے ایک خط میں فرماتے ہیں:

» مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہو۔ ہزار کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرو۔ جو میں وصال کو مڑی لیا کرو۔ « (۱)

میرزا تفتہ کو لکھا ہے:

» بھائی! مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا کام کوئی، مکالمہ ہو۔ « (۲)

منشی نبی بخش صاحب کو تحریر کیا ہے:

» بھائی! مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے، کہ یہ تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت گویا مکالمت ہوگئی ہو۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ! اللہ! یہ دن بھی یاد رہینگے۔ خط سے خط لکھیں گے۔ میں... غنیمت ہے کہ محصل آدھ آہ ہو۔ ورنہ باتیں کرنیکا مزہ معلوم ہوتا۔ « (۳)

حکیم غلام نجف خان کے خط کے آخر میں لکھا ہے:

» اسوقت جی تم سے باتیں کرنیکو چاہا۔ جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ « (۴)

نواب انورالدولہ بہادر کی خدمت میں بھی اسی طرح عرض کیا ہے:

» پیرو مرشد! یہ خط لکھنا نہیں ہے۔ باتیں کرتے ہیں۔ « (۵)

انہیں کو ایک خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

» اب میں حضرت سے باتیں کرچکا۔ خط کو مرنامہ کرکے کبار کو دیتا ہوں۔ « (۶)

خواجہ غلام غوث خان بہادر میںخبر کو لکھا ہے:

» امی! افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں۔ با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب

لکھتی لگا۔ « (۷)

میرزا صاحب احباب سے بھی اسی طرح کی مراسلت کے امیدوار تھے۔ اسلئے کوئی اونکے تتبع میں مراسلہ کو مکالمہ کا رنگ دیدیتا تو تعریف کیا کرتے۔ ایکبار مرزا تفتہ نے خط لکھا۔ میرزا صاحب کو اوسکا پیرایہ بیان بیحد پسند آیا۔ چنانچہ اظہار خوشنودی کیلئے انہیں لکھتے ہیں:

» جیسے رہو اور خوش رہو۔... زیادہ خوشی کا سبب یہ کہ تمہو تحریر کو تقریر کا پرداز

دیدیا تھا۔ « (۸)

(۱) اردوی مغل، ص ۲۵۸ (۲) ایضاً، ص ۵۸ (۳) ایضاً، ص ۲۷۲ (۴) ایضاً، ص ۲۲۶

(۵) ایضاً، ص ۳۱۲ (۶) ایضاً، ص ۲۹۷ (۷) ایضاً، ص ۲۷۶ (۸) ایضاً، ص ۱۰۴

ف — مکاتیب غالب

میرزا صاحب کی یہ خصوصیت اونکی انشا پر اسقدر چھا گئی تھی کہ دربار رامپور کی مراسلت میں بھی، جو میرزا صاحب کی سنجیدہ ترین مکاتبت ہے، اسکا اثر نمایان ہے؛ حتیٰ کہ ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے نواب فردوس مکان کو صاف صاف لکھ دیا ہے، کہ

”یہ تحریر نہیں۔ مکالمہ ہی۔ گستاخی معاف کروا کر اور آپ سے اجازت لیکر بطریق انبساط عرض کرتا ہوں، کہ یہ سوا سو روپیہ، جو تودہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئی ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤنگا اور اس میں لباس نہ بناؤنگا، تو میرا خلعت حضور پر باقی رہیگا یا نہیں؟“ (۱)

مراسلت کا عمد شاہی طرز

میرزا صاحب کے وقت تک اردو فارسی دونوں زبانوں کی خط و کتابت کا انداز یہ تھا کہ شروع میں بھاری بھرکم القاب و آداب لکھے جاتے، زان بعد متعلقین کی خیریت کی اطلاع واستفسار ہوتا اور اسکے بعد استعاروں تشبیہوں اور کنایوں کے پردے میں دو چار مطلب لکھ کر عربی یا فارسی دعائیہ جملے پر خط ختم کر دیا جاتا۔ میرزا صاحب ابتدا سے اس روش کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مکتوب الیہ کے مناسب حال دو چار لفظ کا القاب لکھ کر سیدھے سادھے جملوں میں اظہار مطالب کر دیا جائے۔ ”پنج آہنگ“ کے دیباچہ میں اس روش سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بیگانگی این روش از شیوۃ غالب مستمند نہ جدا نیست کہ بگفتن نیاز داشتہ باشد۔ و ادا شناس داند کہ ہنجار من در نگارش این است کہ چون کلمہ و ورق بکف گیرم مکتوب الیہ را بلفظی کہ فراخور حالت اوست در سر آغاز صفحہ آواز دم، و زمزمہ سنج مدعا گردم۔ القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زائد است۔ و پختگان حشو را دفع نہند۔“ (۲)

میرزا صاحب نے مراسلت کی اوس روش کا نام جس میں بڑے بڑے القاب و آداب اور حشو و زوائد سے پُر خیریت گوئی و عافیت جوئی کے جملے ہوتے ”محمد شاہی روش“ رکھا تھا۔ اور اس سے اسقدر بیزار تھے کہ میر مہدی مجروح کے نام کے ایک خط میں اسکا مضحکہ اڑایا ہے۔ فرماتے ہیں:

”ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو؟ مجتہد العصر کے مسودہ کو اصلاح دیکر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں۔ تم میری عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہو۔ لافانہ کو کریدا کرو۔ مسودہ کو بار بار دیکھا کرو۔ پاؤگی کیا؟ یعنی تمکو وہ محمد شاہی روشن پسند ہیں۔ بیان خیریت ہو۔ وہاں کی عافیت مطلوب ہو۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کی بھیجا جاتا ہو۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا، اور دعا کہنا۔ اور ہاں حکم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازماً سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسطرح خط بھیجتے رہو۔ کیون سچ کہو اگاون کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی؟ ہاں کیا اچھا شیوہ ہے! جینک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں ہو۔ چاہ بآب ہو۔ ابر ب باران ہو۔ نخل ب میوہ ہو۔ خانہ ب چراغ ہو۔ چراغ ب نور ہو۔ مہم جانتو ہیں تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم زندہ ہیں۔ امر ضروری کو لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔ اور اگر تمہاری خوشنودی اوسطرح کی نگارش پر منحصر ہو، تو بھائی ساڑھی تین سطریں ویسی بھی مین تو لکھ دین۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھو؟ اور وہ مقبول نہوگی؟“ (۱)

نواب انور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق کو خط لکھا ہے۔ اوس میں القاب و آداب سے آغاز کرنے کے بجائے انتہائی پاکیزہ انداز سے اس متعارف طرز کی سبکی اور عدم احتیاج کا اظہار کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

”کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں؟ ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ! کیا ہوش مندی ہو، کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں، نہ القاب، نہ آداب، نہ ہندگی، نہ تسلیم؟ سن غالب! ہم تجھے کہتے ہیں، بہت مصاحب نہ بن۔ ای ایاز! حد خود بشناس۔“ مانا کہ تو نہ کئی برس کے بعد نو بیت کی غزل لکھی ہو اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہو۔ مگر یہ تحریر کی کیا روش ہو؟ پہلی القاب لکھ۔ پھر ہندگی عرض کر۔ پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ۔ پھر عنایت نامہ کی آئینا شکر ادا کر۔ (۲)

میرزا صاحب کی روش۔ القاب و آداب

میرزا صاحب کے عہد میں جو روش پسند کیجاتی تھی اوسکے سمجھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ خود میرزا صاحب کا انداز مراسلت و مکاتبت دریافت کیا جائے۔ سب سے پہلے القاب و آداب کو لیجئے۔ میرزا صاحب کے ہاں یہ اجزا اسقدر مختصر اور متعارف روش سے جدا ہیں کہ اونہوں نے انکے ترک کر دینے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”پیر و مرشد! یہ خط لکھنا نہیں ہو۔ باتیں کرنی ہیں۔ اور یہی سبب ہو کہ میں القاب

و آداب نہیں لکھتا۔ (۳)

در اصل اونہوں نے القاب و آداب کا پرانا فرسودہ طریقہ ترک کیا تھا۔ یہ نہ تھا کہ مکتوب الیہ کے مرتبہ کا لحاظ کئے بغیر ہر خط کو بغیر القاب و آداب کے شروع کر دیتے ہوں۔ اونہوں نے بزرگ یا بلند مرتبہ اصحاب کو جسقدر خط لکھے ہیں اون سب میں الفاظ اور پرداز کے تنوع کیساتھ یہ دونوں جزو موجود ہیں۔ مثلاً نواب فردوس مکان اور خلد آشیان طاب ثراہما کی خدمت میں جسقدر عرضیاں ارسال کی ہیں اون سب میں بجز ایک کے حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے، ہوتا ہے۔ صرف چار پانچ عرضیوں میں لفظ (حضرت) ساقط ہو گیا ہے۔

البتہ بے تکلف احباب یا شاگردوں کے نام کے مکاتیب میں تنوع زیادہ ہے۔ کبھی تو سرے سے القاب ہوتا ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو «میان، برخوردار، بھائی صاحب، سید صاحب، مرزا، میر بچان، کیون صاحب، منشی صاحب بندہ پرور، یا اور کسی مختصر اور بے تکلف انداز کے الفاظ میں۔ کبھی کبھی مزاحاً چھوٹوں کو بھی «قبلہ و کعبہ، مولانا، یا پیر و مرشد» لکھ دیا ہے۔ بعض خطوط ایسے بھی نظر آتے ہیں جن میں پورا القاب تحریر کیا گیا ہے، مگر اوسمیں بھی سادگی و بے تکلفی مفقود نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً میر سرفراز حسین صاحب کو لکھتے ہیں:

”نور چشم راحت جان میر سرفراز حسین جیو رہو اور خوش رہو۔“

یا انہیں کو لکھا ہے:

”میری جان کو چین میر سرفراز حسین“

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے:

”میری مہربان، میری جان، مرزا تفتہ بخندان“

”نور نظر تحت جگر مرزا تفتہ“

نواب علاء الدین خان بہادر علائی کو لکھتے ہیں:

”سعادت و اقبال نشان مرزا علاء الدین خان بہادر کو فقیر غالب کی دعا پہنچو۔“

یہی حال آداب و تسلیات کا ہے۔ نواب میر غلام بابا خان بہادر کو لکھا ہے:

« سلام منون الاسلام و دعای دوام دولت و اقبال کو بعد عرض کیا جاتا ہو .. »

بعض اصحاب کو لکھ دیا ہے: « فقیر غالب کا سلام » یا « سلام علیکم » یا « بعد دعا کے معلوم ہو » یا صرف « آداب » یا زیادہ مزاحیہ انداز میں « اگر خفا نہوں تو دعا اور اگر آزرده ہوں تو بندگی »، وغیرہ۔

خیریت گوئی و عافیت جوئی

خیریت گوئی سے میرزا صاحب سخت متفر تھے۔ وہ اس حصہ کو حشو و زوائد شمار کرتے تھے، اسلئے کسی ایک خط میں بھی « یہاں خیریت ہے اور آپکی خیریت نیک مطلوب » نہیں پایا جاتا۔ ہاں مطالب کے ساتھ ساتھ اپنی خیریت کا ذکر اور مکتوب الیہ کی عافیت کا استفسار کر لیتے، اور اس روش کو « کارِ پختگان » شمار کرتے ہیں۔

اظہار مطالب (۱)

میرزا صاحب کا ادائی مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً اونکو یہ لکھنا تھا کہ — محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گزرا۔ میں نے پوچھا کہ لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ اسنے کہا ابھی نہیں ہوئیں۔ میں نے پوچھا کیا آج جائیگی؟ اسنے کہا آج ضرور جائیگی۔ تیاری ہو رہی ہے — اس مطلب کو اونہوں نے اسطرح ادا کیا ہے:

« محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ بیٹھ محمد علی بیگ! لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ حضرت

ابھی نہیں۔ کیا آج نہ جائیگی؟ آج ضرور جائیں گی۔ تیاری ہو رہی ہو .. »

میر مہدی مجروح کو خط لکھا ہے۔ اوسمین لکھنا یہ ہے کہ میر نصاحب آئے اور اونسے یہ یہ باتیں ہوئیں۔ مگر وہ اسطرح نہیں لکھتے بلکہ اوسکو اسطرح شروع کرتے ہیں:

(۱) اس عنوان کو مانتے جو کچھ لکھا گیا ہو وہ مولانا حالی کی یادگار غالب، ص ۱۷۶-۱۹۱ کا تلفظہ خلاصہ ہو۔

ہ ای میرنصاحب ! السلام علیکم ! حضرت آداب . کہو صاحب آج اجازت ہی میر مہدی کو خط کا جواب لکھنے کی ؟ حضور میں کیا منع کرتا ہوں ؟ مگر میں اپنی ہر خط میں آپکی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں . پھر آپ کیون تکلیف کریں ؟ نہیں میرنصاحب ! اوسکی خط کو آتی ہوی بہت دن ہوی ہیں . وہ خفا ہوا ہوگا . جواب لکھنا ضرور ہی . حضرت وہ آپکی فرزند ہیں . آپ سے خفا کیا ہونگی . بھائی ! آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم بھی خط لکھنے سے کیون باز رکھتی ہو ؟ سبحان اللہ ! ای لو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتی ، اور بھی فرماتی ہیں کہ تو باز رکھتا ہی . اچھا تم باز نہیں رکھتی مگر یہ کہو کہ تم کیون نہیں چاہتی کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں ؟ کیا عرض کروں ؟ سچ تو یہ ہو کہ جب آپ کا خط جانا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سینا اور خط اونٹھاتا . اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوی . میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں . میری روانگی کے تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھی گا . میان بیٹھو . ہوش کی خبر لو . تمہاری جانی نہ جاؤ سے بھی کیا علاقہ ؟ میں بوڑھا آدمی ، بھولا آدمی ، تمہاری باتوں میں آگیا ، اور آج تک اومی خط نہیں لکھا . لا حول و لا قوہ .

اسکے بعد میر مہدی سے مخاطب ہو کر اصل مطلب لکھتے ہیں .

بعضی جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے غائب فرض کر لیتے ہیں . یہاں تک کہ جو لوگ مرزا کے انداز بیان سے واقف نہیں وہ اوسکو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں . مثلاً میر مہدی کو لکھتے ہیں :

ہ میر مہدی ! جیتی رہو ! آفرین ! صد ہزار آفرین ! اردو لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہو ، کہ بھکھر رشک آتی لگا ہو . سنو دلی کی تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہو . یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی . سو ایک ظالم ہائی بت انصاریوں کی جلی کا رہنوالا لوٹ لیکھا . مگر میں تو اوسکو بھل گیا . اللہ برکت دو !

مغربی طریقے پر جو قصے لکھے جاتے ہیں اونہیں اکثر اس قسم کے سوال و جواب ہوتے ہیں جیسے کہ مرزا کی تحریروں میں ہم اوپر دکھا چکے ہیں . مگر وہاں ہر سوال و جواب کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام یا اونکے ناموں کی کوئی علامت لکھ دیتا ہے . ورنہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ سوال کہاں ختم ہوا اور جواب کہاں سے شروع ہوا ؟ مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے ، اور نہ اونکے نام کی علامت لکھتے ہیں . مگر سوال یا جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ لے آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سوال کیا ہے اور جواب کیا .

مرزا کی طرزِ تحریر کی جو خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ اوسکی پیروی نہ کر سکیں۔ مگر وہ چیز جس نے اونکے مکاتبات کو ناول یا ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخیِ تحریر ہے، جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ... معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے کہ مکتوب الیہ اوسکو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبے کا مکتوب الیہ ہوتا تھا اوسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیان کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے۔ اوسمیں اونکی لڑکی کو، جو بچپن میں مرزا کے سامنے آتی تھی، اور اب جوان ہو گئی ہے، بعد دعا کے لکھتے ہیں :

”کیون بھئی! اب اگر تم کو لڑ بھی تو تمکو کونکر دیکھیں گے؟ کیا تمہاری مالک میں بھتیجان چھا سی پردہ کرتی ہیں؟“

یا مثلاً نواب امیر الدین احمد خان رئیس لوہارو کو اونکے بچپن کے زمانے میں اونکے رقعے کا جواب، جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا، اسطرح لکھتے ہیں :

”ای مردم چشم جهان بین غالب! پہلی القاب کو معنی سمجھ لو۔ یعنی چشمِ جهان بین غالب کی پتلی۔ چشمِ جهان بین تمہارا باپ مرزا علاء الدین احمد خان بہادر، اور پتلی تم۔ میان تمہاری دادا تو نواب امین الدین خان بہادر ہیں۔ میں تو صرف تمہارا دلدادہ ہوں۔“

ایک دوست کو دسمبر سنہ ۵۸ ع کی اخیر تاریخوں میں خط لکھا ہے۔ اونہوں نے اوسکا جواب جنوری سنہ ۵۹ ع کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا۔ اوسکے جواب میں اونکو اسطرح لکھتے ہیں :

”دیکھو صاحب! یہ باتیں تمکو پسند نہیں۔ سنہ ۱۸۵۸ ع کی خط کا جواب سنہ ۱۸۵۹ ع میں بھیجتے ہو۔ اور مزا یہ کہ جب تم سو کہا جائیگا تو یہ کہو گی کہ میں تو دوسری ہی دن جواب لکھا ہوں۔“

الغرض مرزا کے خطوط و رقعات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے جن میں اس قسم کی ظرافت اور ہنسی کی باتیں مندرج نہوں۔ یہاں تک کہ رنج و افسردگی

کا بیان بھی اس قسم کی چھیڑ سے خالی نہیں ہوتا۔ منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہیں :

» بھائی صاحب ! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا۔ یعنی منگل کو دن ۱۸ ربیع الاول کو شام کبریت میری وہ بھٹی، کہ میں نے بچپن سے آج تک اوسکو مان سنبھا تھا، اور وہ بھی بجو بیٹا سمجھتی تھی، مر گئی۔ آپکو معلوم رہے کہ پرسوں میری گویا نو آدمی مری۔ تین بھیمان اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا۔ یعنی اس مرحومہ کی ہوتی سی میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں، اور اوسکو مرے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج ایکبار مر گئے۔«

مرزا نے بعض اردو خطوں میں مُسْتَجِع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ عربی اور سنسکرت زبان کے سوا اور زبانوں کی مسجع نثرون میں عموماً یہ عیب ہوتا ہے، کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ نحواً قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو اوسمیں تصنع اور آورد کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، اور اسلئے پہلے فقرے کے مقابلے میں دوسرا فقرہ بسبب لزوم ما لا یلزم کے کم وزن ہو جاتا ہے۔ مگر مرزا کی مسجع نثر میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے میں۔ اور یہ بات اوسی شخص سے بن پڑتی ہے جو باوجود خوش سلیقگی اور لطفِ طبیعت کے شاعری میں غایت درجے کا کمال رکھتا ہو، اور وزن و قافیہ کی جانچ اور تول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ مگر یہ معلوم رہے کہ مُقَفَّی عبارت مرزا خاصکر اون خطوں میں لکھتے تھے جن سے ہنسی یا ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا۔

عرایض کا طرزِ ادا

اگرچہ میرزا صاحب کے عرایض کا طرزِ ادا اون خطوں کے مقابلے میں، جو »اردویِ معلیٰ« اور »عودِ ہندی« میں شایع ہو چکے ہیں، با تکلف ہے، اور یہاں وہ رنگا رنگی نہیں پائی جاتی جو مذکورہ مجموعوں کے خطوط کی جان ہے، تاہم یہ عرایض بھی اوسی نادرہ کار قلم کے رہیں۔ منت ہیں، جو

ادبِ اردو کے دامنِ کوتاہ کو سدا بہار پھولوں سے بھر چکا ہے۔ اسلئے ان سرکاری درخواستوں میں بھی وہ سادگی، شوخی اور ظرافت موجود ہے، جسکے سبب ادایِ مطلب میں میرزا صاحب کی انشا دیگر انشا پردازوں کی تحریروں سے گویٰ سبقت لی گئی ہے۔

لیکن یہ محاسن اور خطوط میں زیادہ نمایاں ہیں، جن میں حسنِ طلب ہے۔ چونکہ سرکارِ رامپور میرزا صاحب کی مالی دستگیری کی واحد کفیل تھی، اسلئے وہ ہر ضرورت کے موقع پر سوال کر بیٹھتے تھے، اور یہ سوچ کر کہ ابھی سابق امداد کو زیادہ زمانہ نہیں ہوا ہے، ہمیشہ ایسے انداز سے سوال کرتے تھے کہ انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثلاً نواب فردوس مکان نے اپنے چھوٹے صاحبزادے سید حیدر علیخان بہادر کی شادی کے موقع پر میرزا صاحب کو تورہ اور خلعت کے نام سے ۱۲۵ روپے نقد ارسال کئے ہیں۔ میرزا صاحب اس روپیہ کو خرچ کر نیکے بعد آئندہ کیلئے سیدل نکالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ تحریر نہیں مکالمہ ہی۔ گستاخی معاف کروا کر اور آپ سے اجازت لیکر بطریق انبساط عرض کرنا ہوں، کہ یہ سوا سو روپیہ، جو تورہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئی ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤنگا، اور اس میں لباس نہ بناؤنگا تو میرا خلعت حضور پر باقی رہیگا یا نہیں؟“ (۱)

نواب فردوس مکان کی وفات کے بعد نواب خلد آشیان کی خدمت میں قصیدہ تہنیت ارسال کیا ہے۔ یہاں سے صلہ میں تاخیر ہوتی ہے۔ میرزا صاحب کو روپیہ کی ضرورت ہے، اسلئے نامہ تقاضائی لکھتے ہیں، اور اوس میں بطور تقاضا ارشاد فرماتے ہیں:

”پیر و مرشد! حضرت فردوس مکان کا دستور تھا کہ جب میں قصیدہ بھیجتا، اوسکی رسید میں خط تحمیں و آفرین کا، شرم آتی ہی کہی ہوئی مگر کہو بغیر بقی نہیں، دوسو پچاس کی ہندوی اوس خط میں ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ یہ رسم بری نہیں ہو۔ اگر جاری رہی تو بہتر ہو۔“ (۲)

ایکسال دلی میں بارش کم اور رامپور میں کافی ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اگرچہ یہاں مینہ اسقدر برسا ہے کہ جسکو پانی سے زمیندار حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھولیں، مگر چونکہ نیرمان اڑی میری رزق کی برات آپ پر ہے، اور آپکی ملک میں بارش خوب ہوئی ہے، ابر رحمت کی شکر یہ میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں۔ بنظر اصلاح نظم و اصلاح حال ملاحظہ ہو۔“ (۱)

نواب خلد آشیان نے جشنِ تخت نشینی میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ اسکا شکریہ ادا کر کے لکھتے ہیں:

”حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا۔ وہ آگ برس رہی ہے کہ طہور کے پر جل رہے ہیں۔ بعد آگ کے پانی پرسیگا۔ سفر خصوصاً بوڑھی رنجور آدمی کو دونوں صورت میں معتذر۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا، اور میں نے احرام بیت المعمور رامپور باندھا۔“ (۲)

ایک مرتبہ نواب خلد آشیان نے اپنی ایک فارسی نثر اصلاح کو بھیجی ہے۔ میرزا صاحب بعض محاوروں کی تغلیط کرتے ہیں۔ اہلِ دربار بہارِ عجم اور فرہنگِ جہانگیری وغیرہ لغات کے حوالہ سے اس اصلاح کو غلط بتاتے ہیں۔ نواب صاحب یہ حوالے نقل کر کے میرزا صاحب سے اصلاح پر نظر ثانی کی درخواست کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے تحریر کیا ہے:

”مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہے۔ مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے۔ بحث کا طریقہ یاد نہیں۔ میان انجو جامع فرہنگِ جہانگیری، شیخ رشید راقم فرہنگِ رشیدی، عظمیٰ عجم میں سے نہیں۔ ہند انکا مولد۔ ماخذ انکا اشعار قدما۔ ہادی انکا انکا قیاس۔ ٹیک چند اور سیالکوٹی مل انکو پیرو۔ سبحان اللہ! ہندی بھی اور ہندو بھی! ”نور علی نور“ ۱۱، (۳)

باغِ بے نظیر کی نمائش کا حال اخبار میں پڑھا ہے، اور چاہتے ہیں کہ نواب صاحب کو اس جشنِ بینظیر کی مبارکباد دیں۔ اس مضمون کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:

”نمائش گاہ مرمر سور رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خون جگر کھاتا ہوں، کہ ہاں! میں وہاں نہیں۔ بالا خانہ پر رہتا ہوں۔ اوتار نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لیکر

اوتارا، اور پالکی میں بٹھا دیا۔ کھار چلی۔ راہ میں نہ مرا اور رامپور پہنچ گیا۔ کھاروں نے جاکر بینظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس، اور میں طائر اسیر۔ وہ بھی بڑے پروبال۔ نہ چل سکوں، نہ پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بطریق فرض محال ہی۔ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہو؟ (۱)

نواب سکندر زمانی بیگم صاحبہ کی تعزیت کرتے ہوئے رقطراز ہین:

”چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبان فارسی و عبارت بلیغ لکھوں۔ آپ کے قدموں کی قسم! دل نے قبول نہ کیا۔ آرایش گفتار، نظماً اوثرآ، واسطی تہیت کی ہے، کہ دل کثرت نفاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے۔ طبیعت راہ دیتی ہے۔ الفاظ ڈھونڈھ جاتے ہیں۔ معنی پیدا کی جاتے ہیں۔ اب میں نیم مردہ، دل پر مردہ، خاطر افسردہ جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں وہ سراسر طبع کے خلاف۔ جس بات کا تصور ناگوار ہو اوسکو تذکرے میں جی کیوں نہ بیقرار ہو؟“ (۲)

نواب زین العابدین خان بہادر سے خواہش کرتے ہیں کہ اپنے نام کا خط سرکار کو دکھا دینا۔ مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں:

”لیکن تم سے یہ توقع کیونکر پڑی؟ کس واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت کر کر کب لکھا ہے، جو اس بات کا جواب لکھو گی۔“ (۳)

خاتمہ

میرزا صاحب خط کے آخر میں بالعموم ایک دو دعائیہ لفظ لکھا کرتے تھے۔ اردوی معلیٰ و عود ہندی میں بعض مقامات پر یہ جزو متروک ہو گیا ہے، یا اپنی خیریت یا دنیا کی بے ثباتی سے متعلق کسی جملہ سے بدل گیا ہے۔ لیکن عرایض میں کبھی نظر انداز نہیں ہوا۔ ان میں ہمیشہ ”زیادہ حد ادب۔“ ”تم سلامت رہو ہزار برس * ہر برس کی ہون دن پچاس ہزار۔“

یا

”تم سلامت رہو قیامت تک * دولت و عز و جاہ روز افزون۔“

تحریر کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس جزو میں کوئی ادبی خوبی میرزا صاحب کے ہاں بھی نہیں پائی جاتی، اسلئے تمثیل و استشہاد بیکار ہو گا۔

کاتب کا نام

میرزا صاحب کاتب کی شخصیت کا تعین بھی نئے اسلوب سے کرتے تھے۔

عام انشا پردازوں کی طرح آخر میں نام لکھنے کا طریقہ اونکے ہاں صرف پُر تکلف مراسلت کیساتھ مخصوص تھا۔ وہ مساویانہ یا بزرگانہ خط و کتابت میں کبھی خط کے شروع یا درمیان میں اس طرح نام لکھتے ہیں، کہ مکتوب الیہ کو خیال تک نہیں ہوسکتا کہ یہاں نام لکھنے سے مقصود کاتب کا تعارف ہے۔ مثلاً خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھا ہے :

”وہ قبلہ ! کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہو، کہ کوئی ہمارا دوست، جو غالب کہلاتا ہو، وہ کیا کھاتا پیتا ہو اور کیونکر جیتا ہو؟“ (۱)

یا مثلاً نواب انور الدولہ بہادر شفق کو تحریر کیا ہے :

”کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں؟ ہاں اتنی ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ ! کیا ہوشندی ہو کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں، نہ القاب، نہ آداب، نہ بندگی، نہ تسلیم؟ سن غالب ! ہم تجھ سے کچھ ہیں بہت مصاحب نہ بن“ (۲)

اور کبھی آخر میں نام لکھتے ہیں، جو بیشتر تو اونکا تخلص ”غالب“ ہوتا ہے، اور تھا یا کسی ہمعافیہ فقرہ کیساتھ آتا ہے۔ مثلاً

”بندۂ علی ابن ابیطالب آرزومند مرگ غالب، نجات کا طالب غالب، عفو جرم کا طالب غالب۔ داد کا طالب غالب، اس خط کی رسید کا طالب غالب، ترحم کا مستحق اور نفقہ کا طالب غالب“ وغیرہ۔

لیکن بعض خطوط میں اصلی نام ”اسد اللہ خان“ یا ”اسد اللہ“ یا صرف ”اسد“ یا ”اسد اللہ خان غالب“ یا ”اسد اللہ غالب“ بھی لکھا ہے، نواب فردوس مکان کے نام کے ایک عریضہ میں ”اسد اللہ“ کیساتھ بھی ایک ہمعافیہ فقرہ استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

”عرضداشت ہوا خواہ اسد اللہ“ (۳)

متعدد خطوط میں میرزا صاحب نے یہ جزو ترک کر دیا ہے۔ ان میں چند ایسے ہیں جن میں کیاۃ نام آگیا ہے۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

”تاریخ اوپر لکھ آیا۔ نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہو“ (۴)

انہی کو دوسرے خط میں لکھا ہے :

”دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں۔ کاتب کا نام غالب ہو کہ دستخط سو پہچان جاؤ۔“ (۱)

ایک اور خط میں تحریر کیا ہے :

۶۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی بدھ کا دن صبح کو آئے بجا چامتی ہیں۔ کاتب کا نام غالب ہو کہ تم جانتے ہو گے۔“ (۲)

چودھری عبد الغفور سرور کو بالکل نئے انداز سے لکھا ہے :

”کاتب وہی ہو جو نفاذہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہو۔“ (۳)

باقی جن خطوں میں نام سر دست موجود نہیں ہے اونکے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ یا تو ناقلوں نے نقل کرتے وقت نام چھوڑ دیا اور یا آخر میں نام کے بجائے » غالب « نقش کی مہر ثبت تھی، جو نقل کرنے سے رہ گئی۔ ورنہ میں نے جسقدر میرزا صاحب کے سرکاری اور نجی خطوط دیکھے ہیں اون میں سے ایک بھی نام یا مہر سے خالی نہیں ہے۔

تاریخ کاتب خطوط

میرزا صاحب خط کی تاریخ بھی ہمیشہ ایک انداز سے نہیں لکھا کرتے تھے۔ اونکی تنوع پسند طبیعت اس خشک جزو مکتوب میں بھی نئے نئے شگوفے کھلاتی، اور وہ کبھی آغاز میں کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں تاریخ ثبت کرتے۔ تاریخ کے ساتھ ساتھ بعض وقت دن گھڑی اور سال بھی تحریر کرتے تھے۔ انگریزی و ہجری تاریخوں میں سے اونکے ہاں بسا اوقات صرف انگریزی یا صرف ہجری اور کبھی کبھی دونوں پائی جاتی ہیں۔ مگر سنیں لکھنے کا التزام کم اور علامت ہجری و عیسوی کا التزام کمتر ہے۔

آغاز کی تاریخ

میرزا صاحب موجودہ یورپین طرز کے مطابق القاب و آداب سے قبل تاریخ بہت کم لکھتے تھے۔ اونکے ہاں القاب کے بعد آغاز مطلب میں تاریخ زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

• میان ! آج یکشنبہ کا دن ساتویں فروری کی اور شاید بائیسویں جمادی الثانی کی ہو ۔ دو پہر کو وقت شیخ مشرف علی رھنی والی استاد حامد کو کوچہ کو میری پاس آؤ ، اور اونہوں نے تمہارا خط لکھا ہوا ۱۵ جمادی الثانی کا دیا ۔ (۱)

یوسف مرزا صاحب کو لکھا ہے :

• آؤ صاحب ! میری پاس بیٹھ جاؤ ۔ آج یکشنبہ کا دن ہو ساتویں تاریخ رمضان کی اور اونیسویں اپریل کی ۔ (۲)

مرزا تفتہ کو تحریر کرتے ہیں :

• آج منگل کو دن پانچویں اپریل کو تین گھنٹی دن رہو ڈاک کا ہرکارہ آیا ۔ (۳)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

• چار شنبہ ۱۸ مئی ... بقول عوام بامی عید کا دن صبح کا وقت ۔ (۴)

نواب انور الدولہ بہادر کو لکھتے ہیں :

• خداوند نعمت ! آج دو شنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہو ۔ اسوقت کہ بارہ پر تین بھی

ہیں ، عطوفت نامہ پہنچا ۔ (۵)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو تحریر کیا ہے :

• جنابہاں ! آج دو شنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ کی ہو ۔ پھر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہو ۔

ترشح ہو رہا ہو ۔ ہوا سرد چل رہی ہو ۔ پیٹ کو کچھ میسر نہیں ۔ ناچار روٹی کھاتی ہو ۔ (۶)

وسط کی تاریخ

مطالب کے ضمن میں میرزا صاحب تاریخ اسطرح لکھتے ہیں کہ بظاہر

پڑھنے والے کو تاریخ نویسی کا خیال نہیں گزرتا ۔ بلکہ تاریخ بھی منجملہ

مطالب معلوم ہوتی ہے ۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

• تمہاری پاس جو قاطع برہان پہنچی ہو اگر پہاڑ کی ہو تو صحیح ہو ۔ جہاں تردد ہو غلطنامہ

ملحقہ میں دیکھ لو ۔ زیادہ انکشاف منظور ہو مجھ سے پوچھ لو ۔ اور اگر قلمی ہو تو درجہ

اعتبار سے ساقط ہو ۔ اوسکو میری تالیف نہ سمجھو ۔ بلکہ جیکو مول لیو اور اوسکو بھاڑ ڈالو ۔

” آج یوم الخمیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بھی تمہارا خط آیا ۔ ادھر پڑھا ، ادھر جواب لکھو

بیٹھا ۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی آؤ ۔ تمہارا خط اونکو دیا ۔ وہ پڑھ رہی

ہیں ۔ م لکھ رہی ہیں ۔ ابر آیا ہوا ہو ۔ ہوا سرد چل رہی ہو “ ۔ (۷)

شاہ عالم صاحب مارہروی کو تحریر کیا ہے :

(۱) اردو مصلیٰ ، ص ۱۵۶ (۲) ایضاً ، ص ۳۳۰ (۳) ایضاً ، ص ۴۵ (۴) ایضاً ، ص ۴۴۶

(۵) ایضاً ، ص ۲۹۵ (۶) ایضاً ، ص ۲۷۵ (۷) ایضاً ، ص ۴۱۲

• یای تختانی لکھ چکا تھا کہ ایک چرامی آیا ، اور اوسو خط تمہاری نام کا نکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے ۔ اب میں یہ خط اپنا مع اونکو خط کر ڈاک گھر میں بھیجا ہوں ۔ صبح کا وقت یکشنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵ اگست کی ہے ۔ ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں ۔ (۱)

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

تمہاری شکایتیں بیجا کا جواب یہ ہے کہ تم نے جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا ، اور کرناں کی روانگی کی اطلاع دی تھی ، میں نے تجویز کر لیا تھا کہ جب کرناں سے خط آئیگا تو میں جواب لکھوں گا ۔ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت ، الہی کھانا پکا بھی نہیں ، تبریدی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا ۔ (۲)

خاتمہ کی تاریخ

خاتمہ کی تاریخ میں بھی میرزا صاحب موجودہ رسم تحریر کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں ۔ اونکے ہاں آخری تاریخ کا مذکور بھی ضمن مطالب میں ہوتا ہے ۔ البتہ عرایض میں دو چار مقامات کے علاوہ ہر جگہ خط ختم کرنیکے بعد نام سے قبل یا بعد تاریخ ثبت کی ہے ۔ مثلاً مرزا حاتم علی مہر کو لکھا ہے :

• دو شنبہ کا دن ۲۰ دسمبر کی صبح کا وقت ہے ۔ انگلیشی رکھی ہوئی ہے ۔ آگ تاپ رہا ہوں ، اور خط لکھ رہا ہوں ۔ یہ اشعار یاد آگئی ۔ تمکو لکھ بھیجی ۔ والسلام ۔ (۳)

منشی حبیب اللہ خان ذکا کو تحریر کیا ہے :

• جواب خط کا طالب غالب ۔ سہ شنبہ از روی جنری ۲۶ اور از روی رویت ۲۵ رجب سنہ ۱۲۸۳ھ اور ۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع ۔ (۴)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

” ۶۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی بدھ کا دن صبح کو آٹھ بجے چاہتی ہیں ۔ کاتب کا نام غالب ہے کہ تم جانتے ہوگی ۔ (۵)“

انہی کو لکھتے ہیں :

• ... مرقومہ شنبہ یکم جون وقت صبح چھ بجے سات کو عمل میں ۔ (۶)

خاتمہ میں اعادۂ تاریخ

کبھی کبھی میرزا صاحب آغاز میں تاریخ لکھ دینے کے بعد خاتمہ میں

(۲) ایضاً ، ص ۲۶۷

(۲) ایضاً ، ص ۱۸۰

(۱) اردوی معلی ، ص ۲۰۲

(۶) ایضاً ، ص ۴۰۸

(۵) ایضاً ، ص ۴۴۲

(۴) ایضاً ، ص ۴۳

اوسکا دوبارہ اجمالی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

”دن تاریخ اپنا نام آغاز کتابت میں لکھ آیا ہوں۔ اب ارسال جواب کی تاکید کی سوا اور کیا لکھوں۔“ (۱)

انہی کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

”دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں۔ کاتب کا نام غالب ہی کہ دستخط ہی پہچان جاؤ۔“ (۲)
انہی کو سہ بارہ ”تریر“ کیا ہے :

”تاریخ اوپر لکھ آیا۔ نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہی۔“ (۳)

وقت کتابت کا ماحول

بعض اوقات میرزا صاحب تاریخ کے علاوہ خط لکھتے وقت کی حالت کا نقشہ بھی مکتوب الیہ کی نگاہوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے، تا کہ مکتوب الیہ یہ محسوس کر کے کہ خود میرزا صاحب کے پاس بیٹھا ہوا اونکی زبان سے مکتوبہ واقعات سن رہا ہے۔ مطالب خط سے زیادہ لطف اندوز ہو۔ مثلاً گرمی کا موسم ہے۔ رامپور کے پہلے سفر سے واپس دلی پہنچے ہیں۔ میر مہدی مجروح کی فرمائش پر رودادِ سفر لکھی ہے۔ اسکے آخر میں فرماتے ہیں :

”کوٹھری میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آرمی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے۔ حقہ ۔

پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنا کو جی چاہا۔ یہ باتیں کر لیں۔“ (۴)

برسات کے موسم میں خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو تحریر کرتے ہیں :

”وہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہو۔ ترشح ہو رہا ہو۔ ہوا مرد چل رہی ہے۔ پیو کو کچھ میسر نہیں۔ ناچار روٹی کھاتی ہو۔

افقہا پر از ابر بہمن مہی * سفالینہ جام من از می تہی

غزده و دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا۔“ (۵)

نواب انور الدولہ بہادر کو لکھتے ہیں :

» پیر و مرشد! شب رفتہ کو مینہ خوب برسا۔ ہوا میں فرط پرودت سی گزند پیدا ہو گیا۔ اب صبح کا وقت ہو۔ ہوا ٹھنڈی ہو گزند چل رہی ہو۔ ابر تک محیط ہو۔ آفتاب نکلا ہو؛ پر نظر نہیں آتا ہو۔ (۱)

انہی کو ایک اور خط میں لکھا ہے:

پیر و مرشد! ۱۲ بجی تھو۔ میں ننکا اپنی پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا۔ پڑھا۔ پھلی کو انگرکھا یا کرتا گلی میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان بھاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جانا؟ میرا نقصان ہوتا۔ (۲)

میرزا صاحب کا املا

میرزا صاحب اردو الفاظ کے املا میں یایِ معروف و مجهول اور ہایِ سادہ و مخلوط کا فرق نہیں کرتے۔ اور ابتدائی الفِ مکسورہ و مضمومہ کے فرق کیلئے ہمیشہ موخر الذکر کو باضافۂ (و) تحریر کرتے ہیں۔ چنانچہ اونکے ہاں »اُس«، بواو اور »اِس« بغیر واو پایا جاتا ہے۔ بعض الفاظ مختلف خطوط میں مختلف املا سے لکھے ہیں۔ مثلاً ہاتھ کو کبھی »ہاتھ« اور کبھی »ہات« لکھا ہے۔

انگریزی الفاظ کا تلفظ بھی بیشتر غلط کیا ہے۔ اسی لئے اونکا املا بھی درست نہیں ہے۔ مثلاً »پنشن« کو »پنسن« اور »لارڈ« کو »لاژڈ« اور »بورڈ« کو »بورڈ« لکھتے ہیں۔ (۳) اسی طرح ایک دو جگہ عربی الفاظ کو بھی غلط لکھا ہے۔ مثلاً »بالکل« کو »بالکل« دو الفون کیساتھ لکھ دیا ہے، جو درست نہیں۔ (۴)

ایک پیرا گراف کے خاتمہ اور دوسرے کے آغاز کے اظہار کیلئے کبھی تونٹے پیرا کے پہلے حرف پر اس شکل (س) کی علامت بناتے ہیں، اور کبھی بارہ کا ہندسہ لکھتے ہیں، جو لفظِ »حد« کا عدد ہے۔ مرزا حاتم علی مہر کو اس عدد کے التزام کی وجہ بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

»صاحب! بندۂ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کی خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ (۵)

(۱) اردوی معلیٰ، ص ۲۰۰ (۲) ایضاً، ص ۳۰۳ (۳) مکاتیب، ص ۱۲ و ۱۵ و ۲۲ و ۱۱۰

(۴) ایضاً، ص ۳۳ (۵) اردوی معلیٰ، ص ۲۵۷

ہجری اور عیسوی سنہ کے اظہار کیلئے میرزا صاحب «ھ» اور «ع» بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن اسکا التزام نہیں پایا جاتا۔

میرزا صاحب کا رسم الخط

میرزا صاحب کا خط نہایت پختہ شفیعا آمیز نستعلیق تھا۔ چونکہ وہ ایرانی اداؤں کے دلدادہ تھے، اسلئے خط سے ولایتی شان زیادہ نمایان ہے۔ مگر آخر عمر میں رعشہ پیدا ہو جانے سے دائروں اور کشش میں پہلی سی خوش نمائی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ان خطوں کے دیکھنے سے پہلی نظر میں ہاتھ کی تھرتھراہٹ کا احساس ہوتا ہے۔

سامان کتابت۔ کاغذ

میرزا صاحب کے خطوط میں سامان خط و کتابت کا بھی ذکر آیا ہے۔ اسلئے اوسپر ایک اجمالی نظر نامناسب نہوگی۔

میرزا صاحب بالعموم باریک ولایتی کاغذ استعمال کرتے تھے، جو نیلگون یا سفید یا گلابی ہوتا۔ دربار رامپور میں اونکی جسقدر عرضیاں پیش ہوئی ہیں وہ بجز ایک دو کے تمام اسی قسم کے گران قیمت کاغذ پر لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن منشی سیلچند اور خلیفہ احمد علی صاحب کے نام کے خطوط گھٹیا کاغذ پر ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میرزا صاحب کاغذ کے انتخاب کیوقت مکتوب الہ کی حیثیتِ دنیوی کا لحاظ رکھتے تھے۔

بعض اوقات تنگدستی کے سبب میرزا صاحب کے پاس کاغذ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا، تو جواب دینے کیلئے رویہ کا انتظار کرنے کے عوض کتاب میں سے سادہ ورق پھاڑ لیتے تھے۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۵۹ع کو میر مہدی مجروح کو لکھتے وقت یہی ترکیب استعمال کرنی پڑی تھی۔ چنانچہ اوسی خط میں فرماتے ہیں:

«بھائی! نہ کاغذ ہو، نہ ٹکٹ ہو۔ اگلے لفافوں میں سو ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہو۔ کتاب

میں سو یہ کاغذ پھاڑ کر تمکو خط لکھتا ہوں، اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔

غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سو پہنچ گئی ہو۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لوں گا۔» (۱)

قلم

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے زمانہ تک لوہے کے قلم کا رواج نہوا تھا۔ وہ نیزے کا قلم استعمال کرتے، اور اوسے خود ہی بناتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قلم بنانے میں چاقو سے انگوٹھا زخمی ہو گیا، اور منشی شیو نرائن کے خط کے جواب میں تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے تحریر کیا تھا:

«صاحب! تم خط کے جواب نہ بھیجی ہو گھبرا رہو ہو گے۔ حال یہ ہو کہ قلم بناؤ میں میرا ہاتھ انگوٹھی کے پاس سے زخمی ہو گیا اور دم کر آیا۔ چار دن روٹی بھی مشکل سی کھائی گئی ہو۔ بہر حال اب اچھا ہوں۔» (۱)

یہ سنہ ۱۸۵۸ ع کا واقعہ تھا۔ لیکن آخر عمر میں رعشہ کے سبب خود قلم نہ بنا سکتے۔ لڑکوں سے بنوائتے تھے۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷ ع کو نواب خالد آشیان کو لکھتے ہیں:

«اس درویش کا حال اب قابل گزارش نہیں۔ امراض قدیم بڑھ گئی۔ دوران سر اور رعشہ اور ضعف بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا۔ لڑکوں سے بنوا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہو۔» (۲)

لفاف

میرزا صاحب سادہ کاغذ کے مستطیل لفافے استعمال کرتے تھے۔ بعض اوقات اونکے حاشیوں پر باریک بیل بوٹے بھی بنے ہوتے۔ لیکن اسوقت تک ڈاکخانہ کے ٹکٹ چھپے ہوئے لفافے مروج نہ تھے۔ اسلئے یہ سب دیسی ساخت کے ہوتے تھے۔

خود میرزا صاحب بھی وقت گزاری کیلئے لفافے بنالیا کرتے تھے۔ ایکبار منشی شیو نرائن اکبر آبادی نے خود ساختہ لفافوں کے استعمال سے خیال کیا کہ تنگدستی کے سبب میرزا صاحب ایسا کرتے ہیں۔ اور یہ سوچ کر میرزا صاحب کو لفافوں کا ایک بنڈل روانا کیا۔ میرزا صاحب نے اس سے مطلع ہو کر لکھا:

«لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ تو کیوں تکلیف کی۔ لفاف بنانا دل کا پہلانا ہو۔ بیکار آدمی

کیا کریں۔ بہر حال جب لفافہ پہنچ جائیگا، ہم آپکا شکر بجا لائیں گے۔ ہرچہ از دوست میرسد
نیکوست۔ (۱)

لیکن اس کرمفرما نے لفافوں کے اوپر »از مقام، در مقام، تاریخ و ماہ« طبع کرا کے بھیجے۔ میرزا صاحب ان چوچلون کو ناپسند کرتے تھے۔ اونہوں نے یہ ہدیہ دوستوں میں تقسیم کر دیا، اور جب منشی صاحب نے ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو دوبارہ اوسی قسم کے لفافے ارسال کئے، تو اونہیں لکھا:

»برخوردار! آج اسوقت تمہارا خط مع لفافوں کے لفافے کے آیا۔ دل خوش ہوا۔ بھائی! میں اپنی مزاج سی ناچار ہوں۔ یہ لفافے »از مقام و در مقام و تاریخ و ماہ« بجگو پسند نہیں۔ آگے جو تم نے بھیجی تھی وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دی۔ اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ انکی عوض یہ لفافے جو »در مقام و از مقام« می خالی ہیں، جن میں تم اپنی خط بھیجا کرتی ہو، بجگو بھیج دو، اور یہ لفافے اوسکی عوض مجھ سے لیلو۔ اور اگر اوسطرح کے لفافے نہ ہوں تو انکی کچھ ضرورت نہیں۔ (۲)

اسکے بعد منشی صاحب نے جو کیا اوسکے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ لیکن منشی نبی بخش صاحب کے نام کے مکتوب مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۵۸ ع سے یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ سنہ ۵۸ ع میں لفافہ سازی کا خاصہ مشغلہ رہا تھا۔ فرماتے ہیں:

»اللہ! اللہ! یہ دن بھی یاد رہیں گو۔ خط سے خط لکھو گئی ہیں۔ بجگو اکثر اوقات لفافے بنانی میں گزرتی ہیں۔ اگر خط نہ لکھو گنا تو لفافے بناؤ گنا۔ (۳)

ٹکٹ

میرزا صاحب پوسٹ پیڈ خط بھیجنے کے پابند تھے، اور بالعموم پتہ کے داہنی یا بائیں جانب کبھی اوپر اور کبھی نیچے ٹکٹ چسپان کرتے تھے۔ ایسے خطوط پر اونہوں نے ہمیشہ »پوسٹ پیڈ« بھی لکھا ہے۔ بعض اوقات ٹکٹ کے اوپر »اسد« بھی لکھ دیا کرتے تھے۔

روشنائی

میرزا صاحب ہمیشہ سیاہ روشنائی استعمال کرتے تھے، جو عموماً بہت روشن اور پختہ ہوتی۔ آخری ایام کے خطوط میں پھیکی روشنائی بھی نظر آتی ہے۔ جسکی وجہ خود میرزا صاحب کی »قلبدانِ انشا« سے بے توجہی

ہوگی۔ ضرورت کے وقت لڑکون کے قلم اور اونہی کی روشنائی سے لکھا کرتے ہونگے، اور خود » لوح و قلم « کی درستی اور اہتمام سے اسلئے احتراز کرنے لگے ہونگے، کہ اب اونہیں ان دونوں کی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ عالمِ ادب اونکا لوہا مان چکا تھا۔

قواعد ڈاک کی پابندی

میرزا صاحب ڈاک کے قاعدوں کے سخت پابند تھے۔ وہ خود بھی خلاف ورزیِ قانون سے احتراز کرتے، اور احباب کو بھی اسی امر کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ ایکبار منشی حبیب اللہ خان ڈاک کو لکھا ہے:

» خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں نہ تو میں اونکی نام کا خط تمہاری خط میں ملفوف کر کے بھیجتا۔ « (۱)

منشی غلام بسم اللہ صاحب نے اپنی غزل کیساتھ ایک منصف صاحب کی غزل بھی ارسال کردی تھی۔ اونکی اس سہل انگاری پر سرزنش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

» سنی حضرت! خط میں خط (کا) تداخل برا ہے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں کبھی خط کھل گیا، تو مجھے پچاس روپیہ لٹی جائیگی، یا قید کا حکم ہوگا۔ آئندہ آپ خط جداگانہ بھیجا کیجیے۔ اس باب میں تاکید جانی۔ کوئی حیلہ جواز کا آپ کی طرف سے مسموع نہ ہوگا۔ « (۲)

چودھری عبد الغفور صاحب نے پارسل میں کچھ خط رکھ دیے تھے۔ اونکو تحریر کرتے ہیں:

» پارسل میں خطوط بھیجی محلِ اندیشہ ہے۔ خدا نہ بچایا۔ چونکہ اب وہ خط آپکو کچھ کام نہ سمجھا، از راہ احتیاط پارسل میں سے نکال لیے۔ « (۳)

ایکبار تفتہ کے نام ایک پارسل حسبِ قاعدہ ایک آنے کا ٹکٹ چسپان کر کے ڈاک خانہ بھیجا۔ جو شخص پارسل لیکر گیا تھا، اوسنے غلطی سے خطوں کے بکس میں پارسل ڈال دیا۔ میرزا صاحب نے واقعہ سے مطلع ہو کر تفتہ کو لکھا:

» صاحب! کل پارسل اشعار کا ایک آنہ کا ٹکٹ لگا کر اور اوسپر یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے، خط نہیں ہے، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈالو۔ خدمتگار

ناخواندہ آدمی . اوسکا حکم بجا لایا ، اور اوسکو خطون کو صندوق میں ڈال آیا . وہ لفظ کہ » یہ خط نہیں ہو پارسل ہو « دست آویز معقول ہو . اگر وہاں کی ڈاکو تم سے خط کا حصول مانگین ، تو تم اوس جملہ کی ذریعہ سے گفتگو کر لینا . « (۱)

در اصل میرزا صاحب کی احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایکبار تفتہ کی غلطی کا خمیازہ بھگت چکے تھے ، اور غالباً پارسل کو خطون کے بکس میں ڈال دینے کی وجہ سے اونکو پوسٹ پیڈ پارسل کا مزید حصول ادا کرنا پڑا تھا .

۲۸ جولائی سنہ ۱۸۵۸ ع کو یہ واقعہ خود تفتہ کو لکھا ہے :

» میرزا تفتہ ! کل قریب دو ہر کہ ڈاک کا ہرکارہ ، وہ جو خط بانٹا کرتا ہی ، آیا ، اور اوسنی پارسل موم جامی میں لپٹا ہوا دیا . پہلی تو حیران رہا کہ پاکٹ خطون کی ڈاک میں کیوں آیا ؟ باری جب اوسکی تحریر دیکھی تو تمہاری ہات کا ہم فلٹ لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگی ہوئی . مگر اوسکو آگے کال مہر اور کچھ انگریزی لکھا ہوا . ہرکارہ نے کہا کہ ایک روپیہ دس آن دو لوائی . دلوائی ، اور پارسل لی لیا . مگر حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا ؟ قیاس ایسا چاہتا ہو کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا اس کو خطون کے بکس میں ڈال آیا . ڈاک کو کارپردازون نے غور نہ کی ، اور اوسکو بیرنگ خطون کی ڈاک میں بھیج دیا . « (۲)

پوسٹ میں کا لطیفہ

ایکبار پوسٹ میں کی غفلت سے ایک دلچسپ لطیفہ پیدا ہو گیا تھا . واقعہ یہ ہوا کہ میرزا صاحب کے نام ایک خط آیا . اوس کے پتہ میں مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ جو تعظیمی الفاظ استعمال ہوئے تھے ، اونمیں ایک لفظ » کیشان « بھی تھا . ڈاکے نے اوسے » کپتان « پڑھا ، اور میرزا صاحب کی خدمت میں مبارکباد پیش کر کے طالب انعام ہوا . میرزا صاحب نے نواب انور الدولہ بہادر شفق کو یہ واقعہ لکھا ہے . فرماتے ہیں :

» ایک لطیفہ نشاط انگیز سنی . ڈاک کا ہرکارہ ، جو بلیارون کی خطوط پہنچاتا ہو ، اندون میں ایک بنیا پڑھا لکھا حرف شناس کوئی فلاں ناتھ ڈھک داس ہو . میں بالاخانہ پر رہتا ہوں . حویلی میں آکر اوسنی داروغہ کو خط دیا . اور اوسنی خط دیکر جھمی کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہو ، اور کہتا ہو کہ مبارک ہو ! آپ کو ، جیسا کہ دلی کی بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا ، اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا . حیران کہ یہ کیا کہتا ہو ؟ سرنامہ کو غور سے دیکھا . کہیں قبل از اسم » مخدوم نیاز کیشان « لکھا تھا . اوس رقم ساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے » کیشان « کو کپتان پڑھا . « (۳)

اگرچہ قانونِ ڈاک کی رو سے ییرنگ خطوط ارسال کرنا ممنوع نہیں، لیکن میرزا صاحب اسے قانونِ محبت و اخلاق کے خلاف جانتے، اور اسلئے بغیر کسی معقول وجہ کے کبھی ییرنگ خط نہیں لکھتے تھے۔ سید احمد حسن مودودی کو ایک ییرنگ خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

”میرا شیوہ نہیں ہی خط ییرنگ بھیجنا۔“ (۱)

میرزا صاحب اپنے ہر ییرنگ خط میں ییرنگی کی وجہ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ یا تو اوسوقت ییرنگ خط لکھا کرتے جبکہ

(۱) اونکے پاس ٹکٹ موجود نہوتا۔ خواہ اسلئے کہ جیب اسکی اجازت ندیتی، یا بروقت ڈاکخانہ سے حصول دشوار ہوتا۔ مگر اس عذر کیلئے بے تکلف احباب اور شاگرد مخصوص تھے۔ میر مہدی مجروح کو ایک ییرنگ خط میں لکھا ہے :

”بھائی ! نہ کاغذ ہی، نہ ٹکٹ ہی۔ اگلی لفافوں میں سی ایک ییرنگ لفافہ پڑا ہی۔ کتاب میں سی یہ کاغذ بھاڑ کر تکر خط لکھتا ہوں، اور ییرنگ لفافہ میں لپٹ کر بھیجتا ہوں۔ غنیمت نہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سی پہنچ گئی ہی۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لوں گا۔“ (۲)

اسی طرح نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

”بھائی ! سچ تو یوں ہی کہ اندون میں میری پاس ٹکٹ نہیں۔ اگر ییرنگ بھیجوں تو کھار ماندہ۔ اونٹ نہیں سکنا۔ ڈاک گھر تک جائے کون ؟“ (۳)

نواب شہاب الدین احمد خان بہادر کو زیادہ مُضحکہانہ انداز میں تحریر کیا ہے :

”آج میری پاس ٹکٹ ہی نہ دام۔ معاف رکھنا۔ والسلام۔“ (۴)

(۲) اور یا اوسوقت ییرنگ خط ارسال کرتے کہ اوسکے تلف ہو جانے کا خطرہ ہوتا۔ اور چونکہ تلف ہو جانیکا خطرہ اہم مکاتیب کے سلسلہ میں زیادہ ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے، اور اہم مکاتیب بے تکلف اور با تکلف دونوں قسم کے مکتوب الیہ کو لکھے جاتے ہیں، بنابرین اس عذر کے ماتحت

میرزا صاحب نے والیان ریاست تک کو بیرنگ خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ ایکبار نواب انور الدولہ بہادر نے خط نہ لکھنے کی شکایت کی، تو اوسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا:

”سونچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئی تھی۔ تلف ہونا کی طرح متصور نہیں۔“ (۱)

در اصل میرزا صاحب یہ سمجھتے تھے کہ ڈاکیا بیرنگ خط ضایع نہیں کرتا۔ بلکہ کوشش کر کے مکتوب الیہ تک خط پہنچاتا ہے، تاکہ اوس سے محصول ڈاک وصول کر سکے۔ یہ خیال سید احمد حسن مودودی کے خط میں ظاہر بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”یہ خط عمداً بیرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتی ہیں کہ پیٹ کو تلف ہونیکا احتمال ہو، اور بیرنگ کا نہیں۔“ (۲)

سیف الحق سیاح کو لکھتے ہیں:

”پیٹ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ تاکہ ضایع ہونیکا احتمال قوی رہی۔“ (۳)

چودھری عبد الغفور سرور کو ضروری خطوط کے بیرنگ ارسال کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ایک قاعدہ آپ کو بتانا ہوں۔ اگر اوسکو منظور کیجیے گا تو خطوط کو نہ پہنچو کا احتمال اولیٰ جائیگا، اور رجسٹری کا درد مر جاتا رہیگا۔ آدھ آنہ نہ سہی، ایک آنہ سہی۔ آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے، اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ اسٹامپ پیٹ خطوط تلف بھی ہوتی ہیں۔ اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضح ہوا ہوں بادی بھی ہوا، اور یہ خط بیرنگ بھیجا۔“ (۴)

مولوی عزیز الدین صاحب نے قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے خط ارسال کرنیکی اطلاع اور اوسکے جواب نہ لکھنے کی شکایت کی، تو اوسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا:

”خط از روی احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوست پٹ خط اکثر تلف ہو جاتو ہیں۔ چنانچہ قاضی عبد الجلیل صاحب کا خط، جسکا آپ نے ذکر لکھا ہے، آنکھیں بھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو! آپ اون سے میرا سلام نیاز کریں، اور خط کو نہ پہنچنے کی اونکو خبر پہنچائی۔“ (۵)

(۱) اردو مہلی، ص ۳۰۴ (۲) ایضاً، ص ۲۴۴ (۳) ایضاً، ص ۱۴

(۴) عود ہندی، ص ۳۳ (۵) اردو مہلی، ص ۲۱۷

والی بھر تپور کا انتقال ہوا اور یہ خبر دلی پہنچی، تو میرزا صاحب کو فکر ہوئی کہ کہیں جانی جی، جو مرزا تفتہ کے مربی تھے، معزول تو نہیں کر دیے گئے۔ اس خبر کے استفسار کیلئے مرزا تفتہ کو خط لکھا اور اوس میں ہدایت کی کہ

”واسطی خدا کی! نہ مختصر نہ سرمری بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا ہو، اور جو صورت ہو، مجھ کو لکھو، اور جلد لکھو، کہ مجھے خواب و خور حرام ہے۔ کل شام کو میں نے سنا۔ آج صبح قلعہ نہیں گیا، اور یہ خط لکھ کر از راہ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے۔ تم بھی اسکا جواب بیرنگ روانہ کرنا۔ آدھ آنا ایسی بڑی چیز نہیں۔ ڈاک کے لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتی ہیں، اور پوست پٹ پڑا رہتا ہے۔ جب اوس محلہ میں جانا ہوتا ہے تو اوسکو بھی لیجاؤ ہیں۔“ (۱)

» دستنبو « کی طباعت کے متعلق ضروری ہدایتیں بیرنگ خط میں لکھ کر فرماتے ہیں:

» واسطی ناکید کی بیرنگ بھیجا گیا۔ « (۲)

اسی طرح منشی حبیب اللہ خان ذکا کو ایک ضروری خط بیرنگ لکھ کر از راہ معذرت فرماتے ہیں:

» بھائی! یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ « (۳)

نواب فردوس مکان کی خدمت میں ایک عریضہ، جو اونکی والدہ ماجدہ کی تعزیت وفات کے متعلق تھا، ارسال کیا ہے، اور اوسکا جواب نہ پا کر دوسرا عریضہ بیرنگ ارسال کرتے ہوئے آخر میں از راہ معذرت لکھتے ہیں:

» پرسوں ایک قطعہ جناب بیگم صاحبہ و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچاگا۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں بھر لکھتا ہوں، اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ کرتا ہوں۔ « (۴)

میرزا صاحب پوسٹ پیسٹ خط کے ضایع ہو جانے کے اسدرجہ قابل تھے کہ جب اونہیں کوئی خط نہ ملتا تو وہ اسے ڈاکخانہ کی سہل انگاری پر محمول کر کے یہ لکھ دیا کرتے تھے کہ ڈاک میں ضایع ہو گیا ہوگا۔ اور اگر کسی دوست

سے جواب خط میں تاخیر ہوتی، یا انکے مرسلہ خط کا حوالہ نہوتا تو باور کر لیتے کہ خط ڈاک میں تلف ہو گیا۔ ممکن ہے اس وقت ڈاک کا محکمہ زیادہ منظم نہوا ہو۔ ورنہ اس زمانہ میں پوسٹ پیڈ خطوط ضایع ہوا کرین تو کاروبار عالم مختل ہو جائے، اور بالخصوص تجارت پیشہ حضرات گورنمنٹ کے اس مفید ترین محکمہ کے خلاف قانونی چارہ جوئیان کرنے لگیں۔

میرزا صاحب کا پتہ

اگرچہ باعتبار حسب و نسب میرزا صاحب دلی کے مشاہیر میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن اونکی وسیع و مسلسل مراسلت نے اس شہرت میں چار چاند لگا دیے تھے۔ اونکے پاس روزانہ ہندوستان اور بیرون ہند سے اردو، فارسی اور انگریزی خطوط آتے رہتے، جن میں سرکاری اور نجی ہر قسم کی تحریریں ہوتی تھیں۔ چونکہ اونکو شہر میں ہر شخص جانتا تھا، اسلئے اونکا خط دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کبھی ضایع نہوتا۔ اونکی ڈاکخانہ کی معروفیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پورے شہر دہلی میں وہ اپنے نام کے اعتبار سے وحدہ لاشریک تھے، اور ڈاکیا اسد اللہ خان غالب کا مسمی ایک ہی ذات کو جانتا تھا۔

میرزا صاحب کو اپنی اس شہرت و ناموری کا اس درجہ پاس تھا، کہ کوئی دوست یا شاگرد اونکے مکان کا پتہ دریافت کرتا، یا اونکے نام کے خط پر لانا چوڑا پتہ لکھ دیتا، تو وہ اس کو اپنی توہین خیال کرتے۔ چنانچہ ایکبار نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی نے مکان کا پتا دریافت کیا۔ میرزا صاحب نے برم ہو کر لکھا:

”سنو صاحب! حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے کہ وہ امر کو دوچار برس گھٹا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جوان ہے، لیکن بچہ سمجھتے ہیں۔ یہ حال تمہاری قوم کا ہے۔ قسم شرعی کہا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اوسکی عزت اور نام آوری جمہور کی نزدیک ثابت اور متحقق ہے، اور تم صاحب بھی جانتے ہو۔ مگر جب تک اوس سے قطع نظر نہ کرو، اور اوس مسخری کو گمنام و ذلیل نہ سمجھو تو تمکو چین نہ آئیگا۔ پچاس برس سے دلی میں

رہتا ہوں . ہزارہا خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں . بہت لوگ ایسی ہیں کہ محلہ نہیں لکھتی . بہت لوگ ایسی ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتی ہیں . حکام کے خطوط ، فارسی اور انگریزی ، یہاں تک کہ ولایت کی آتی ہو ، صرف شہر کا نام اور میرا نام . یہ سب مراتب تم جانتی ہو ، اور اوں خطوط کو تم دیکھ چکے ہو . اور پھر مجھے پڑھتی ہو کہ اپنا مسکن بتا . اگر میں تمہاری نزدیک امیر نہیں نہ سہی . اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں ، کہ جب تک محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتا نہ پائے . آپ صرف دہلی لکھکر میرا نام لکھ دیا کیجیے . خط کے پہنچنے کا میں ضامن ہوں . (۱)

قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی نے پتہ معلوم نہونیکی وجہ سے خط لکھنے میں تردد کا اظہار کیا . اونکو لکھتے ہیں :

”قبلہ ! آپ کو خط کے بھیجنے میں تردد کیوں ہوتا ہے ؟ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں . گاہ گاہ انگریزی بھی . اور ڈاک کے ہرکاری بھی میرا گھر جاتی ہیں . پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے . مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے . محلہ بھی ضرور نہیں . آپ ہی انصاف کریں ، کہ آپ لال کنواں لکھتی رہی ، اور مجھ کو بلیماروں میں خط پہنچتا رہا . خلاصہ یہ کہ خط آپکا کوئی تلف نہیں ہوا .“ (۲)

مولوی حبیب اللہ خان ذکا نے یکے بعد دیگرے دو نیازنامے بھیجے ، مگر میرزا صاحب کی طرف سے جواب نہ ملا . اونہوں نے اس کو دلی کے ڈاکخانہ کی غفلت پر محمول کر کے آخری خط بذریعہ رجسٹری ارسال کیا ، اور اوس میں جواب ندینے کی شکایت لکھی . اسکے جواب میں میرزا صاحب الفاضل و مطالب کے گل کھلاتے ہیں :

”و میری مشفق ! میری شفیق ! مجھے ہیج و پوچ کے ماننے والے ! مجھے ہیج و پوچ کے ماننے والے ! میری محب ! میری محبوب ! تمکو میری خبر بھی ہے ؟ آگے ناتوان تھا . اب نیمجان ہوں . آگے بہرا تھا . اب اندھا ہوا چاہتا ہوں . رامپور کے سفر کا رہ آؤد ہی رعشہ وضعف بھر . جہاں چار سطریں لکھیں ، انگلیاں نیڑھی ہو گئیں . حرف سوچھتی سے رہ گئی . اکثر برس جیا . بہت جیا . اب زندگی برسوں کی نہیں ، مہینوں کی اور دنوں کی ہے . پہلا خط تمہارا پہنچا دوسرا خط مع غزل آیا ... غزل بعد مشاہدہ تمکو بھیجی گئی ، اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو . کل ایک خط رجسٹری دار آیا . گویا ستارہ دنبالہ دار آیا . حیران کہ ماجرا کیا ہے ؟ باری کھولا اور دیکھا . خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور شکوہ های بیجا سے لبریز .“ (۳)

صاحب! میری نام کا خط جہان سے روانہ ہو وہیں رہ جاؤ تو رجائی۔ ورنہ دلی کے ڈاکخانہ میں پہنچ کر کیا حال ہو جو مجھے تک نہ پہنچے؟ اس طرح میرا خط یہاں کی ڈاکخانہ سے نہ روانہ ہو گیا مگر؟ جہان پہنچے وہاں کے ڈاک کے کارپردازوں کو اختیار ہے۔ مکتوب الیہ کو دین یا ندین۔ (۱)

مرزا تفتہ کو ایک خط میں صاف طور پر لکھ دیا ہے، کہ نامور آدمی کی واسطے محلہ کا پتہ ضرور نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

» بات یہ ہے کہ نامور آدمی کی واسطے محلہ کا پتا ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مگر فارسی انگریزی جو خط میری نام کی آتی ہیں تلف نہیں ہوتی۔ بعض فارسی خط پر پتا محلہ کا نہیں ہوتا، اور انگریزی خط پر تو مطلق پتا ہوتا ہی نہیں۔ شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے بجو آتی۔ جاز اونکی بلا کہ بلی ماروں کا محلہ کیا چیز ہے۔ (۲)

مولانا حاتم علی مہر کو تحریر کیا ہے:

» اور یہ بھی آپکو معلوم رہی، کہ میری خط کے برنامے پر محلہ کا نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام۔ قصہ تمام۔ (۳)

ایکبار میرزا صاحب نے مکان تبدیل کیا۔ مرزا تفتہ کو تردد ہوا کہ یہ مکان کس محلہ میں واقع ہے۔ اونکے اس تردد کے رفع کرنے کیلئے ارشاد ہوا ہے:

» یہ مکان بہ نسبت اوس مکان کے بہت ہے۔ اور یہ خوبی کے محلہ وہی بلیاروں کا۔ اگرچہ وہ بون کے میں اگر اور محلہ میں بھی جا رہتا تو قاصدان ڈاک وہیں پہنچتے۔ یعنی اب اکثر خطوط لال کنوی کے پتے سے آتے ہیں، اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہر حال تم وہی دلی، بلیاروں کا محلہ، لکھ کر خط بھیجا کرو۔ (۴)

تفتہ ہی کو دوبارہ لکھا تھا:

» میری نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جاز اوس پر کیا بھوک پڑا؟ (۵)

سید احمد حسن صاحب مودودی کی شکایت پر تحریر کیا ہے:

» میری نام کا لفافہ جس شہر سے چلی اوسی شہر کے ڈاک گھر میں رجائی تو رجائی۔ ورنہ دلی کے ڈاکخانہ میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو؟ (۶)

ایکبار میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کے نام خط لکھا۔ ڈاک کے غلطی سے کسی دوسرے میر مہدی کو جا دیا۔ مجروح نے میرزا صاحب کو اسکی اطلاع دی۔ اس اطلاع پر ارشاد ہوتا ہے:

(۱) اردو مغل، ص ۳۷ (۲) ایضاً، ص ۸۷ (۳) ایضاً، ص ۲۵۱
(۴) ایضاً، ص ۷۵ (۵) ایضاً، ص ۶۸ (۶) ایضاً، ص ۲۴۵

”وہ جو تم کو لکھا تھا کہ تیرا خط میری نام کا میری ہمنام کی ہاتھ جا پڑا۔“ صاحب قصور تمہارا ہو۔ کیونکہ ایسی شہر میں رہو جو جہان دوسرا میر مہدی بھی ہو؟ مجھ کو دیکھو کہ میں کب سی دلی میں رہتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہمنام ہونی دیا۔ نہ کوئی اپنا (م) عرف بنو دیا۔ نہ اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا۔“ (۱)

ابتداءً مراسلت میں نواب فردوس مکان کے فرامین جامع مسجد کے پتہ سے جاتے تھے۔ حالانکہ میرزا صاحب آٹھ سات برس سے بلیارون کے محلہ میں چلے آئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ فرامین میرزا صاحب کو ملتے رہے۔ جب خود انہیں نے سرکار کو لکھا کہ آئندہ اہل دفتر کو صحیح پتہ لکھنے کی ہدایت کر دیجائے، تب دوسرا پتہ لکھا گیا۔ میرزا صاحب فرماتے ہیں:

”دیران خاص بر عنوان نامہ های پیشین نشان کلبہ این درویش دلریش عقب مسجد جامع نبشته اند و من از ہفت ہشت سال در محلہ بلیاری مانم۔ سپس نشان این محلہ نگاشته شود۔“ (۲)



متعلقاتِ انشاء

اس بحث کے آخر میں بعض ایسے حالات کا تذکرہ بھی ضروری ہے ، جو بظاہر میرزا صاحب کے عادات و خصائل کی ایک کڑی معلوم ہوتے ہیں ، لیکن انکی انشا کی کیفیت و کمیت کے اندازہ کیلئے اونکا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں ، اور اس لئے اونہیں متعلقاتِ انشا کے عنوان سے ذکر کیا جا سکتا ہے ۔

جواب مین جلدی

خطوط کا جواب دینے میں میرزا صاحب بہت با ضابطہ تھے ۔ وہ یوں تو ہر خط کا جواب فوراً لکھتے ، اور غیر اختیاری عذر کے علاوہ کسی اور عذر کے پیش کرنے کا کبھی موقع نہ آنے دیتے ۔ لیکن ضروری و جواب طلب خط کے جواب میں یہی جلد بازی سے کام لیتے تھے ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ یہ جانتے ہوئے کہ اب ڈاک کا وقت گزر چکا ہے جواب لکھ لیتے اور مکتوب الیہ کو بتا دیتے کہ اس مجبوری کے سبب آج خط سپردِ ڈاک نہوسکا ۔ مثلاً بیخبر کو تحریر کیا ہے :

• جناب عالی ! آج دوشنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ کی ہو ۔ پیر دس چڑھا ہوگا غزودہ و دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا ... یا آئیکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھنی لگا ۔ (۱)

نواب انور الدولہ بہادر شفق کو لکھا ہے :

• خداوند نعمت ! آج دوشنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہو ۔ اسوقت کہ بارہ پر تین بھی مین عطوفت نامہ پہنچا ۔ اودھر پڑھا ادھر جواب لکھا ۔ ڈاک کا وقت نہ تھا ۔ خط کو معنون کر رکھتا ہوں ۔ کل شنبہ ۱۶ فروری کو ڈاک مین بھجوا دوں گا ۔ (۲)

نواب علاء الدین خان بہادر علائی کو لکھتے ہیں :

• آج یوم الخیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بجے تمہارا خط آیا . اودھر پڑھا ادھر جواب لکھ کر بیٹھا . (۱)

ایکبار میر مہدی مجروح کا خط صبح کی ڈاک سے موصول ہوا . میرزا صاحب نے اوسکا فوراً جواب لکھا اور اوس میں تحریر کیا :

• میں نے تجویز کر لیا تھا کہ جب کرنال سے خط آئیگا ، تو میں جواب لکھونگا . آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت ، ابھی کھانا پکا بھی نہیں ، تبرید پیکر بیٹھا تھا ، کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا . (۲)

انہیں کو لکھتے ہیں :

• اسوقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا . مجھ کو باتیں کرنے کا مزہ ملا ، تو دونوں کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا . اب میں روٹی کھاؤ جاتا ہوں . (۳)

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے :

• آج سنیچر بار کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا ، اور تمہارا خط لایا . میں نے پڑھا ، اور جواب لکھا ، اور کلیان کو دیا . وہ ڈاک کو لیگیا . خدا چاہی تو کل پہنچ جائے . (۴)

معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ ع تک ڈاک کا ہرکارہ خط تقسیم بھی کرتا تھا اور دلی سے باہر جانوالے خطوط جمع بھی کیا کرتا تھا . اسلئے کہ ایکبار مرزا تفتہ کا خط آیا . میرزا صاحب نے اوسکا جواب لکھ کر اوسوقت ہرکارہ کو دیا اور آخر میں لکھا :

• اسوقت تمہارا خط پہنچا ، اور اسوقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کی ہرکارہ کو دیا . (۵)

عذر تاخیر

چونکہ میرزا صاحب خطوط کا جواب باقاعدگی سے دیا کرتے تھے اس لئے اگر اونکا کوئی دوست اپنے نیازنامہ کا جواب نہ پانے کی شکایت لکھتا ، اور فی الحقیقت کسی وجہ سے جواب میں تاخیر ہو جاتی ، تو میرزا صاحب فوراً عذر تاخیر لکھ دیتے . لیکن اگر شکایت پا درہوا ہوتی تو اپنے اوپر کبھی ذمہ داری نہ لیتے اور صاف انکار کر دیتے . ایکبار میر احمد حسن

صاحب مودودی نے شکایت کی کہ آپ نے میرے کئی خطوں کا جواب نہیں بھیجا۔ اسکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :

”آپ کی کسی خط کا جواب میری ذمہ باقی نہیں ہو۔ دو یا تین جس خط کا جواب نہیں پہنچا اوسکو یہ سمجھی کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئی، اور میری پاس نہیں پہنچی۔“ (۱)

ایکبار اپنی عادت کے خلاف حاتم علی مہر کے خط کا جواب دوسرے دن لکھا، تو ساتھ ہی ساتھ تاخیر کی تلخی کو ظرافت کی چاشنی سے بدلنے کی بھی کوشش کی۔ فرماتے ہیں :

”بندہ پرور! آپ کا خط کل پہنچا۔ آج جواب لکھتا ہوں۔ داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں؟“ (۲)

اسی طرح میر مہدی مجروح کے خط کے جواب کو کئی دن کی دیر ہو گئی تو اونہیں لکھا :

”واہ واہ سید صاحب! تم تو بڑی عبارت آرائیان کر رہے لگی۔ نثر میں خود نمایان کر رہے لگی۔ کئی دن میں تمہاری خط کا جواب کی فکر میں ہوں۔ مگر جازئی فی حیض و حرکت کر دیا ہو۔ آج جو بسبب اب رہی کہ وہ مردی نہیں، تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہو۔“ (۳)

ایکبار مرزا حاتم علی مہر کو خط لکھا، اور بکس میں رکھ لیا۔ کئی دن کے بعد کھولا تو خط برآمد ہوا۔ اسکے متعلق اونہیں تحریر فرماتے ہیں :

”مرا بسادہ دلہای من توان بخشید * خطا نموده ام و چشم آفرین دارم
کل دو شبہ کا دن ۲۰ ستمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ لکھا، اور بیرنگ ڈاک میں بھیج دیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب میں آپ سے مانگتا ہوں، وہ نہیں پہنچا۔ کچھ شکوہ سے شرمندگی اور کچھ خط کی نہ پہنچی سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھل مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا۔ بکس میں سے وہ تمہاری نام کا خط نکل آیا۔ اب میں سمجھا کہ خط لکھ کر بھول گیا ہوں، اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔ اپنی نسیان کو لعنت کی اور چپ ہو رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔“ (۴)

ایک مرتبہ میرزا صاحب نے تفتہ کو خط لکھا۔ اونکی طرف سے جواب نہ ملا۔ بلکہ خط آیا تو اوٹلی خط نہ بھیجنے کی شکایت درج تھی۔ میرزا صاحب اسکے جواب میں لکھتے ہیں :

آج پنجشنبہ کو دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا، اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں۔ کیا تمنا ہے کہ تمہارا خط پہنچتا ہے، اور میرا خط نہیں پہنچتا؟ (۱)

لیٹو لیٹو لکھتے

میرزا صاحب کی وضع خطوط نویسی اسدرجہ پختہ ہو چکی تھی، کہ شدتِ مرض اور زیادتیِ ضعف کے باعث نشست و برخاست کی قوت نہونے کی حالت میں بھی جوابِ خط سے دوستوں کو محروم رکھنا گوارا نہ کرتے، اور لیٹے لیٹے جواب لکھتے تھے۔ چنانچہ ایکبار فروری سنہ ۱۸۵۴ ع میں تب و لرزہ کا شدید دورہ ہوا۔ ابھی مرض کی شدت باقی تھی کہ مرزا تفتہ کا خط آگیا۔ میرزا صاحب نے اوسی حالتِ ضعف میں جواب دیا، اور اوس میں لکھا:

دین چار دن می لرزی میں مبتلا ہوں... اتنی سطرین مجھ می ہزار جر ثقیل لکھی گئی ہیں (۲)

صاحبِ عالم صاحب مارہروی کو بحالتِ بیماری لکھا ہے:

د جو کچھ لکھنا ہوتا ہی وہ بھی اکثر لیٹو لیٹو لکھتا ہوں (۳)

اسی طرح ایک مرتبہ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کا خط آیا، تو میرزا صاحب کو اوٹھنا بیٹھنا دشوار تھا۔ لیکن اوسی حالت میں جواب لکھ کر آخر میں فرمایا:

بارہ پر دو بھی ہرکارہ نہ آپ کا خط دیا۔ ہلنگ پر پڑی خط پڑھا، اور اوس طرح جواب لکھا (۴)

سنہ ۱۸۶۲ ع میں تقریباً سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا، اور بالخصوص سیدھے ہاتھ کے پھوڑے کی تکلیف سے روح تحلیل ہونی جاتی تھی؛ لیکن اس حالت میں بھی خطوں کے جوابات برابر بھیجتے رہے۔ چودھری عبد الغفور سرور کو لکھتے ہیں:

د اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف۔ خطوط ضروری لیٹو لیٹو لکھتا ہوں۔ دو خط چودھری

(۱) اردوی مغل، ص ۷۰ (۲) ایضاً، ص ۷۸ (۳) ایضاً، ص ۲۰۳ (۴) عود ہندی، ص ۱۷۴
ش — مکاتیب غالب

صاحب کی آؤ، اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور دو خط حضرت صاحب کی آؤ۔ جواب نہ لکھ سکا۔ آج بچہ کو طفی دیکر مرد بنایا جب یہ عبارت لکھی (۱) انہیں کے ایک خط میں اشعار کے حسن و قبح کا معیار بتاتے ہوئے آتش و ناسخ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن استشہاد میں انکا کوئی شعر یاد نہیں آتا تو کہتے ہیں :

» یاد کیا آؤی۔ لبثا ہوا ہون۔ دمبدم بانو کو ورم کی ٹیس ہوش اوزاؤ دیتی ہو۔
انا لله وانا الیہ راجعون ! « (۲)

اسی زمانہ میں مرزا تقیہ کو لکھا ہے :

» میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجاؤ تو اوٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹی لیٹی خط لکھتا ہوں۔ « (۳)

ضعف کی سبب مراسلت میں کمی

لیکن جب بوجہ پیرانہ سالی میرزا صاحب کا ضعف روز افزوں ہونے لگا، تو مجبوراً مراسلت میں کمی کرنی پڑی۔ تاہم اس حالت میں یہ کبھی نہوا کہ کسی جواب طلب خط کا جواب نہ دیا ہو۔ ہاتھ میں رعشہ اور بینائی میں نقصان آجانے کے بعد اخبارات میں اپنی اس حالت کا اعلان کر کے ارباب ادب سے التجا کی تھی کہ آئندہ جواب خط اور اصلاح اشعار سے معاف رکھے جائیں۔ لیکن اسپر بھی برابر خطوط چلے آتے تھے۔ اس زمانہ میں میرزا صاحب کسی بے تکلف دوست کے منتظر رہتے۔ جب ایسا دوست آجاتا، اوس سے جواب لکھا دیتے۔ ایکبار مرزا شمشاد علی بیگ رضوان نے کوتاہ قلبی کی شکایت کی۔ اسکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :

» مرزا ! رسم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہو۔ تحریر کا تارک نہیں ہوں، بلکہ متروک ہوں.... اگر تمہاری خط کا جواب نہ لکھوں تو محلِ ترحم ہو نہ مقام شکایت « (۴)

اپریل سنہ ۱۸۶۶ ع میں سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں :

» پیر و مرشد ! آپ کو میری حال کی بھی خبر ہو۔ ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا قور پڑا۔ حواس مختل ہو گئے۔ جہالتک ہوسکا احباب کی خدمت بچا لایا۔

اوراق اشعار لیٹی لیٹی دیکھتا تھا، اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سو اچھی طرح سوچھی، نہ ہاتھ سی اچھی طرح لکھا جاتی۔ کتنی مہین کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو بسبب کبر سن کی خداؤ فرض اور پیمبرؐ کی سنت معاف کردی تھی۔ مہین متوقع ہوں کہ میری دوست خدمت اصلاح اشعار مجھے معاف کر دیں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت میں ہو سکیگا لکھ دیا کرونگا۔ زیادہ حد ادب۔ (۱)

مولوی حبیب اللہ خان دکانے کیفیتِ مزاج دریافت کی تو اسپر در افشانی فرماتے ہیں :

”تم میری بات پوچھتی ہو۔ مگر میں کیا لکھوں؟ ہاتھ میں رعشہ۔ انگلیاں کھنوں میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زایل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہو، تو اوس میں خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔“ (۲)

جون سنہ ۱۸۶۷ ع میں میان داد خان سیاح کو اپنی حالت لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

”میرا حال اسی میں جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹی لیٹی لکھتا تھا۔ اب رعشہ و ضعف بصارت کی سبب میں وہ بھی نہیں ہو سکتا۔“ (۳)

انہیں کو اگست سنہ ۶۷ ع میں لکھا ہے :

”آگے میں لیٹی لیٹی کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رعشہ۔ آنکھوں میں ضعف بصر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہو تو اوس میں جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بھائی ! میں تو اب کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والی میرا حال کیا جانیں؟ ہاں اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والی کہ یہ بیان کر رہی والی ہیں، اور مجھے ملتی رہتی ہیں۔ سو اونکی اخبار میں میں نے اپنا حال مفصل چھپوا دیا ہے۔ اور اوس میں میں نے عذر چاہا خطوط کی جواب میں اور اشعار کی اصلاح میں۔ اوس پر کسی فی عمل نکلیا۔ اب تک ہر طرف میں خطوط کی جواب کا تقاضا اور اشعار اصلاحات کی چلی آتی ہیں، اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا، اباہج، پورا بہرا، آدھا اندھا۔ ذرات پڑا رہتا ہوں۔“ (۴)

نواب میر غلام بابا خان بہادر نے کبھی کبھی اطلاعِ خیریت کی خواہش کی تھی۔ اونہیں ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع کو لکھتے ہیں :

”آپ جو فرماتی ہیں کہ تو اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کر۔ آگے اتنی طاقت باقی نہیں، کہ لیٹی لیٹی کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی۔ ہاتھ میں رعشہ

پیدا ہو گیا۔ بینائی ضعیف ہو گئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا مقدر نہیں۔ عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آگئے تو میں مطلب کہتا گیا وہ لکھنے لگے۔ (۱)
سید احمد حسن صاحب کو کسی دوست نے اطلاع دی کہ اب میرزا صاحب کو افاقہ ہے۔ انہوں نے میرزا صاحب سے اسکی تصدیق چاہی۔ اس پر تحریر فرماتے ہیں:

”وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقہ ہے سو عرض غلط ہے۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیمجان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں، وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ (۲)
اپنی اس مجبوری کے زمانہ میں میرزا صاحب دوستوں اور شاگردوں کے خطوط کی طرح اعزہ کے خطوط کا جواب بھی بمشکل دیا کرتے تھے۔ نواب زین العابدین خان عارف کے بڑے لڑکے باقر علیخان کامل کو پوتوں کی طرح پالا تھا۔ وہ روزگار کی تلاش میں الور گئے۔ دلی میں بیوی اور ایک بچی چھوڑ گئے تھے۔ میرزا صاحب سے امید تھی کہ اپنی اور بہو اور پوتی کی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے۔ لیکن میرزا صاحب، جواب معذور ہو چکے تھے، اونکو بھی تاخیر سے جواب دیتے تھے۔ ایکبار انہوں نے شکایت کی۔ میرزا صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:

”مجھے جو تم گلہ کرتے ہو خط کی نہ بھیجی کا۔ بھائی! اب میری اونگلیاں نکلی ہو گئی ہیں، اور بصارت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ دو سطریں نہیں لکھ سکتا۔ اطراف و جوانب کی خطوط آتی ہوں دھری رہتی ہیں۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے میں اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ پرسوں کا تمہارا خط آیا ہوا دھرا تھا۔ اب اسوقت مرزا یوسف علیخان آگئے۔ میں نے اونی یہ خط لکھوا دیا۔ (۳)



طباعتِ خطوط

میرزا صاحب کی ممانعت

سب سے پہلے منشی شیو نراین اکبر آبادی اور ہرگوپال تفتہ کو میرزا صاحب کے خطوط کی طباعت کا خیال پیدا ہوا۔ ان دونوں نے علیحدہ علیحدہ میرزا صاحب کو اپنی تجویز سے مطلع کر کے اشاعت کی اجازت چاہی۔ لیکن اوس عہد تک مراسلت میں انشا پردازی کے تمام اصول و ضوابط کا لحاظ ضروری شمار ہوتا تھا، اور میرزا صاحب کے خیال میں زبانِ اردو کے لئے اس بارِ گران کا تحمل دشوار تھا۔ چنانچہ ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب کی فرمائشِ اردو کے جواب میں انھوں نے یہی لکھ دیا تھا، کہ اس زبان میں زورِ قلم صرف کر کے معافی نازک پیدا کرنا اور اس طرح اپنا کمال انشا ظاہر کرنا مشکل ہے۔ اس میں گنجائش عبارتِ آرائی کہاں جو کوشش کی جائے؟ لہذا مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔^(۱) علاوہ ازیں انھوں نے اردو مراسلت کاوش پڑوہی سے بچنے کیلئے شروع کی تھی، اور اسوجہ سے کبھی قلم سنبھالکر اور دل لگا کر کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ان یارانِ باصفا کی تجویز منظور کر لینے میں خطرہ ہوا کہ کہیں کمالِ انشائی فارسی کے مداح اردو نثر دیکھکر شکوہِ سخنوری پر نکتہ چینی نہ کرنے لگیں، اور اردو کا یہ پھیکا پکوان فارسی کی اونچی دوکان کی شہرت پر دھبا نہ لگا دے۔ اسلئے ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو منشی شیو نراین اکبر آبادی کو جواباً لکھا:

اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زاید بات ہے۔ کوئی رقمہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھالکر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریرِ مرسری ہے۔ اوسکی

(۱) اردو مغل، ص ۳۶۳ و ۳۶۶ و ۳۶۷ پر وہ خطوط ملاحظہ ہوں جن میں میرزا صاحب نے اردو نثر لکھنے کی انکار کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس انکار کے وجوہ بھی بتائے ہیں۔

شہرت میری بخوری کی شکوہ کی منافی ہو . اس سے قطع نظر کیا ضرور ہو کہ ہماری آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں ؟ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میری خلاف طبع ہو . (۱) اسی اثنا میں مرزا تفتہ کا پرزور نیازنامہ آیا . اوسکو پڑھکر ۲۰ نومبر سنہ ۵۸ ع کو ادھر منشی شیو نراین کو لکھا :

» رقموں کی چھاپہ کی باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں . البتہ اس باب میں میری رائے پر تمکو اور مرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہو . (۱)

اور اوسطرف مرزا تفتہ کی ہٹ کے جواب میں مشفقانہ تحریر کیا :

» رقعات کی چھاپہ جانی میں ہماری خوشی نہیں ہو . لڑکوں کی سی ضد نکرو . اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہو تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو . تمکو اختیار ہو . یہ امر میری خلاف رائے ہو . (۲)

اسکے بعد ان دونوں نے طباعتِ مکاتیب کے سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا . جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے ارادۂ طباعت فسخ کر دیا تھا .

مکتوبات غالب کا پہلا مجموعہ . مہر غالب ✓

اس واقعہ کے دو سال بعد سنہ ۱۲۷۸ ھ (۱۸۶۱ ع) میں چودھری عبد الغفور سرور مارہروی اور منشی ممتاز علیخان رئیس میرٹھ نے میرزا صاحب کی اجازت حاصل کئے بغیر اُن خطوط کی طباعت کا تہیا کیا ، جو سرور کے نام میرزا صاحب نے لکھے تھے . ترتیب کا کام سرور کے سپرد ہوا اور طباعت کا ذمہ ، ممتاز علیخان نے لیا . مجموعہ کا سرور نے » مہر غالب « نام رکھا اور اوسکے دیباچہ میں لکھا : (۳)

» ارباب علوم کو معلوم ہو کہ میں انکسار ظہور ، عبد الغفور متخلص بہ سرور ، مارہروی بدو شعور سے اہل سخن کا طالب اور صاحب کمال کا خواہان تھا . جب کلام بلاغت نظام رشک صائب ، نضر طالب ، جناب اسد اللہ خان صاحب غالب کا دیکھا ، دل کو بھایا . یکتا پایا . ترسیل

(۱) اردوی معلی ، ص ۳۶۱ (۲) ایضاً ص ۱۰۵

(۳) اگرچہ سرور نے سنہ ۱۸۶۱ ع میں میرزا صاحب کے خطوط مرتب کر لیے تھے . لیکن دیباچہ لکھنے کی نوبت سنہ ۱۸۶۳ ع میں آئی ، جب کہ کتاب پریس کو جا رہی تھی . اسلئے کہ عود ہندی (ص ۴۷) میں میرزا صاحب کا ایک خط اس دیباچہ کی تعریف میں درج ہو ، جو اسلئے سنہ ۱۸۶۳ ع کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہو کہ اس میں میرزا صاحب نے ماقبل مکتوب کا حوالہ دیا ہو ، اور ماقبل کا خط کثرت شور و اورام کی داستان پر مشتمل ہو ، جو سنہ مذکورہ کا واقعہ ہو .

مراسلات میں قدم بڑھایا۔ ہر کتابت کا جواب آیا۔ جو نامہ کہ بنام میری بعبارت اردو تحریر کیا، مکتوب سادہ رویوں سے دلربا تر، اور ہر سطر اوسکی سلسلہ مویوں سے تاب فرساز یادہ ہو۔ جس آنکھ نے دیکھا وہ بینا ہو۔ جس کان نے سنا وہ شنوا ہو۔ پس تنہا مثلذ ہونا اور آپ ہی آپ مرزا اونھانا خلاف انصاف جانا۔ دل مایل تمام بہت عام ہوا۔ اور ہنوز یہ قصد ناتمام تھا، کہ بحسن اتفاق غر زمان، وحید دوران، جناب ممتاز علیخان صاحب متوطن میرٹھ ... رونق افزای مارہرہ ہوی ... ایک روز محفل مدوح میں ذکر ہمہ ذاتی و شیوہ بیانی جناب استاد ی و مخدومی درمیان آیا۔ ارشاد کیا کہ کلام مرزا صاحب نسیم جانفزا اور نسیم دلکش ہو۔ فارسی کا کیا کہنا! اردو بھی یکتا ہو۔ نظم و نثر فارسی تو علی بحلیہ انطباع ہوا۔ لیکن نثر اردو زیور طبع سے عاری رہا۔ اگر وہ خطوط کہ بنام تمھاری آئی اور تم نے سنائی ہیں جمع کرو تو میں اوسکی انطباع کا بیڑا اونھانا ہوں۔ اس تقریر سے نسیم تاثیر نے غنچہ دل کھلایا۔ منشی خاطر ظہور میں آیا۔ وہ مکتوب کہ بنام میری آئی تھی ترتیب دی۔ گویا جواہر و بہا کاں قلدان سے نکالکر کشتی اوراق میں جمع کئی۔ چونکہ محبت جناب غالب میری حال پر بہت غالب ہو، لہذا نام اس انشا کا "میر غالب" (بکرمیم) مناسب ہو۔ سال ختم تالیف بھی اس نام سے مطابق پایا۔ (۱)

یہ تجویز پاس ہوگئی اور منشی ممتاز علی خان صاحب میرٹھ چلے آئے۔ لیکن ابھی طباعت شروع نہوئی تھی کہ اونھیں خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب کے مزید رقعات تلاش کر کے اس مجموعہ میں شامل کئے جائیں۔ اس خیال کی تکمیل میں قدرت نے امداد کی اور اونھیں ایک اور مجموعہ کا پتہ چلا، جو میرزا صاحب کے علم و امداد سے مرتب کیا جا رہا تھا۔

مکاتیب غالب کا دوسرا مجموعہ

یہ مجموعہ منشی غلام غوث خان بہادر بیخبر مرتب کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنے ارادہ کی اطلاع میرزا صاحب کو پہلے سے دیدی تھی، اور یہ خواہش کی تھی، کہ اون تمام خطوں کی نقول بھی مہیا کر دیں، جو دوسرے احباب اور شاگردوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ میرزا صاحب نے اس التماس کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن اوسوقت تک اونکا یہ خیال تھا کہ صرف وہ خط مرتب کیے جائیں، جن میں کوئی ادبی خوبی ہو۔ روزمرہ

کی نجی ضروریات پر مشتمل خطون کو خارج کر دیا جائے۔ اسلئے بیخبر کو جواب میں لکھا تھا :

”آپ کو معلوم رہو کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفیٰ خان حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا۔ ہاں ذکا کو غزل اصلاحی کی ہر شعر کی تحت میں منشاء اصلاح می آگہی دیجانی تھی۔ نواب صاحب کو یوں لکھا جاتا ہے : ”کہار آیا۔ خط لایا۔ آم پہنچی۔ کچھ بانڈ۔ کچھ کھاڑی۔ بچوں کو دعا۔ بچوں کی بندگی۔ مولوی الطاف حسین صاحب کو سلام۔“ یہ تحریر اس ہفتہ میں گئی تھی۔ غرضکہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب یہ عبارت جو تمکو لکھ رہا ہوں یہ لائق شوق مجموعہ نثر اردو کہانت ہے ؟ یقین جانتا ہوں کہ ایسی نثرون کو آپ خود نہ درج کریں گے۔“ (۱)

اسی زمانہ میں مولوی عبد الغفور خان بہادر نسخ کو ایک خط لکھا تھا۔ اوسکی نقل بیخبر کو روانہ کرتے ہوئے تمہیداً تحریر کرتے ہیں :

”پیر و مرشد ! کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں۔ مولوی عبد الغفور خان اونکا نام اور نسخ اونکا تخلص ہے۔ میری اونکی ملاقات نہیں۔ اوانہوں نے اپنا دیوان چھاپنے کا موسم بہ ”دفتریمثال“ مجھکو بھیجا۔ اوسکی رسید میں یہ خط میں نے اونکو لکھا۔ چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کی لائق ہے، آپ کی پاس ارسال کرنا ہوں۔“ (۲)

لیکن ان نجی خطون کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ بیخبر نے اونکے اس مشورہ کو نہ مانا، اور ہر قسم کے خط شامل مجموعہ کر لیئے۔

مقام طباعت

میرزا صاحب کا خیال تھا کہ بیخبر اس مجموعہ کو الہ آباد میں، جہاں وہ مقیم تھے، طبع کرائیں گے۔ اسلئے ایک انگریز کے استفسار کے سلسلہ میں بیخبر کو لکھا :

”جناب کیمس صاحب بہادر افسر مدارس غرب و شمال کا باوجود عدم تعارف خط مجھکو آیا۔ کچھ اردو زبان کو ظہور کا حال پوچھا تھا۔ اوسکا جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی۔ مجموعہ نظم بھیج دیا۔ نثر کی باب میں تمہارا نام نہیں لکھا۔ مگر یہ لکھا کہ الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا ہے۔ بعد انطباع و حصول اطلاع وہاں سے مگا کر بھیج دوں گا۔“ (۳)

مگر بیخبر نے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھا کہ منشی ممتاز علیخان رئیس میرٹھ نے اپنے مطبع میں طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ میرزا صاحب ان بزرگ سے واقف تھے، اسلئے بیخبر کی اس خبر پر اطمینان ظاہر کیا، اور جب بیخبر نے دوبارہ اونکا ذکر کیا تو تحریر فرمایا:

حضرت پرو مرشد! اس سے آگے آپکو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علیخان صاحب سے میری ملاقات ہو، اور وہ میری دوست ہیں۔ (۱)

طباعت میں تاخیر

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے مکاتیب کی جمع و ترتیب کا کام سنہ ۶۱ ع میں شروع کیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب الیہم میں سے جو بزرگ خود اونکے دوست تھے اونسے براہ راست، اور جنکی خدمت میں خود نیاز حاصل نہ تھا اونسے بتوسط غالب خطوط کی نقلین مہیا کیں، اور سنہ ۶۵ ع میں یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ لیکن میرزا صاحب نے، جو سنہ ۶۳ ع کے بعد سے طباعت کا انتظار کرنے لگے تھے، آخر کار مجبور ہو کر تقاضا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک خط کے آخر میں بیخبر کو لکھا ہے:

اور مان حضرت! وہ مجموعہ چھپ گا بالفتح یا چھپ گا بالضم۔ چھپ چکا ہو تو حق التصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علیخان صاحب کی ہمت اقتضا کری فقیر کو بھیجی۔ (۲)

اجاب کی تقاضی

اس مجموعہ کی ترتیب میں مختلف اصحاب کے پاس سے خطوط کی نقلین منگائی گئی تھیں۔ اسلئے پبلک میں کافی شہرت ہو چکی تھی۔ جب اشاعت میں زیادہ تاخیر ہو گئی تو میرزا صاحب کے پاس تقاضے کے خطوط آنے لگے۔ ان تقاضوں سے پریشان ہو کر میرزا صاحب نے ۷ مارچ سنہ ۱۸۶۶ ع کو بیخبر کے نام حسب ذیل خط لکھا:

مان حضرت! کہی۔ منشی ممتاز علیخان کی سنی بھی مشکور ہوگی؟ وہ مجموعہ اردو

چھپا گا یا چھپا ہی رہیگا؟ احباب اوسکو طالب ہیں . بلکہ بعض نے طلب کو بسرحد تقاضا پہنچا دیا ہو . (۱)

پنجاب احاطی کی مانگ

ان تقاضا کر نیوالے احباب میں سب سے زیادہ حصہ زندہ دلان پنجاب نے لیا تھا . ان سے مجبور ہو کر میرزا صاحب نے منشی ممتاز علیخان صاحب کو ملزم ٹھراتے ہوئے پیخبر کو تحریر کیا :

• اچی حضرت ! یہ منشی ممتاز علیخان کیا کر رہی ہیں ؟ رقم جمع کئی اور نہ چھپوائی . فی الحال پنجاب احاطہ میں اونکی بڑی خواہش ہو . جانتا ہوں کہ وہ آپکو کہاں ملین گے جو آپ اون سے کہیں . مگر یہ تو حضرت کی اختیار میں ہو کہ جتنی میری خطوط آپکو پہنچی ہیں وہ سب یا اون سب کی نقل بطریق پارسل آپ بھجو بھیج دیں . جی یوں چاہتا ہو کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو . (۲)

میرزا صاحب کا دیباچہ

غالباً اس کے جواب میں خواجہ غلام غوث خان بہادر پیخبر نے میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ مجموعہ نثر اردو کیلئے دیباچہ لکھ کر روانہ فرمائیں تو کتاب پریس کو بھیجی جائے . اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے تحریر کیا :

• میں صاحب فراش ہوں . اونٹنا بیٹھنا ناممکن ہو . خطوط ایٹی ایٹی لکھتا ہوں . اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں ؟ (۳)

پیخبر نے اسکے بعد بھی دیباچہ لکھنے کی درخواست کی تو اونہیں ظریفانہ انداز میں لکھا :

• بندہ پرور ! اگر ایک بندہ قدیم ، کہ عمر بھر فرمان پزیر رہا ہو ، بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لاری تو مجرم نہیں ہو جاتا . مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میری لکھی ہوئی دیباچہ پر موقوف ہو ، تو اوس مجموعہ کا چھپ جانا بالفج میں نہیں چاہتا ، بلکہ چھپ جانا بالاضم چاہتا ہوں . سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

رسم است کہ مالکان تحریر * آزاد کنند بندہ پیر

آپ بھی اوسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں . بھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتی ؟ (۴)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے میرزا صاحب کا عذر تسلیم کر کے اپنے جمع کردہ خطوط منشی ممتاز علیخان صاحب کے پاس بھیج دیے۔ منشی صاحب نے چودھری عبد الغفور سرور اور خواجہ صاحب کے مجموعہ ہی مکاتیب کو یکجا کر کے "عود ہندی" نام رکھا، اور خود دیباچہ لکھ کر

جمع و ترتیب میں سعی کرنیوالے اصحاب کی محنت کی اس طرح داد دی :

مر... نجم الدولہ اسد افہ خان بہادر غالب، جنکی ذات بالکالات محتاج تعریف نہیں... سارا ہند اونہیں جانتا ہو۔ ایران تک اونکی جادویانی کا چرچا ہو۔ بھی مدت سی اسکا خیال تھا کہ فارسی تصنیفین تو اونکی بہت مرتب ہوئیں، اور چھاپی گئیں... مگر کلام اردو نے سوائے ایک دیوان کے ترتیب نہ پائی۔ یہ دولت ارباب شوق کے ہاتھ نہ آئی۔ حالانکہ نثر اردو اونکی اوروں کی فارسی سے ہزار درجہ بہتر ہو۔ یہ سلاست بیان، یہ شستگی زبان، روزمرہ کی صفائی، اداؤں کی شوخی، کسی کو کب میسر ہو؟ اوسو بھی ترتیب دیجو۔ قدر دانوں پر احسان کیجیو۔ میری عنایت فرما اور مرزا صاحب کی شاگرد یکتا چودھری عبد الغفور صاحب سرور تخلص سے یہ ذکر آیا، تو اونہوں نے جستہ خطوط مرزا صاحب کے اونکی نام آئی تھی، سب کو ایک جا کر کے اور اوسپر ایک دیباچہ لکھ کر، وہ مجموعہ عنایت کیا۔ عرصہ تک سرگرم تلاش رہا۔ جا بجا سے اور تحریریں مرزا صاحب کی ہم پہچانیں۔ بڑی محنت اونٹھائی، تب تمنا برآئی، اور مجموعہ مرتب ہوا۔ آج پورا اپنا مطلب ہوا۔ //

خواجہ غلام غوث خانصاحب بہادر بیخبر تخلص، جو نواب علی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی کے میر منشی اور میری مخدوم خاص اور حضرت غالب صاحب کے تخلص با اختصاص ہیں۔ اس تلاش میں میری معین اور مددگار رہی۔ بہت کچھ ذخیرہ اونکی بدولت ہم پہنچا۔

اس کتاب کی دو فصل اور ایک خانہ ہو۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کیے ہوئے خطوط اور اونکا لکھا ہوا دیباچہ، دوسری فصل میں میری جمع کیے ہوئے رقعات، اور خانہ میں چند نثریں ہیں، جو جناب غالب نے اوروں کے کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں۔ "عود ہندی" اس کتاب کا نام ہو۔ (۱)

شہر میرٹھ میں طبع کیا۔ کتاب ۱۸۸ صفحوں پر تمام ہوئی۔ خاتمہ حکیم غلام مولانا قلق میرٹھی نے لکھا۔ آخر میں چار تاریخی قطعے اضافہ کیے گئے۔ ان میں ایک قلق کا، ایک اونکے شاگرد منشی عبد الحکیم محو میرٹھی کا، اور بقیہ دو غالباً خود منشی ممتاز علیخان صاحب کے ہیں۔

ان قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۵ ہجری میں طباعت پایہ تکمیل کو پہنچی۔ آخری صفحے کے نچلے گوشہ میں ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ ہجری درج ہے، جس سے تاریخ و ماہ بھی متعین ہو جاتے ہیں۔

میور صاحب کی نذر

آخری قطعہ کے مطالعہ سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے، کہ منشی ممتاز علیخان نے میور صاحب (غالباً سر ولیم میور گورنر ممالک مغربی و شمالی) کی خدمت میں عود کا مطبوعہ نسخہ نذر گزارا تھا۔ سر ولیم میور علوم مشرقیہ کے عالم تھے۔ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے، جو عود ہندی کی جمع و ترتیب میں برابر کے شریک تھے، طابع کو مشورہ دیا ہوگا کہ مطبوعہ نسخہ صوبہ کے اعلیٰ حاکم کے نام معنون کر کے اوسکے نشر و اشاعت کی تکمیل پر مہر توثیق ثبت کریں۔ اوس زمانہ میں اردو زبان میں ایسی نادر کتابیں معدودے چند شایع ہوئی تھیں۔ گورنمنٹ بعض سیاسی مصالح کے ماتحت نئی مفید کتابوں کی اشاعت میں انعام کے نام سے یا امداد طبع کھکر اخراجات کا بار اوٹھا لیا کرتی تھی۔ اسلئے بعید نہیں کہ منشی صاحب کو بھی کچھ روپیہ مل گیا ہو۔

میرزا صاحب کا حق تصذیب

ایکبار میرزا صاحب نے کتاب کی فوری اشاعت کا تقاضا کر تے ہوئے بیخبر کو لکھا تھا :

داور هان حضرت! وه مجموعه چهیگا بالفنچ با چهیگا بالهنم۔ چهپ چکا هو تو حق

التصیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علیخان صاحب کی مت اقتضا کری فقیر کو بھیجی . (۱۱) یہ امر یقینی ہے کہ عودِ ہندی میرزا صاحب کی زندگی میں شایع ہوئی . اس لئے بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے حق التصیف حاصل کیا ہوگا . لیکن اونکے مکاتیب میں اسکی طباعت یا حق التصیف کے نسخوں کی وصولیابی کا مطلق ذکر نہیں پایا جاتا . بنابرین اس بارہ میں کسی قطعی رای کا اظہار غیر مناسب ہے .

عود کی رقعات کی تعداد

عودِ ہندی کے کل رقعات کی تعداد ۱۶۲ ہے . ان میں ۲۵ چودھری عبد الغفور سرور کے نام ، ۲ صاحب عالم مارہروی کے نام ، ۲ شاہ عالم مارہروی کے نام ، ۲۰ نواب انور الدولہ بہادر شفق کے نام ، ۲ یوسف علیخان عزیز کے نام ، ۳۱ میر مہدی مجروح کے نام ، ۱ میر سرفراز حسین کے نام ، ۱ میرزا علاء الدینخان بہادر علائی کے نام ، ۱ مرزا تفتہ کے نام ، ۱۸ مرزا حاتم علی مہر کے نام ، ۲۵ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کے نام ، ۱ مولوی عبد الغفور خان نساخ کے نام ، ۱ ظہیر الدینخان کیطرف سے اونکے چچا کے نام ، ۱ نواب مصطفی خان شیفتہ کے نام ، ۱ نواب مردان علیخان رعنا کے نام ، ۱ مرزا رحیم بیگ کے نام ، ۱۰ مولوی عبد الرزاق شاکر کے نام ، ۱۵ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے نام ، ۱ مولوی عزیز الدین کے نام ، ۱ سید محمد عباس صاحب کے نام اور ۱ منشی غلام بسم اللہ صاحب کے نام ہے .

ان خطوط کے علاوہ دو تقریظیں ، مرزا حاتم علی مہر کی مثنوی کی تقریظ اور رجب علی بیگ سرور کی گلزار سرور کی تقریظ ، اور تین دیاچے ، حدائق الانظار کا دیاچہ ، قواعد تذکیر و تانیث کا دیاچہ ، اور مرزا کلب حسین خان بہادر کے مجموعہ قصاید کا دیاچہ بھی کتاب میں شامل ہیں . نیز

ایک خطِ پیخبر کا بھی درج کیا گیا ہے، جو میرزا صاحب کے خط کا جواب تھا اور اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے منشی ممتاز علیخان بہادر کی نظر میں شاملِ مجموعہ ہونے کے قابل تھا۔

مکاتیب غالب کا تیسرا مجموعہ

ابھی عودِ ہندی طبع ہونے نہ پائی تھی، کہ اطرافِ ہند سے میرزا صاحب کے مجموعہ خطوط کی مانگ شروع ہو گئی۔ میرزا صاحب نے خواجہ غلام غوث خان بہادر کو اونکے مرتب کردہ مجموعہ کی طباعت کے متعلق بار بار لکھا۔ لیکن جب سال پر سال گزرنے لگا اور کسی طرح کتاب نہ چھپی، تو انہیں اوسکی طباعت کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ احبابِ دہلی نے یہ دیکھ کر، کہ میرٹھ اس ادبی انقلاب میں پہلا قدم اٹھانے سے قاصر نظر آتا ہے، تمہا کیا کہ اس شرف کو خود حاصل کریں، اور مانگِ اکمل المطابع دہلی کو اخراجاتِ طباعت برداشت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اب خطوط کی فراہمی کا مسئلہ باقی رہتا تھا۔ وہ اس طرح حل ہو گیا کہ خود میرزا صاحب، جو اپنی انشا کی حقیقی قدر و قیمت اور بازاری مانگ سے باخبر ہو چکے تھے، اس میں ہاتھ بٹانے کیلئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ چاروں طرف اصل خطوط یا اونکے نقول کی طلب میں خطوط لکھے گئے، اور رفتہ رفتہ کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں خود میرزا صاحب نے جن احباب کو لکھا اون میں سے نواب علاء الدین خان بہادر علائی کے متعلق دستاویزی ثبوت موجود ہے۔ بقیہ اصحاب نے میرزا صاحب کے تقاضائی خطوط کی نقلیں نہیں بھیجیں۔ اسلئے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون بزرگ تھے جنہیں خود میرزا صاحب نے ارسالِ نقول کیلئے لکھا تھا۔

نواب علاء الدین خان بہادر کو سب سے پہلا خطوط طلبِ مکتوب اونکے لوہارو پہنچنے کے بعد لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :

مقصود ان سطور کی تحریر سی یہ ہے کہ مطبع اکل المطابع میں چند احباب میری مسودات اردو کی جمع کرنے پر اور اوسکی چھپوانی پر آمادہ ہوئے ہیں۔ مجھے مسودات مانگی ہیں، اور اطراف و جوانب سے بھی فراہم کیے ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا۔ جو لکھا وہ جہان بھیجتا ہو وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میری تمہاری پاس بہت ہونگا۔ اگر اونکا ایک پارسل بنا کر بسیل ڈاک بھیج دو گے، یا آج کل میں کوئی ادھر آئیوالا ہو اوسکو دیدو گے، تو موجب میری خوشی کا ہوگا، اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اوسکی چھاپڑ جائز ہے تم بھی خوش ہو گے۔ (۱)

نواب علاء الدین خان بہادر نے اس خواہش کی تکمیل میں پس و پیش کیا۔ میرزا صاحب نے سمجھا کہ غالباً نواب صاحب نجی معاملات کی اشاعت کے خیال سے گریز کر رہے ہیں۔ اگرچہ کچھ عرصہ قبل خود میرزا صاحب نے تفتہ کو یہ کہہ کر اشاعتِ خطوط سے روکا تھا کہ نجی واقعات کو منظرِ عام پر لانا کیا ضرور ہے؟ لیکن اب اونکا ادبی عقیدہ بدل چکا تھا۔ چنانچہ نواب صاحب کے اس خیال کی تردید میں تحریر کیا:

میری خطوط اردو کی ارسال کی باب میں جو کچھ تم نے لکھا تمہاری حسن طبع پر تم سے بعید تھا۔ میں سخت بیمزہ ہوا۔ اگر بیمزگی کے وجوہ لکھوں تو شاید ایک تختہ کاغذ سیاہ کرنا پڑے۔ اب ایک بات موجب و مختصر لکھتا ہوں۔ سنو بھائی! اگر ان خطوط کا تمکو اخفا منظور ہو، اور شہرت تمہاری منافی طبع ہے، تو ہرگز نہ بھیجو۔ قصہ تمام ہوا۔ اور اگر اونکو تلف ہونے کا اندیشہ ہے، تو میری دستخطی خطوط اپنے پاس رکھ دو، اور کسی مقصدی سے نقل اوتروا کر، چاہو کسی کی ہاتھ چاہو بسیل پارسل، ارسال کرو، لیکن جلد۔ خدا کے واسطے! کہیں غصہ میں آکر عطای تو بلقائے توہ کہہ کر اصل خطوط نہ بھیج دینا، کہ یہ امر میری مخالف مقصود ہے۔ (۲)

معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے بعد بھی علاقائی نے ارسالِ نقول میں توقف کیا تھا؛ مگر میرزا صاحب نے پھر اس کے متعلق کچھ نہ لکھا، اور جب اونہوں نے اصل خطوط بھیج کر میرزا صاحب کے ترکِ طلب کا سبب دریافت کیا، تو صبح شنبہ ۳۰ مئی سنہ ۱۸۶۳ ع کو از رامِ معذرت لکھا:

لاوجود الا للہ۔ اوس خدا کی قسم! جسکو میں نے ایسا مانا ہے، اور اوسکو سوا کسی کو موجود نہیں جانا ہے، کہ خطوط کی ارسال کو مکرر نہ لکھنا از راہِ ملال

نہ تھا۔ طالب کی ذوق کو سست پا کر مین متوقف ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہو۔ اپنا نفع نقصان سونچا۔ لاگت بچت کو جانچا۔ مین متوسط کو مہتمم سمجھا تھا، اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپرائیگا۔ ۳۰ رقمی ایک جگہ سو لیکر اونکو بھیجی۔ اوسکی رسید مین تقریباً اونہوں نے طلب رقعات بہ تکلیف سوداگر لکھی، اور اوس سوداگر کو مفقود الخبر لکھا۔ ظاہراً کتائین لیکر کہیں گیا ہوگا۔ (با) کتائین لیتو گیا ہوگا۔ یہ ۲۳ لفاظی اور ۳۴ خط بدستور میری بکس مین موجود و محفوظ رہیں گی۔ اگر متوسط بتقاضا طلب کریگا ان خطوط کی نقلیں اوسکو اور اصل نمکو بھیج دوں گا۔ ورنہ تمہاری بھیجی ہوئی کاغذ نمکو پہنچ جائیگی۔ (۱)

غالباً اس خط کی روانگی کے بعد ہی مہتمم طبع نے خطوط کی نقلیں حاصل کر لیں۔ میرزا صاحب یکشنبہ ۳۰ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۱ جون سنہ ۱۸۶۳ع کو اصل خطوط واپس کر کے لکھتے ہیں:

» میری جان! مرزا علی حسین خان آق اور مجھے ملی۔ مین نے خطوط مرسلہ تمہاری بکشت اونکو دی۔ اب تمہاری پاس بھیجی کا اونکو اختیار ہو۔ رسید کا البتہ مجھے انتظار ہو۔ (۲)

س اردوی مہلی

مکاتیب کا یہ تیسرا مجموعہ » اردوی مہلی « کے اسم سے موسوم ہوا۔ میر مہدی مجروح نے اسکا دیباچہ اور میرزا قربان علی بیگ سالک نے خاتمہ لکھا۔ کتاب دو حصوں مین منقسم ہوئی۔ » پہلے حصہ مین صاف صاف عبارت کے خط تحریر کیے۔ تا طلبای مدرسہ فائدہ اوٹھائیں۔ دوسرے حصے مین مطالب مشککہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی۔ « (۳) لیکن غالباً پہلی بار صرف حصہ اول شایع ہو سکا۔ اس لئے کہ کتب خانہ عالیہ رامپور مین جو نسخہ موجود ہے وہ مکمل ہوتے ہوئے صرف حصہ اول پر مشتمل ہے۔

اردوی مہلی کا سال طباعت

بظاہر یہ یقین کرنے کے تمام وجوہ موجود تھے کہ مکاتیب کا یہ مجموعہ جلد از جلد شایع ہوگا۔ لیکن قدرت نے اس ادبی انقلاب کی اولیت کا شرف میرٹھ ہی کو ودیعت کیا تھا۔ عود ہندی ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ھ

کو شایع ہو گئی ، اور اردویِ معلیٰ کو یہ دن بھی نصیب نہوا کہ اپنے خالقِ مجازی کا دیدار کر لیتا ۔ اسلئے کہ حسبِ تصریحِ خاتمۂ طبع یہ مجموعہ جمعہ کے دن ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ھ مطابق ۶ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع کو چھپ کر تیار ہوا ،^(۱) اور میرزا صاحب نے ۲ ذیقعدہ سنہ مذکور کو وفات پائی ۔ اس حساب سے اونکے انتقال سے ۱۹ دن کے بعد کتاب تمام ہوئی ۔ سالک نے سالِ طبع لکھا :

کیا کہون ! کچھ کہا نہیں جاتا * لب پہ نالون کا ازدحام ہوا
صدمۂ مرگِ حضرتِ غالب * سببِ رنجِ خاص و عام ہوا
ہے یہی سالِ طبع و سالِ وفات * آج اونکا سخن تمام ہوا

۱۲۸۵

مقام طباعت اور حق تصنیف

اردویِ معلیٰ دلی کے مطبعِ اکمل المطابع میں طبع ہوا ۔ حکیم غلام رضا خان اس کے مالک ، میر نضر الدین مہتمم ، اور لالہ بہاری لعل منشی تھے۔^(۲)

کتاب کے آخر میں ایک اعلان شایع ہوا کہ اسکا حق تصنیف میرزا صاحب نے حکیم غلام رضا خان صاحب کو عطا کر دیا ہے ، اور ایک رقعہ بطورِ سند لکھ دیا ہے ۔ لہذا کوئی صاحبِ حکیم صاحب کی بلا اجازت رقعات چھاپنے کا قصد نہ کریں ۔ اسکے بعد میرزا صاحب کی حسبِ ذیل تحریر چھپی :

دیکر بے روح و روان فقیر اسد اللہ خان غالب تخلص ہیچمدان کہتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ یہ جو اردویِ معلیٰ تصنیف فقیر مطبعِ اکمل المطابع دہلی میں چھاپا ہوا ، سو میں نے از راہِ فرطِ محبت اپنا حق تالیف نور چشم اقبالنشان حکیم (غلام) رضا خان کو بخش دیا ہوں اور اس حق کو خاص اونکا حق کیا ۔ اب اور کوئی صاحب اگر مالکِ اکمل المطابع حکیم (غلام) رضا خان کی بے اطلاع اردویِ معلیٰ کو چھاپنے کا قصد کریں گے تو مواخذہ میں محفوظ نہ رہیں گے ۔ اور فوراً حسبِ منشاء قانونِ بستم ، سنہ ۱۸۴۷ ع سزا پائیں گے ۔ (مہرِ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ ۱۲۶۷) ، (۳)

اردویِ معلیٰ کا پہلا ایڈیشن

اردویِ معلیٰ حصہ اول کا پہلا ایڈیشن ۱۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان میں ۵ صفحے میر مہدی مجروح کے دیباچہ کے ہیں۔ پانچویں صفحے کی پندرہویں سطر سے خطوط شروع ہو کر صفحہ ۵۸ کی تیرہویں سطر پر ختم ہوتے ہیں، اور باقی چار سطرین خاتمۃ الطبع پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۵۹ سے ۶۱ کی ساتویں سطر تک میرزا قربان علی بیگ سالک کا خاتمہ ہے۔ اسکے بعد منشی جواہر سنگھ جوہر کی تاریخ طبع ہے، اور پھر اسی صفحہ کی گیارہویں سطر سے صفحہ ۶۴ کی تیرہویں سطر تک تصحیحِ اغلاط کا نقشہ دیا ہوا ہے۔ بعد ازاں میرزا صاحب کا اعلانِ عطیہ حق تالیف ہے۔ شروع میں زرد رنگ کا ٹائٹل پیج ہے۔ یہ میرزا صاحب کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ اسلئے اس میں اونہیں مرحوم نہیں لکھا گیا ہے۔

رقعات کی تعداد

اردویِ معلیٰ کے اس ایڈیشن کے رقعات کی کل تعداد ۷۲ ہے۔ ان میں ۱۰ نواب میر غلام بابا خان بہادر کے نام، ۲۹ منشی میان داد خان سیاح کے نام، ۱۰ منشی حبیب اللہ خان ذکا کے نام، ۸۹ منشی ہرگوپال تفتہ کے نام، ۳ شاہزادہ بشیر الدین صاحب بہادر کے نام، ۵ سید بدرالدین المعروف بفقیہ کے نام، ۱۶ چودھری عبدالغفور سرور مارہروی کے نام، ۲ میر سرفراز حسین صاحب کے نام، ۴۳ میر مہدی مجروح کے نام، ۲ شاہ عالم صاحب کے نام، ۲ صاحب عالم صاحب کے نام، ۱ مولوی عبد الغفور خان بہادر نساخ کے نام، ۱ مرزا یوسف علیخان عزیز کے نام، ۱۱ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے نام، ۲ مردان علیخان رعنا مراد آبادی کے نام، ۲ مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام، ۱ مولوی عزیز الدین صاحب کے نام، ۱ مفتی سید عباس صاحب کے نام، ۲۳ عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان صاحب کے نام، ۱ حکیم ظہیر الدین

احمد خان کے نام، ۱ نجم الدین حیدر خان کے نام، ۵ نواب میر ابراہیم علیخان بہادر وفا کے نام، ۲ مولوی احمد حسن صاحب قنوجی کے نام، ۱۱ حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی کے نام، ۱ تفضل حسین خان کے نام، ۱۸ مرزا حاتم علی مہر کے نام، ۲ منشی نبی بخش صاحب کے نام، ۱ منشی عبداللطیف ابن منشی نبی بخش کے نام، ۱۴ خواجہ غلام غوث خانصاحب میر منشی المتخلص بہ بیخبر کے نام، ۱ نواب ضیاء الدین احمد خانصاحب بہادر نیر کے نام، ۷ مرزا شہاب الدین احمد خانصاحب کے نام، ۱۹ نواب انور الدولہ سعد الدین خانصاحب شفق کے نام، ۳ میر افضل علی عرف میر نصاحب کے نام، ۲ مرزا قربان علی بیگ سالک کے نام، ۲ مرزا شمشاد علی بیگ خانصاحب رضوان کے نام، ۲ مرزا قربان علی بیگ صاحب کامل کے نام، ۴ ذوالفقار الدین حیدر خان عرف حسین مرزا صاحب کے نام، ۱۲ یوسف مرزا صاحب کے نام، ۳۳ منشی شیونراین کے نام، ۲ بابو ہرگوبند سہای صاحب کے نام، ۶ نواب امین الدین احمد خان بہادر رئیس لوہارو کے نام، ۵۶ مرزا علاء الدین احمد خانصاحب بہادر علائی کے نام، ۱ مرزا امیر الدین احمد خان عرف فرخ مرزا کے نام، ۲ میر احمد حسین میکش کے نام، ۱ حکیم غلام مرتضیٰ خان کے نام، ۱ حکیم غلام رضا خان کے نام، ۳ ماسٹر پیارے لال صاحب کے نام، ۲ منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام، ۱ منشی ہیرا سنگھ کے نام، اور ۲ منشی بہاری لال مشتاق کے نام ہیں۔

اردوِ معلیٰ حصہ دوم

غالباً میرزا صاحب کے یکایک انتقال کے صدمہ نے مہتممینِ اشاعتِ اردوِ معلیٰ کو حصہ دوم کی ترتیب و طباعت کی طرف سے برداشتہ خاطر کر دیا، اور یہ حصہ دیباچہ کے وعدہ کے باوجود شایع نہوسکا۔

سنہ ۱۸۹۹ع میں مولوی عبد الاحد مرحوم، مالکِ مطبعِ مجتہائی دہلی، نے اردو میں معنی کی اشاعت کا ارادہ کیا۔ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے حصہ دوم کیلئے کچھ مواد عطا فرمایا، جو مہتممِ طباعت نے حصہ دوم کے نام سے آخر میں شامل کر دیا۔ خود عبد الاحد مرحوم کے الفاظ میں »اس حصہ میں خاصکر وہ رقعات ہیں جن میں انہوں نے (میرزا صاحب نے) لوگوں کو اصلاحیں دی ہیں، یا شاعری کے متعلق کوئی ہدایت کی ہے، یا کوئی نکتہ بتایا ہے، اور بعض کتابوں کے دیباچے اور ریویو بھی ہیں«۔

چونکہ میر مہدی مجروح نے بھی تقریباً اسی قسم کے خطوط مرتب کرنے کا وعدہ کیا تھا، اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ حصہ دوم نے انکے ارادہ کی تکمیل کر دی۔ لیکن جہان تک مواد کا تعلق ہے اغلب یہ ہے کہ میر مہدی مجروح کا ذخیرہ خواجہ صاحب کو نہیں ملا۔ ورنہ مولوی عبد الاحد مرحوم اسکا ذکر کرتے۔

مجتہائی ایڈیشن کا حصہ دوم ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ۷ سطروں کا ایک مختصر تقریبی نوٹ ہے۔ اسکے بعد سراجِ المعرفت اور حدائق الانظار کے دیباچے ہیں۔ بعد ازاں شاہِ ظفر کی ایک کتاب اور مرزا رجب علی بیگ سرور کی گلزارِ سرور کی تقریظیں ہیں۔ انکے بعد دیوانِ ذکا، میرزا کلب حسین خان کی ایک کتاب، نیز رسالہ تذکیر و تانیث مصنفہ سید احمد حسن بلگرامی کے دیباچے ہیں۔ یہ تمام دیباچے اور تقریظیں صفحات ۱-۱۳ پر درج ہیں۔ انکے بعد اسی صفحہ سے اصلاحی خطوط شروع ہوتے ہیں، جن میں ۳۴ خطوط مرزا تفتہ کے نام، ۱ ماسٹر پیارے لال کے نام، ۵ منشی حبیب اللہ ذکا کے نام، ۵ سیف الحق سیاح کے نام، ۲ شاہزادہ بشیر الدین کے نام، ۱ کیول رام ہشیار کے نام، ۱ مولوی کرامت علی کے نام، ۱ جواہر

سنگھ جوہر کے نام، ۱ منشی ہیرا سنگھ کے نام، اور ۲ میر مہدی مجروح کے نام ہیں۔

ضمیمہ اردوی معلیٰ

سنہ ۱۹۲۹ ع میں شیخ مبارک علی صاحب، تاجر کتب لاہور، نے اردوی معلیٰ کے حصہ اول و دوم کے ساتھ مسٹر شیر محمد خان سرخوش کا مرتب کیا ہوا ایک ضمیمہ بھی شایع کیا ہے، جو اوسوقت تک غیر شایع شدہ ۲۳ خطوط پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۲۲ سید غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام اور ایک شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام ہے۔

اس ضمیمہ کے آغاز میں دو خط اور شامل کئے گئے ہیں، جو پبلشر کو آغا محمد باقر، ایم۔ اے، نبیرہ حضرت آزاد دہلوی سے دستیاب ہوئے تھے۔

مکاتیب غالب۔ میرزا صاحب کے خطوط کا آخری مجموعہ

مذکورہ بالا مجموعوں کی اشاعت سے ساٹھ پینسٹھ برس بعد ریاست عالیہ رامپور کی طرف سے میرزا صاحب کے اون خطوط کا مجموعہ «مکاتیب غالب» کے نام سے شایع کیا جا رہا ہے، جو موصوف نے نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان یا وابستگان دربار کو لکھے تھے۔

میرزا صاحب کی دربار رامپور سے مراسلت بارہ سال تک جاری رہی۔ اگر اس طویل مدت کے تمام خطوط محفوظ ہوتے تو اونکی تعداد چار پانچ سو تک پہنچ جاتی۔ لیکن سوء اتفاق سے انکا بڑا حصہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ صرف وہ خطوط دست برد زمانہ سے بچ گئے ہیں، جو دارالانشا کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

سرکاری خط و کتابت سے قطع نظر خود شہر کے ارباب ذوق سے بھی میرزا صاحب کے خاصے تعلقات تھے، اور ان میں سے اکثر اصحاب سے مراسلت بھی رہتی تھی؛ لیکن بد قسمتی کہ بجز ایک خط کے شہر کے کسی گوشہ سے

کوئی مکتوب دستیاب نہوا۔ ایک خط اگرچہ ایک غیر سرکاری مکتوب الیہ کے نام تھا، لیکن حسن بخت سے دارالانشا کی مثلون میں ملا، جو اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

مکاتیب کی تعداد

✓
مجموعہ ہذا کے مکاتیب کی تعداد ۱۱۵ ہے۔ ان میں سے ۴۱ نواب فردوس مکان کے حضور میں، ۶۴ نواب خلد آشیان کی خدمت مبارک میں، ۲ صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کے نام، ۶ منشی سیلچند میر منشی دارالانشا کے نام، ۱ خلیفہ احمد علی رامپوری کے نام، اور ۱ مولوی محمد حسن خان ایڈیٹر اخبار دبدبہ سکندری کے نام ہے۔

نواب فردوس مکان کے نام کے عرایض میں ۴ بزبان فارسی اور بقیہ اردو میں ہیں۔ چونکہ مجموعہ میں ایک فارسی قصیدہ اور ایک قطعہ مستقل نمبروں کے تحت درج کئے گئے ہیں، بنابرین کل خطوط کی تعداد ۱۱۷ ہوتی ہے، جن میں سے ۴۲ نواب فردوس مکان کے اور ۶۵ نواب خلد آشیان کے نام ہیں۔

مکاتیب غالب کی طباعت

آخر میں مکاتیب غالب کی طباعت کے متعلق دو چار لفظ کہنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ناظرین ملاحظہ کریں گے کتاب کی طباعت نہایت خوشنما نسخ ٹائپ میں کرائی گئی ہے۔ اس اقدام کا واحد منشا یہ ہے کہ اردو خوان پبلک میرزا صاحب کے کلام کی خاطر ٹائپ کے حروف پڑھنے کی جرات کرے، اور اس طرح ان حروف کی عادی ہو کر اہل مطابع سے اسی قسم کی طباعت کی خواہان ہو۔ جب تک اردو کتابیں پتھر کے چھاپے کے بجائے لوہے کے حروف میں طبع ہونا شروع نہونگی، اردو پریس دیگر ترقی یافتہ اقوام کے پریس کے دوش بدوش چلنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پتھر کی چھپائی

میں صحت، خوشنہائی اور یکسانیت کی وہ خویان یک قلم مفقود ہیں، جو برے سے برے ٹائپ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسکے علاوہ تعلیمی نقطۂ نگاہ سے بھی پتھر کا چھاپا سراسر ناقص ہے۔ اگر اسکے بجائے ٹائپ اختیار کر لیا جائے تو مبتدی کی چھ مہینے کی محنت گھٹ کر صرف دو ماہ رہ جائے گی، اور اس طرح برادرانِ وطن کا تعلیمی نقطۂ نظر سے اس عجیب و غریب خط پر اعتراض یک لخت دفع ہو جائے گا۔

خاتمہ

دیباچہ کے مباحث نے امید کے خلاف کافی وقت لیا، اسلئے اس عذر کیساتھ سلسلۂ کلام ختم کرتا ہوں:

- * لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم *
- * چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور *

والحمد لله رب العالمین.



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

» بحضور نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلزم فیض و عمان احسان جناب نواب محمد یوسف علیخان بہادر دام اقبالہ مقبول باد « (۱)

(نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان طاب ثراہ نواب سید محمد سعید خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر ابن نواب سید فیض اللہ خان بہادر ابن نواب سید علی محمد خان بہادر بانی ریاست روہیلکھنڈ کے فرزند اکبر تھے ۔ آپ جنابعالیہ فتح النساء بیگم صاحبہ بنت محمد نور خان بڑیچ ہمشیرزادہ نواب سید فیض اللہ خان بہادر کے بطن سے دوشنبہ ۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۳۱ ہجری مطابق ۵ مارچ سنہ ۱۸۱۶ ع کو متولد ہوئے ، اور دو شنبہ ۱۳ رجب سنہ ۱۲۷۱ ھ مطابق یکم اپریل سنہ ۱۸۵۵ ع کو مستند حکم رانی پر قدم رکھا ۔ جلوس سے دو سال دو ماہ بعد ۱۴ رمضان سنہ ۱۲۷۳ ھ مطابق ۹ مئی سنہ ۱۸۵۷ ع کو مشہور واقعہ غدر رونما ہوا ۔ آپ نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں حکومت ہند کی اعانت کر کے بسا سہ اعتراف خدمات خلعت قیمتی بیس ہزار روپیہ ، ایک لاکھ بیس ہزار سالانہ آمدنی کا جدید علاقہ ، اور « فرزند دلپذیر دولت انگاشیہ » کا خطاب حاصل کیا ۔ سلامی گیارا ضرب توپ کے بجائی تیرا ضرب مقرر کی گئی ، اور مراسلت میں القاب و آداب « نواب صاحب مشفق بسیار مہربان کرمفرمای مخلصان سلامت ، بعد از شوق ملاقات

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کی لفاظیوں پر لکھا کرتے تھے ۔ میں نے عنوان میں تبرکاً نقل کر دی ہو ۔

مسرت آیات مشہودِ خاطرِ الطاف ذخائرِ میدارد، طے پایا۔ آپ نے خود اس عطیہ کی حسبِ ذیل تاریخ ارشاد فرمائی ہے :

جب گورمنٹ سے ہوا حاصل ملک مجکو بصیغۂ انعام
ناظم از رویِ ہمتِ عالی سالِ بخشش ہے بخششِ حکام

آپ نے عربی و فارسی کی باقاعدہ اور ایک حد تک مکمل تعلیم پائی تھی۔ فارسی میں خلیفہ غیاث الدین عزت مصنف غیاث اللغات اور میرزا غالب سے۔ اور علومِ عربیہ و حکمیہ مین مفتی صدر الدین آزرده اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے تلمذ تھا۔ تخت نشینی کے بعد شعر و سخن کا مشغلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ ناظم تخلص کرتے تھے، اور میرزا غالب سے مشورۂ سخن تھا۔ نکتہ رس ذہن، رنگین و شوخ طبیعت، اور اعجوبۂ روزگار استاد نے اونکو زبانِ اردو کا ایک بلند پایہ شاعر بنادیا۔ مومن و غالب کے بعد انکی نظیر «الا ما شاء الله» کا حکم رکھتی ہے۔ دیوان دو بار شایع ہوا، لیکن اب کمیاب ہے۔

آپ فنونِ سپہگری میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ جسم ورزشی اور مضبوط، اور چہرہ نہایت خوش قطع تھا۔ داڑھی مونچھ صاف کراتے، اور اکثر رنگین و زرتار لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے دس سال چند ماہ حکومت کر کے جمعہ کے دن ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع کو اس دارِ فانی سے رحلت کی، اور قلعہ معلے کے اندر امام باڑے میں اپنے والدِ ماجد کے برابر مدفون ہوئے۔

(۱)

بحضورِ سراسر سرور، جنابِ مستطاب، نوابِ ہمایون القاب، جہانیاں کام بخش، جہان جہان کامیاب، دام بقاء بقبول الاقبال۔

سجدہ فشانی قلمِ باپوزش گستری عریضہ نگار توام افتادہ۔ ہمانا آن درگاہِ اسکندر و دارا گزرگاہ پیوستہ در نظر است، کہ ہم از دور در

زمرہ نزدیکان بندگی بجای آورد۔ سپاسِ این معنی خود از اندازہ افزون تواند بود، کہ بعنوانِ روشناسیِ ذرہ با مہر، و آشنائیِ قطرہ با بحر، گدا را با شاہ بیگانگی در میان نیست۔ در آن روزگارِ رنگین تر از نو بہار، کہ بہ فرِ فرخندگی و جودِ مسعود، و سادہ با سپہرِ سادہ دم از برابری زد، نگاشتن و روان داشتنِ قطعہ تاریخِ جلوس^(۱) بہ توانائیِ آن دانائی و روان آسائیِ آن شناسائی صورت پذیرفت۔ اکنون کہ گیتیِ خدایِ قلمروِ دانش، آن بہ فر تابِ تابِ نظر با برجیسِ جلیس، و آن بہ فروزہ فروزشِ عمل با عقلِ فعالِ ہمال، امیر الدولہ مولوی حافظ محمد فضل حق خان بہادر^(۲) بہ بندہ فرمانِ پزیر فرمان فرستادند، کہ غالب بہ

(۱) میرزا صاحب کی اس قطعہ تاریخ کا پتا نہیں چلا۔

(۲) مولانا فضل حق مولانا فضل امام صاحب کی صاحبزادی اور خیر آباد کی رہنوی والی تھی۔ علومِ نقلیہ و نقلیہ اپنی والد ماجد سی اور حدیث مولانا شاہ عبد القادر دہلوی سی حاصل کی۔ امیر مینائی، انتخاب یادگار، (ص ۲۹۱) مین لکھتی ہیں: «فنون حکمیہ مین مرتبہ اجتہاد، بڑی ادیب، بڑی منطقی، نہایت ذہین، نہایت زکی، طلیق و ذلیق، انتہا کی صاحبِ تدقیق و تحقیق، ... جس شہر مین آپ رونق افروز ہوئی، صدھا آدمی بہرہ اندوز ہوئی۔ شاہجہان آباد مین اگرچہ عدالتین کی سررشتہ دار تھی، مگر بڑی ذی اقتدار و صاحب اختیار تھی۔ جہجہر مین مشاہرہ جلیلہ پر نوکر رہی۔ الور اور سہارنپور اور ٹونک سب جگہ معزز و موقر رہی۔ لکھنؤ مین صدر الصدور تھی، اور اس دار الریاست (رامپور) مین پہلی محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور تھی۔ جناب مستطاب نواب فردوس مکان کو بھی آپ سی تلبذ رہا ہی، اور ہندگانِ حضور (نواب خلد آشیان) کی بھی کچھ پڑھا ہی۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کیساتھ رہی۔ پھر بیان سی تشریف لیگئی۔» مولانا سنہ ۱۲۱۲ھ مین پیدا ہوئی، اور ۲ صفر سنہ ۱۲۷۸ھ کو ۶۶ سال کی عمر مین جزائرِ انڈمان مین، جہان بچرم بغاوت سنہ ۵۷ ع آپکو جلاوطن کر دیا گیا تھا، وفات پائی۔ آپ نے متعدد تصنیفات چھوڑی ہیں، ان مین سی ہدیہ سعیدہ، جونواب سید محمد سعید خان بہادر کی نام معنون ہی، نواب فردوس مکان کیلئے لکھی گئی تھی۔ میرزا غالب انکی خلاص دوست اور معتقد خاص تھی۔ جب مولانا کی سررشتہ داری عدالتِ دہلی سی استعفا دیا اور نواب فیض محمد خان کی دعوت پر جہجہر تشریف لیجائی لگی، تو میرزا صاحب اور دیگر اہل دہلی کو یحید قاق تھا۔ حتی کہ خود شاہ ظفر، جو اوسوقت ولی عہد تھی، اسپر متاسف تھی۔ میرزا صاحب کی مولوی سکندر مین احمد کی نام ایک مکتوب مین یہ تمام واقعہ لکھکر خواہش کی ہو کہ اسکو اخبار آئینہ مبارکہ کی تمیزی و قدر شناسی حکامِ رنگِ آن ریخت کہ فاضل کی ظاہر و المالی بگاہہ مولوی حافظ محمد فضل حق کی سررشتہ داری عدالتِ دہلی استعفا کردہ خود را از تنگ و عار و اراہاند۔ حقا کہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آن مایہ بکاہند کہ از صد یک واماند، و باز آن پایہ را بسررشتہ داری عدالت دیوانی سنجند، ہنوز این عہدہ دون مرتبہ وی خواہد بود (کلیاتِ نثر غالب، ص ۱۴۷)۔

پرستشگری کمر بندد، و در مشاطگیِ شاہدانِ افکارِ حسنِ خدمتِ عرضه دہد۔ اندیشہٴ مہرِ پیشہ درنگِ برتافت۔ و ہم امروز کہ فردایِ ورودِ نوازشنامہٴ مولانا ست، این نامہ، کہ بخطِ بندگیِ ماناست، روان داشتہ آمد۔ چشمداشتِ آن ست کہ دوریِ راہِ تفرقہ درمیانِ نیندازد۔ و سپس در حاضرانِ آن حضرت، و دعاگویانِ دولتِ بشمار آیم۔ زیادہ حدِ ادب۔ بختِ ازل آورد در روزِ افزونیِ دولتِ ابد پیوند باد۔ عرضداشتِ ہوا خواہ اسد اللہ۔ نگاشتہ و روان داشتہ چار شنبہ ۲۸ جنوری سنہ ۱۸۵۷ ع۔ (مہرِ نجم الدولہ دیرالملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ، سنہ ۱۲۶۷)^(۱)۔

(۲)

(ہمانا اگر گوہرِ جان فرستم بہ نواب یوسف علی خان فرستم
ز نامش نشانے بعنوان طرازم ز مدحش طرازے بدیوان فرستم
ز دخلش حسابے بہ معدن نویسم ز بذاش صلاحے بعنان فرستم
ز لطفش، کہ عامست در کام بخشی، نویدے بہ گبر و مسلمان فرستم)

(۱) اس عریضہ مین میرزا صاحب فی جس سابق اتفاق کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رشتہ استادی و شاگردی تھا۔ نواب فردوس مکان اپنی والد ماجد کی تخت نشینی سے پہلے دہلی میں قیام پزیر ہوی تھے۔ طلب علم کا زمانہ تھا۔ انکی چچا نواب سید عبداللہ خان بہادر صدر الصدور میرٹھ اور نواب سید عبد الرحمن خان بہادر میرزا صاحب کی محب تھے۔ ان دونوں کے حسب ارشاد نواب فردوس مکان فی میرزا صاحب سے فارسی کی تعلیم پائی۔ اس عریضہ کی جواب مین نواب صاحب فی ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو ارقام فرمایا: «نیقۃ انیقۃ بلاغت آگین مشعر رسید خط مولوی صاحب مخدوم محمد فضل حق صاحب با دیگر مراتب محبت و اشفاق بعبارت رنگین و دقیق در عین انتظار سرہ کش عیون وصول نشاط شمول گردیدہ، باطلاع خیریتہا سرمایہٴ سرور نا محصور افزودہ، از مزید شفقت و ایثار قلبی منصور شد۔ مشفق! ہر چند کہ کاتب را اتفاق موزونیت یک مصرعہ ہم اتفاق شدہ بود لیکن محض بجهت سماعت کلام ساری زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم خواست کہ طریقہٴ رسل و رسائل جاری شود۔ چون سبیل بہ ازیں بنظرم نرسید، لہذا چند آیات و اہیات موزون نمودہ، بترصد اصلاح پیش آن یگانہ آفاق مرسل گشت۔ چشمداشت کہ بعد اصلاح غزلہای مذکور مع کدام طرح جدید لطف فرمودہ شوند۔ از آنجا کہ اتحاد شیرینی ہم درین خصوص از دستور است، لہذا مبلغ دو صد و پنجاہ روپیہ بتقریب شیرینی نف رقیقہ الوداد ہذا میرسد۔ بمقتضای الطاف منظور فرمودہ از رسید آن مطلع فرمائند۔ و مخلص را لیل و نہار متمنی اخبار تصور فرمودہ اکثر بایصال ثنائیک انایق خیریت وثائق بعبارت سلیس کہ در خواندنش تاملی بوقوع نیاید۔ سرور و مطمئن میفرمودہ باشند»۔

ز نطقش، که خاصست در ملک‌گیری
 ز هه شه‌سوازی که گردِ سمندش
 رود سام چون بهر پیکار سویش
 درش را بود پایۀ در خیالم
 کلیم از عصا ارمغانم فرستد
 وجودش بود نخرِ اجرام و ارکان
 ز جودش بود وعده با زیردستان
 ز مویش شیمی به جنت رسانم
 هم از شرقِ اشراقِ وی آفتابی
 هم از رویِ نیکویِ وی ماهتابی
 اگر بگذرد تیرش از سینه من
 و گر سر ازین راه دزد جبین را
 سرشت از خزانست بدخواه او را
 هم از آتشِ دوزخ آرم تموزش
 دگر تا بهاران بسختی بمیرد
 سپه چون کشد، گر نه از ناتوانی
 درین انزوا از نفس‌های گِیرا
 بتوقیعِ فضلِ حق آن عینِ معنی،
 گزشت اندر اندیشه کز خامه رشی
 بدل گفتم «البته کاریست مشکل
 سگالش چنین رفت در کار سازی
 فرستادم، اما نیامد جوابی
 ندانم که شورِ فغانِ گدا را

مثالِ بشیراز و شروان فرستم
 پی سرمه چشمِ خاقان فرستم
 عزا نامه سویِ نریمان فرستم
 نگه سویش از دور پنهان فرستم
 من این ارمغان بهرِ دربان فرستم
 تحتِ باجرام و ارکان فرستم
 بشارت به برجیس و کیوان فرستم
 ز کویِ نسیمی برضوان فرستم
 باختر شناسانِ یونان فرستم
 به شب‌زنده دارانِ کنگان فرستم
 دل از سینه همراهِ پیکان فرستم
 چو گویش درین ره بچوگان فرستم
 سه فصلِ دگر هم بدینسان فرستم
 هم از زمهریرش زمستان فرستم
 در اردی بهشتش بزندان فرستم
 توانم که خود را بمیدان فرستم
 برایات آیاتِ قرآن فرستم
 که آباد بر وی فراوان فرستم
 بدان قلمِ فیض و احسان فرستم
 نباید که این نامه آسان فرستم
 که فرخ بود چون فرمان فرستم
 که تا هرچه فرمان رسد آن فرستم
 چسان باز تا گوشِ سلطان فرستم

بدل گفتم «آرے فرستادہ باشم
 و گر جادۂ رہ نمایان نگرود
 بدان تا روئی دم کار خود را
 دم در تن نے دم آتشین را
 برفتارِ ناز اندر آرم قلم را
 سخن کوته آن به کہ از نظم جزوی
 فرستم ولیکن خرد چون پسندد
 گرفتم کہ رنگین خیالم بگیتی
 گرفتم کہ بحر روانم به معنی
 گرفتم کہ روشن روانم بدانش
 درین پردہ خواهم کہ از مور مسکین
 نبشتم کہ خدمتگزار است غالب
 بشب بستم این نقش و در بندِ آتم
 بقا بہر داور ز دادار خواهم
 گر از راہ چاکِ گریبان فرستم
 ہم از جیب چاکِ بدامان فرستم
 ز خون نابہ موجے بمژگان فرستم
 فروزندہ شمعے بایوان فرستم
 تدروے بصحنِ گلستان فرستم
 بدیوانِ آن صدرِ گیہان فرستم
 کہ برگِ گیاهے بہ بستان فرستم
 شقایق بہ بنگاہِ نعمان فرستم
 گہر جانبِ ابرِ نیسان فرستم
 چراغے بہ مہرِ درخشان فرستم
 سلامے بسویِ سلیمان فرستم
 پیِ دعویِ خویش برہان فرستم
 کہ حرزِ دعا بامدادان فرستم
 بہ آمینِ خروش از سروشان فرستم^(۱)

(۳)

بحضورِ ہور ظہور، حضرت نوابِ معلی القاب، جاودان کامیاب،
 ولی نعمت، آیۂ رحمت، دام اقبالہ .

سپاس بجای آورد، و پوزش ہی گسترد، آن بارگاہِ سپہر کارگاہ را

(۱) میرزا صاحب کی اس قصیدہ کا لفاظہ مثل میں موجود ہو . اصل قصیدہ کی متعلق میر منشی صاحب لکھتے
 ہیں : «قصیدہ (ہمانا اگر گوہر جان فرستم) تاریخ ۱۹ شعبان سنہ ۱۲۷۶ھ ہواچہ میرزا نوشہ صاحب بحضور
 پرنور گزرانیدہ شدہ . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کی قیام رامپور کی زمانہ میں نواب صاحب
 کی قصیدہ دارالانشاء میں منکایا، اور اپنی پاس رکھ لیا . چونکہ اوسکا شامل مثل ہونا متحقق تھا، اسلی
 کلیات غالب فارسی (نولکشور ایڈیشن) کی صفحہ ۳۲۵ سے نقل کر کے یہاں قوسین میں اضافہ کر دیا گیا ہو .
 قصیدہ کی متعلق نواب صاحب کی رای عریضہ نمبر (۴) کی حاشیہ میں درج ہوگی . پتہ کی نیچے میرزا
 صاحب کی لکھا ہو : «از غالب بکرنک بیرنگ از روی احتیاط یازدم فروری سنہ ۱۸۵۷ء . روانگی قصیدہ
 کی یہی تاریخ عریضہ نمبر (۳) میں بھی مذکور ہو .

قبلہ حاجات میداند، و بہنجاہ سرگزشت حکایتے بعرض میرساند۔ سہ شنبہ ۲۷ جنوری نامہ مولینا و بالفضل اولینا^(۱) بمن رسید۔ چہار شنبہ ۲۸ جنوری عرضداشت روان داشتم۔ چون دو ہفتہ گزشت، و سررشتہ ڈاک درین بندوبست جدید استوار نماندہ، گفتم، مگر نرسیدہ باشد۔ دی، کہ چہار شنبہ یازدہم فروری سنہ ۱۸۵۷ بود، چاشتگاہ قصیدہ بقصد اظہار فرمان پزیری فرستادم۔ شامگاہ سرہنگِ یام^(۲) منشورِ عطوفت آورد۔ بر مردمک دیدہ سودم، و خرده جان تثار کردم۔ تا نورد از ہم کشودم، دو ورق از فہرست گنجینہ اسرار، یعنی اوراقِ اشعارِ گہر بار، و سفتچہ دوصد و پنجاہ رویہ در آن نورد یاقم۔ دفترِ شعر سبجِ اعتبار من شد، و زرِ آن سفتچہ بمعرضِ وصول آمد۔ کرم در بندہ پروری بہانہ می جوید، ورنہ این افتتاح بشیرینی نیاز نداشت۔ کریمان بندہ را بہ نمکِ ہی پرورند، ولی نعمت را بندہ بشکر پروردن آئین است۔ شکرِ این شکر بعدہ جان شیرین فرو گزاشتم۔ و این نامہ بہرِ آن، کہ رسیدنِ عطیہ حالی گردد، بدین زودی نگاشتم۔ اشعار خود بہنگامِ خویش خواهد رسید، و این سررشتہ ہیچگاہ از ہم نخواہد گسست۔ زیادہ حدِ ادب۔ نیرِ دولت و اقبال سرچشمہ فروغِ بے زوال باد۔ غالب۔ پنجشنبہ ۱۲ فروری سنہ ۱۸۵۷۔

(۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

آداب بجا لاتا ہوں۔ غزلوں کے مسودات صاف کر کر حضور میں بھیجتا ہوں۔ مسودات اپنے پاس رھنے دئے ہین، اس نظر سے کہ اگر احياناً ڈاک میں لفافہ تلف ہو جائے، تو میں پھر اوسکو صاف کر کر بھیج دوں، ورنہ موقعِ حک و اصلاح مجھے کیا یاد رہیگا۔

میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسم سامی اور نامِ نامی تخلص رہے۔ ناظم،

(۱) مولانا فضل حق خیر آبادی مراد ہین۔

(۲) یام: ڈاک

عالی، انور، شوکت، نیشان، ان مین سے جو پسند آئے وہ رهنے دیجیے۔ مگر یہ نہیں کہ خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب غالب۔ روزِ یکشنبہ ۱۵ فروری ۱۸۵۷ء^(۱)۔



(میرزا صاحب نے ۸ مارچ ۱۸۵۷ء کو ایک عریضہ ارسال کیا تھا، جو ۱۱ ماہ مذکور کو رامپور پہنچا۔ اسکا لفافہ شاملِ مثل ہے، اور اوسکی پشت پر یہ نوٹ تحریر ہے: «عرضی حسبِ الحکم چاک نموده شد۔ ۱۶ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ»^(۲)۔

- (۱) عرائض نمبر (۴ و ۵) کے جواب میں نواب فردوس مکاتیب فی ۳ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق یکم مارچ سنہ ۱۸۵۷ء کو تحریر فرمایا: «... دو قطعہ صحیفہ شریفہ، یک شعر ترسیل قصیدہ بمضمون انتظار و ہم در جواب رقیۃ الوداد رسید اشعار و سفتجہ مرسلۃ اینجا، و ثانی مع اشعار مذکور بعد نظر اصلاح و تجویز چند الفاظ جہت تخلص تخلص باہمی پسند از آنجملہ، بمضامین برجستہ و عبارات دلپسند متواتر بسبیل ذلک گلگونہ آرای چہرہ وصول فرحت شمول گردیدہ... و مطالعہ فصیدۃ نادرۃ فصاحت تضمین، کہ اگر ہر شعر نفوذ راگنجینہ معانی، و معدن لالی بختدانی، خوانند بجا، و یا گلبدستہ برجستہ چمنستان علوم و کمال نامند زیبا، غواص فکر در بحر زخار استعارات و نکات متبیش مستغرق گرداب نارسائی، و اوہام عقلا زمان بدریافت خوبی و بلاغت آن خزینہ اسرار معترف بہ کوتاہی، قصائد عرفی و خاقانی بمقابلا متانت و برجستگی مضامین نزہت آگیش هیچ، و معانی فیض قرین در الفاظ نادرش چون زلف مہر و بان بیج در پیچ، ابواب افادہ و انشراح بی اندازہ بر روی دل صفا منزل کشود۔ رنگ کثافت طبعی از سنجبل خواطر مستفیضان زدود۔ و غزلیات کہ بنظر اصلاح و آہن کہ پیارس آشنا شد، فی الفور بصورت طلا شد، فائز گشتہ۔ العظمتہ تہ تغیر و تبدل الفاظ نادرہ در اشعار مذکور چون نقش بر نگین زینت تازہ گرفت، و طلای طبع خام بر محک فیض عام جوہر پزیرفت... و منجملہ الفاظ تخلص لفظ (ناظم) مطبوع طبع نیاز گشت۔»
- (۲) اس عریضہ کے جواب میں نواب صاحب فی ۲۵ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۸۵۷ء کو تحریر فرمایا: «صحیفہ مسرت آگین... شعر رسید رقیۃ الوداد و اینکه صحائف شرائف عبارت اردو بعد ملاحظہ چاک شدہ باشند... وصول گردیدہ۔ مشفقاً! حسب الارقام سالی صحیفہ موصوفہ را بعد استفاضہ مضمونش چاک نمودہ شد۔ و آئندہ ہم دربارہً مہجہ مکاتیب تعمیل ایامی سالی ملحوظ خواہد ماند۔ اس سو یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہی، کہ میرزا صاحب کی یہ خط و کتابت بصیغہ راز تھی۔ ورنہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۵۷ء کا خط بھی زبان اردو ہی میں تھا، اوسکی چاک کرنی کی ہدایت کیوں نہ کی۔ اور اگر کی تھی، تو یہی تعمیل کیوں نہی، و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(میرزا صاحب نے یکم اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع کو ایک اور عریضہ ارسال کیا تھا، جو ۳ اپریل کو رامپور پہنچا۔ مثل میں اسکا بھی صرف لفافہ شامل ہے، اور اوسکی پشت پر نوٹ ہے: «عرضی از دست مبارک چاک شد، و بند غزلیاتِ مرسلہ در حضور ماند۔ ۹ شعبان سنہ ۱۲۷۳ ھ»۔)

(۵)

جنابِ عالی! کچھ کم مہینا ہوا، کہ میں نے حضور کی غزلوں کو دیکھکر خدمت میں روانہ کیا ہے، اور اوسکے پہنچنے سے اطلاع نہیں پائی۔ اب ڈاک میں خط تلف بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اس واسطے میں متردد ہوں، اور مدعا اس تحریر سے یہ ہے، کہ اگر وہ لفافہ نہ پہنچا ہو تو میں اوس مسودہ کو پھر صاف کرکر روانہ کروں۔ زیادہ حدِ ادب۔ از غالب۔ نگاشتہ صبح پنجشنبہ ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۷۳ ہجری^(۱)۔

(۶)

جنابِ عالی! آداب بجا لاتا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں، کہ اجورہ دار پہنچا۔ مگر لٹا ہوا، اور بھیگا ہوا، اور بھاگتا ہوا۔ گوجرون نے اوسے لوٹ لیا۔ روپیہ کتل سب لے لیا۔ خط اوس داروگیر میں گر پڑا۔ بھیگ گیا۔ لفافہ مجھ تک نہونچھا^(۲)۔ خط مع ہندوی کے پہنچا۔ خط میں سے القاب بتکلف پڑھا۔ اور یہ جملہ «سفتچہ مبلغ دو صد و پنجاہ روپیہ» پڑھا گیا۔ اور باقی خیر و عافیت۔ «مکرر آنکہ» اسکے بعد جو کچھ لکھا تھا، اوس میں سے «مولوی» یہ لفظ، اور بعد ایک لفظ کے «خانصاحب» یہ پڑھا گیا۔ اور کچھ

(۱) نواب فردوس مکان فی اس عریضہ کے جواب میں ۴ رمضان سنہ ۱۲۷۳ ھ مطابق ۹ مئی سنہ ۱۸۵۷ ع کو تحریر فرمایا: «... مشفقاً! ابن مرتبہ کہ توقف در تسطیر رقمۃ الاخلاص بظہور آمدہ باعث آن عدم فرصتی تصور توان نمود۔ حالاکہ فرصت دست داد، بہ ترقیم ما فی الضمیر اتفاق افتاد»۔

(۲) یہ میرزا صاحب کا خود نوشتہ املا ہو۔ در اصل اونہیں سہو ہوا۔ ورنہ یہی لفظ امی سطر میں اونہوں نے درست لکھا ہو۔

نہیں۔ مجھ کو غم یہ ہے کہ غزلہایِ اصلاحی اور دیوانِ اردو کی رسید میں نے نہ پائی^(۱)۔

ہندوی کا بعینہ وہ حال جو میرے خط کا تھا۔ کچھ پڑھا جائے، کچھ نہ پڑھا جائے۔ آپ کا نام اور ڈھائی سو روپیہ یہ پڑھا گیا۔ چونکہ مہاجن مجھ کو جانتا تھا، اوسنے اوس بھیگے ہوئے کاغذ کو اپنی چٹھی میں لپیٹ کر رامپور اوس مہاجن کے پاس بھیجا ہے۔ جب وہ صحیح کر کر بھیجیگا، تب وہ مجھ کو روپیہ دیگا۔ اوسکے صحیح کرنے میں کیا تامل ہے۔ میں نے صرف بطریقِ اطلاع لکھا ہے۔ اور غزلوں کی اور دیوان کی رسید اور جو اس

(۱) میرزا صاحب کے دیوانِ اردو کا یہ نسخہ کتبخانہ میں موجود ہے۔ سائز ۱۱×۷، اوراق ۷۳ اور فی صفحہ ۱۵ سطریں ہیں۔ خط صاف اور روشن نستعلیق اور ابتدائی دو صفحے طلاکار ہیں۔ ہر غزل کے خاتمہ پر رنگین بیل بوٹو ہیں اور تمام صفحات کی جدولیں رنگ آمیز ہیں۔ آخر میں نواب ضیاء الدین احمد خان ہادر تیر کی تقریظ ہے۔ اس نسخہ دیوان کے متعلق مرزا صاحب فی منشی شیونرائن کو لکھا ہے: ”اب تم سنو۔ دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا۔ مگر ہاں میں فی غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خان ہادر کو رامپور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رامپور جانی لگا، تو بھائی ضیاء الدین خان صاحب فی مجھ کو تاکید کر دی تھی، کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اردو لیکر کسی کاتب سے لکھوا کر مجھ کو بھیج دینا۔ میں فی رامپور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیل ڈاک ضیاء الدین خان کو دلی بھیج دیا تھا۔ (اردوی معلیٰ، ص ۳۸۱)۔ بعد ازاں ۳ جولائی سنہ ۶۰ ع کو اس کے مکمل ہونے کی باری میں لکھا ہے: ”میان تمھاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان، جو میں فی تم کو بھیجا ہے، اتم و اکمل ہے۔ وہ اور کونسی دو چار غزلیں ہیں جو مرزا یوسف علی خان عزیز کے پاس ہیں، اور اس دیوان میں نہیں۔ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں۔ کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں ہے۔ معذرا اون سے بھی کہو گیا۔ اور وہ غزلیں اوت سے منگا کر دیکھو گیا۔ (ایضاً، ص ۳۸۴)۔ اس نقل سے منشی شیونرائن فی اپنی مطبع واقع شہر آگرہ میں دیوان کی طباعت کا انتظام کیا تو اسکی متعلق میرزا صاحب فی نواب علاء الدین خان ہادر علانی کو لکھا: ”اردو کا دیوان رامپور سے لایا ہوں، اور وہ آگرہ گیا ہے۔ وہاں مطبع ہوگا۔ ایک نسخہ تمھاری پاس بھی پہنچ جائیگا۔ (ایضاً، صفحہ ۳۶۴)۔ لیکن بعد ازاں آگرہ میں انطباع سے قبل ہی میرزا صاحب فی دہلی میں طبع کرا لیا۔ ان تمام خطوط سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسوقت دیوان غالب کے جسقدر ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں، وہ سب کے سب نسخہ رامپور کی نقل اور نقل در نقل ہیں۔ میرزا صاحب فی خود اپنا کلام کبھی جمع نہ کیا (ایضاً، صفحہ ۳۷)۔ نواب ضیاء الدین خان نیر اور ناظر حسین مرزا کے کتب خانہ میں اس کے نسخے موجود تھے، لیکن اونکی ذخیرہ کتب کے ساتھ ہنگامہ غدر میں لٹ گئی۔ (عود ہندی، صفحہ ۲۷ و ۲۹ و ۶۵، و اردوی معلیٰ، صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۶ و ۲۵۹ و ۳۶۳)۔ اگر رامپور میں اصل نسخہ محفوظ نہوتا تو میرزا صاحب کے کلام کا موجودہ مجموعہ دستیاب ہونا تقریباً ناممکن تھا۔

خط میں «مکرر آنکہ»^(۱) بعد مطالب مندرج تھے، وہ پھر ایسے ہی باریک کاغذ پر لکھ کر اس ساھوکار کو دیجے گا، اور اوسکو تاکید کیجے گا، کہ اسکو بھیج دے۔ یہاں کے ساھوکار نے میری خاطر سے اس رقعہ کو اپنی چٹھی میں روانہ کیا ہے۔ غالب۔ پنجم ذی الحجہ^(۲)۔

(۷)

بوالا خدمت، رفعات درجت، جناب نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض ومحیط احسان، عز نصرہ و دام ملکہ۔

آداب نیاز بجای آمد، و نیازمندانہ عرضہ می دارد۔ در زمانِ چیرہ دستی کور نمکانِ سپاہِ روسیہ سررشتہ یام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادنِ نامہ بر رساندنِ نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمانِ داورانِ دادگروائی، و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ در یام روان داشتہ شد۔ و نارسیدنِ پاسخِ آن را چنان پنداشتہ شد، کہ مگر آن نیایشنامہ نرسیدہ باشد۔ یا فرطِ احتیاط مانعِ تحریر جواب گردیدہ باشد۔ ہر آئینہ در دل چنان گزشت، کہ درین باربد انسان سخن سرای توان گشت، کہ سرگزشتِ من از ولیِ نعمت نہان، و حجابیے در میان نماند۔

حالیِ رایِ جہان آرای باد، کہ دیرینہ نمکخوارِ سرکارِ انگریزم۔ و از سر آغازِ سالِ یکہزار و ہشت صد و شش، کہ دران گاہ شمارِ سنینِ عمرِ من از دہ نگزشتہ بود، بعوضِ جاگیرِ عمِ حقیقیِ نسبیِ خود نصر اللہ بیگ خان بہادر^(۳)،

(۱) یہاں لفظ «کہ» ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) نوابصاحب کی محولہ فرمان کا مسودہ مثل میں منسلک ہے، لیکن اوس میں قابل نقل بات کوئی نہیں۔

(۳) نصر اللہ بیگ خان ابتداء مرہٹوں کیطرف سے آگرہ کو صوبیدار تھی۔ بعد فتح آگرہ اپنی برادر نسبی

نواب احمد بخش خان والی لوہارو و فیروزپور جھڑک (متوفی سنہ ۱۸۲۷ع؛ حالات کیلئے ص ۱۲، نوٹ ۲،

ملاحظہ ہو) کی سفارش سے انگریزی فوج میں رسالدار ہو گئی، اور مدد معاش کیلئے نواحی اکبر آباد

میں پرگنہ سونک سولسا مرحمت ہوا۔ انھوں نے سنہ ۱۸۰۶ع میں انتقال کیا۔

کہ با جمعیت رسالہ چہار صد سوار بمعیت جرنیل لارڈ لیک بہادر^(۱) در فتح ہندوستان کوششہای نمایان کردہ، و پرگنہ «سونک سونسا» بقید حین حیات جاگیر یافتہ، و ہم در آن عہد ہمرگ ناگاہ از جہان رفتہ بود، بفرمان جرنیل لارڈ لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشتمل زرے شامل جاگیر عم سببی من نواب احمد بخش خان بہادر^(۲) در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری، کہ بذمہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔ چون جانشین احمد بخش خان^(۳) کیفر کردار یافت، و جاگیر بسرکار باز یافت شد، رسیدن آن وجہ مقرری از خزائن کلکتری دہلی صورت پذیرفت۔ چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام۔ و از مئی خود آشکار است کہ حال چیست۔ پیوند تعلق با بہادر شاہ^(۴) جز آن نبود، کہ از ہفت ہشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ، و از دو سہ سال بہ اصلاح اشعار شہریار

(۱) لارڈ لیک سنہ ۱۷۴۴ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۷۵۸ ع میں پیدل فوج میں نام لکھایا۔ اور مختلف عہدوں پر فائز رہ کر سنہ ۱۸۰۲ ع میں جنرل مقرر ہو گئے۔ سنہ ۱۸۰۱ ع سے سنہ ۱۸۰۵ ع تک ہندوستان کی افواج کے کمانڈر انچیف اور کونسل کے ممبر رہے۔ انھوں نے مرہٹوں سے کامیاب جنگ کی۔ اور انگلستان واپس جا کر ۲۰ فروری سنہ ۱۸۰۸ ع کو فوت ہوئے۔ یہ بہت نامور اور ہردلعزیز سپہ سالار مانتے جاتے تھے۔

(۲) نواب احمد بخش خان فیروزپور چورکہ کے رئیس اور لوہارو کے جاگیردار تھے۔ حکومت انگریزی میں انکی بڑی عزت اور منزلت تھی۔ نواب الہی بخش خان معروف، میرزا غالب کے خسر، انکی چھوٹی بہائی تھی۔ احمد بخش خان نے آخر عمر میں حکومت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی بڑی لڑکے نواب شمس الدین احمد خان کو فیروزپور چورکہ کی ریاست، اور نواب ضیاء الدین خان نیر و نواب امین الدین خان کو لوہارو کے جاگیر عطا کر دی تھی۔ میرزا غالب کی پنشن ریاست فیروزپور سے متعلق تھی۔

(۳) احمد بخش خان کے جانشین سے نواب شمس الدین احمد خان والی فیروزپور مراد ہیں۔ یہ مزاج کے درشت اور فساد پیشہ تھے۔ اسائی نواب ہو کر اہل خاندان سے تعلقات درست نہ رکھ سکے۔ میرزا غالب بھی ان سے ناراض تھے۔ خط میں انکا نام نہ لینے کی یہی وجہ ہے۔ مسٹر ولیم فریزر ریزنڈنٹ دہلی کے قتل کے الزام میں اکتوبر سنہ ۱۸۳۵ ع کو انھیں بھانسی دیکھ گئی، اور ریاست فیروزپور ضبط ہو گئی۔

(۴) بہادر شاہ ہندوستان کے مغلیہ فرمانرواؤں کے آخری چشم و چراغ تھے، یہ سنہ ۱۸۳۷ ع میں تخت نشین ہوئے۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ ع میں باغیوں نے انھیں اپنا مطلق العنان بادشاہ بنایا۔ بعد فتح دہلی الزام بغاوت میں رنگوں کی طرف جلاوطن کیے گئے، اور وہیں ۷ نومبر سنہ ۱۸۶۲ ع کو فوت ہوئے۔ میرزا صاحب نے ایک خط میں میر ہمدی کو لکھا ہے: ۷ نومبر، ۱۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے۔

می پرداختم. درین هنگامه خود را بکنار کشیدم. و بدین اندیشه که مبادا گریک قلم ترکِ آمیزش کنم، خانه من بتاراج رود، و جان در معرض تلف افتد، بیاطن بیگانه و بظاہر آشنا ماندم. هرگاه شهر بردستِ سپاہِ انگریز فتح شد، همه جا گیر داران و پسننداران از شهر بدر رفتند. چنانکه تا امروز آوارہ دشت و کوه اند. من از جا نه جنیدم. و هم چنان گوشه گیر ماندم. درین بندوبست که خاصه از بہر سیاستِ مجرمان ست، و تحقیقاتِ جرم از رویِ دقتِ قلعه و اظہارِ مخبران می کنند، هیچ گونه آلاشِ دامنِ من پدید نیامد. و داروگیر و باز پرسِ رونه داد. بودنِ من در شهر از حکامِ نہان نیست. اما چون پرسشے در میان نیست، لاجرم محفوظ مانده ام. می بایست که خود سلسلہ جنیان گشتے، و با حکام پیوستے. درین بارہ سخنِ آنست، که درین فرماندہان با هیچ کس سابقہ معرفتے ندارم. و معہذا هنوز موقع و محلِ آن نمی نگرم، کہ نامہ نویسم، و خواہشِ ملاقاتِ بمیان آورم. راستی اینکه درین فتنہ و آشوب خدمتے بجا نیاورده ام. لیکن مقامِ شکر است، کہ بہ تقدیمِ نرسیدنِ خدمت از راہِ بیدستگاہی است، و ذریعہٴ اخلاص و خلوص همان یگناہی است. حالِ خود را، اگرچہ پرسش از جانبِ آن والا مناقب نبود، گفت^(۱). و خون میخورم کہ صحت و عافیتِ ذاتِ ہمایون اقدس، کہ یارب! جاودان سلامت باد، چگونہ دریابم. ہمدین کنج، کہ مسکنِ من ست، شنیدہ ام کہ والا شان زین العابدین خان بہادر^(۲) بشہر آمدہ اند. نیازمندیِ من با مرحومی نواب عبد اللہ خان بہادر^(۳)، و مہرورزیِ من

(۱) مزید تفصیل کی لئی ملاحظہ ہو اردوی معلی، صفحہ ۳۵.

(۲) زین العابدین خان بہادر کا تذکرہ مکتوب نمبر ۱۰۷ کی ذیل میں ملاحظہ ہو.

(۳) نواب سید عبد اللہ خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر نواب فردوس مکان کی چچا تھی. شعر و سخن می دلچسپی رکھتے تھے. زور آزمائی کا بھی شوق تھا. دہلی میں عرصہ تک مقیم رہے. میرزا صاحب اور ان میں بہت ارتباط و خلوص تھا. پنج آہنگ میں میرزا صاحب کا ایک خط انکو نام بھی درج ہے (کلیاتِ نثر غالب، صفحہ ۲۱۸). یہ عرصہ تک میرٹھ کے صدر الصدور رہے تھے. اور وہیں ستر برس کی عمر میں بعارضہٴ تپ سنہ ۱۲۷۴ھ کو رحلت فرمائی، اور درگاہِ چشتی پهلوان میں مدفون ہوئے. ان کا ایک شعر امیر مینائی مرحوم نے تذکرہٴ انتخاب یادگار (صفحہ ۲۱۱) میں درج کیا ہے. فرمانی ہیں:

منحصرِ تجھ پر شفاعت ہو، بہلا جائیں کہان * ای شفیعِ عاصیان! ہم تیرا دامان چھوڑ کر

با اصغر علیخان مرحوم^(۱)، و محبت و خلتِ من با نواب عبد الرحمن خان بہادر مغفور^(۲) کجا دیدہ اند، و آن مدارج کی در نظر دارند، کہ ایشان را در ضمیر میگزشت، کہ گدایِ گوشہ نشین را باید دید۔ من خود پای، کہ رفتار داشتہ باشد، ندارم۔ واز زاویہ برون آمدنِ توانم۔ بہ نگاشتنِ این نامہ زحمتِ اوقاتِ ملازمان از آن رو روا داشتہ ام، کہ اگر نفرستانِ نامہ محض از روی احتیاط است، ہویدا گردد، کہ در عنایتِ تفریط و در رعایتِ افراط است۔ چشم دارم کہ بمشاهدہٗ سوادِ نوازِ شنامہ فروغِ نظر اندوزم۔ شغلِ شعر و سخن ہر آئینہ یقین دارم کہ درین چنین فتنہ و آشوب دل بدان کار چگونہ گراید۔ دولت پایندہ و نصرتِ طرب فزاینده باد۔ از اسد اللہ غالب۔ نگاشتہ و روان داشتہ پنجمینہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸۔

لہ۔ دبیرانِ خاص بر عنوانِ نامہ ہایِ پیشین نشانِ کلبہٗ این درویشِ دلریش عقبِ مسجدِ جامع نبشتہ اند۔ و من از ہفت ہشت سال در محلہٗ بلی مار می مانم۔ سپس نشانِ این محلہ نگاشتہ شود^(۳)۔

(۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

منشورِ عطوفت کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آئی۔ محمسن اور

(۱) سید اصغر علی خان مرحوم نواب سید عبد اللہ خان بہادر کی صاحبزادی اور نواب فردوس مکان کی چچا زاد بھائی تھی، امیر مینائی تذکرۃ مذکور (صفحہ ۲۵) میں لکھتی ہیں: «شاعر خوش مذاق ہیں۔ آفرینش مضامین عاشقانہ میں طاق ہیں۔ مومن خان صاحب دہلوی کی شاگرد رشید۔ کلام انکا لایق دید و قابلِ شنید۔ ۳۸ برس کی عمر پائی۔ بارہویں رجب کو سنہ ۱۲۷۳ ہجری تھی کہ عارضۂ خناق میں مبتلا ہو کر میرٹھ میں رحلت فرمائی؛ وہاں سے جنازہ اونکا دہلی کو گیا۔ اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باقہ میں دفن ہوئی۔» ان کا دیوان شائع ہو گیا ہے۔

(۲) نواب سید عبد الرحمن خان بہادر، نواب سید غلام محمد خان بہادر کی صاحبزادی اور نواب فردوس مکان کی چچا تھی۔

(۳) اگر میرزا صاحب کی تخمینہ کو صحیح مانا جائے، تو اوّلین سنہ ۱۸۴۹ ع یا سنہ ۱۸۵۰ ع سے محلہ بلی مار میں مقیم ہونا چاہی۔ میر مہدی مجروح کی نام کی خط میں سنہ ۱۸۵۰ ع کی تصریح موجود ہے۔ اسلئے یہی سنہ درست معلوم ہوتا ہے۔ فرماتی ہیں: «..... یہ لکھ کہ اسد اللہ خان پنشن دار سنہ ۱۸۵۰ ع سے حکیم پٹیل والی کی کہانی کی حویلی میں رہتا ہے» (عود ہندی، صفحہ ۸۳، و اردوی معلی، صفحہ ۱۹۴)۔

غزلوں کے پہنچنے کی اطلاع پائی۔ یہ بھی ایک بخشش کا بہانہ پیدا کرنا ہے۔ ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح کی احتیاج کیا ہے۔ میری کیا سختوری اور سخن سرائی ہے۔ آپ کی قدر دانی بلکہ قدر افزائی ہے۔ تکلف ہے اگر کہوں کہ تا قیامت رہو۔ بے تکلف دعا یہ ہے، کہ خدا کرے ایک سو بیس برس تک سلامت رہو۔

اس قرینے سے، کہ بسبب کم فرصتی کے اون کا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا، ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے ندیکھنے میں آپکو اختیار ہے۔ مگر یہ چار جزو کا رسالہ جو اب بھیجا ہے، اسکا دیکھنا ضرور درکار ہے۔ فارسی قدیم اور پھر حسنِ معنی اور صنعتِ الفاظ۔ با این ہمہ ہر امر کی احتیاط، اور ہر بات کا لحاظ^(۱)۔

جنابعالی! طرفہ معاملہ ہے۔ خدا کا شکر ہے، اور اپنی قسمت کا گلہ ہے۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلقِ قلعہ کسی طرح کے جرم کا بہ نسبت میرے احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطایِ پنسن^(۲) قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہے۔ گویا بن کھائے جینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروع سال میں پنسنداروں کو رویہ ملے گا۔ دیہکے کیا نیا گل کھلے گا۔ پہلی نومبر کو یہاں اشتہارِ عام ہو گیا ہے، کہ اب قلمروِ ہندوستان میں عملِ ملکہ معظمہ عالمقام ہو گیا ہے۔ میں پہلے سے مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں۔ اور وزرائِ ملکہ دارا دربان کے دو سارقی فکٹ پا چکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو بہ تفصیل معلوم کیا چاہئے، تو اسی کتاب موسوم بہ دستنبو میں دیکھا چاہئے۔ خوشنودی کا طالب غالب۔ نگاشتہ روز یکشنبہ ہفتم نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع۔

(۱) اس چار جزو کی رسالہ می 'دستنبو' مراد ہو۔ چنانچہ آخر عریضہ میں اسکو نام کی تصریح کرکے مرزا صاحب نے ابہام دور کر دیا ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کا 'ملا' 'شین' کی بجائے 'سین' می لکھا ہو۔ اسی طرح لفظ سارنیفکٹ میں پہلی 'ٹ' کو 'ت' تحریر کیا ہو۔

(۹)

خداوندِ نعمتِ سلامت .

جو آپ بن مانگے دین، اوسکے لینے میں مجھے انکار نہیں۔ اور جب مجکو حاجت آپڑے، تو آپسے مانگنے میں عار نہیں۔

بارِ گرانِ غم سے پست ہو گیا ہوں۔ آگے تنگدست تھا، اب تہی دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجے۔ اور کچھ بھجوا دیجیے۔ عنایت کا طالب غالب۔ چار شنبہ یازدہم ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ ہجری و ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع^(۱)۔

(۱۰)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمتِ سلامت .

بعد آداب بجالانے کے عرض کرتا ہوں، کہ منشورِ رافت لکھا ہوا ۲۵ نومبر کا جمعہ کے دن تیسری دسمبر کو اس دعا گوئی دولت کے پاس پہنچا۔ ڈھائی سو روپیہ کی ہنڈوی معتمد کے حوالہ کی گئی۔ آج یا کل روپیہ آجایگا۔ خاطرِ عاطرِ اقدس جمع رہے۔

میرے حاضر ہونیکو جو ارشاد ہوتا ہے، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور کہاں جاؤنگا۔ پنسن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہے۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں۔ سنا جاتا ہے، اور یقین بھی آتا ہے، کہ جنوری آغازِ سال

(۱) نواب فردوس مکان کی عریض مورخہ ۷ نومبر و ۱۷ نومبر کی جواب میں تحریر فرمایا: ... در قطعہ صحیفہ تلاف طراز، اولین حاوی حالات نہ ملتی زر پنشن آپکی، اور دوسرا مورخہ اٹھارویں ماہ نومبر سنہ حال مشعر نوید خیریت مزاج و ہاج کی، متواتر رنگ افروز چہرہ وصول نشاط شمول کا ہوا۔ اور مراتب مندرجہ می مطلع فرمایا۔ مشفقاً! جو کہ مخلص کو اشتیاق معانقہ اور مکالمہ آپ کا بدرجہ کمال ہو، اور اب تشریف آوری آپکی اس جگہ مناسب ہو، اسواسطی حوالہ خامۂ محبت نگار کی ہوتا ہو، کہ آپ دیدارِ فیاض الانوار اپنی سے مخلص کو ممرور فرمائیں۔ اور قطعہ ہنڈوی مبلغ دو سو پچاس روپیہ کا واسطی مصارف خدام آپ کی بلف رقیۃ الوداد ہذا کی مرسل ہو۔ قبول فرمائیں۔ ۱۸۰۰۰ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ مطابق ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۸۸ ع۔ عریضہ نمبر ۱۰ ہنڈوی کی رسید اور تازی کے عذر پر مشتمل ہو۔

۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پائے۔ جس کو روپیہ ملنا ہے اوسکو روپیہ، جس کو جواب ملنا ہے اوس کو جواب ملجائے۔

حضور نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے، کہ ان بارہ غزلوں کی اصلاح میں کلام خوش مطلوب ہے۔ اگلی غزلوں کی طرح نہوں۔ مگر اگلی غزلوں کی اصلاح پسند نہ آئی، اور اون اشعار میں کلام خوش تھا۔ حضرت کا تو اون غزلوں میں بھی وہ کلام ہے، کہ شاید اوروں کے دیوان میں ویسا ایک شعر بھی نہ نکلیگا۔ میں بقدر اپنے فہم واستعداد کے کبھی اصلاح میں قصور نہیں کرتا۔ زیادہ حد ادب۔ عرضداشت غالب۔ معروضہ جمعہ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۷۵ و ۳ دسمبر ۵۸^(۱)۔

(۱۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

میں اس دولتِ ابد مدت کا از راہِ مودت خیر خواہ ہوں۔ امرِ ملال انگیزِ اندوہ آور میں آرائشِ گفتار گوارا نہیں کر سکتا۔ نواب مرزا^(۲) نے دلی آکر پہلے نویدِ بزمِ آرائی سنائی۔ چاہتا تھا، کہ اوسکی تہنیت لکھوں۔

(۱) نواب فردوس مکان کی مسودہ فرمان میں یہ مضمون تحریر نہیں۔ ممکن ہو کہ مبیضہ میں اپنی قلم سی اضافہ کر دیا ہو۔

(۲) نواب مرزا خان داغ تخلص خاف نواب شمس الدین خان دہلوی مراد ہیں۔ نواب فردوس مکان کے عہد میں انکی بھوپتی عمدہ خاتم ریاست سی وظیفہ پاتی تھیں۔ یہ اونکو توسط سی ابتداء مورد انعام و عنایات رہی۔ بعد ازان تعلق خدمت بھی ہو گیا۔ چنانچہ نواب خلد آشیان کے عہد میں اصطبل اور فراش خانہ کو داروغہ تھی، سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتی تھی۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد بزمِ علم و ادب منتشر ہوئی، تو مرزا داغ حیدر آباد چلے گئے۔ اور وہاں حضور نظام مرحوم کے استاد مقرر ہوئے۔ اور وہیں سنہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ع) میں انتقال کیا۔ داغ صاحب شیخ ابراہیم ذوق دہلوی کی شاگرد تھی۔ اور رامپور میں شعراء دہلی کے کامیاب نمایندہ شمار ہوتے تھی۔ امیر مینائی مرحوم لکھنوی اسکول کے حامی تھی، اسلئے دربارِ خلد آشیان میں ان دونوں میں مسابقت کی سعی جاری رہتی تھی۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ اس کشمکش میں امیر مینائی مرحوم نے داغ کا رنگ اختیار کر کے اعتراف شکست کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دربارِ رامپور کے یہ تائبندہ گوہرائی علمی مجتہدوں میں ایک دوسری سی برابر استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اور یہ فیصلہ دشوار ہے کہ ان میں سے کس نے دوسری پر فتح پائی۔ تاہم نواب خلد آشیان کے دربار میں امیر صاحب کا رنگ سب سے زیادہ جا۔ اسلئے قیامِ رامپور تک اونکو فتحیاب میدان سخن شمار کرنا بیجا نہیں ہے۔

کل اوسنے از روی خطِ آمدِ رامپور حضرت جنابعالیہ کے انتقال^(۱) کی خبر سنائی۔ کیا کھون، کیا غم و اندوہ کا ہجوم ہوا۔ حضرت کے غمگین ہونیکا تصور کر کر اور زیادہ مغموم ہوا۔ سید درد نہیں ہون، کہ ایسے مقام میں بطریقِ انشا پردازی عبارت آرائی کروں۔ نادان نہیں ہون، کہ آپ جیسے دانا دل دیدہ ور کو تلقینِ صبر و شکیبائی کروں۔

از دستِ گدایِ بے نوا ناید ہیچ جز آن کہ بصدقِ دل دعائی بکند
حق تعالیٰ ذاتِ ستودہ صفات کو دایماً اور ابداً جاہ و جلال و دولت و اقبال کیساتھ سلامت با کرامت رکھے۔ عریضہ نگار اسد اللہ المتخلص بہ غالب۔ مرقومہ یکشنبہ ۲۱ شعبان و ۲۸ مارچ سالِ حال۔

(۱۲)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

ایک خط مشتمل اپنے حال پر اور ایک خط جناب بیگم صاحبہ و قبلہ مغفورہ کی تعزیت میں روانا کر چکا ہوں۔ اب ایک قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں۔ اگرچہ ایک کا تعمیم ہے۔ لیکن تعمیم کتنا خوب اور بے تکلف ہے۔ عرضداشتِ اسد اللہ۔ معروضہ ۱۳ رمضان و ۱۷ اپریل سالِ حال۔

قطعہ

جنابعالیہ از بخششِ حق بفردوسِ برین چون کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت «خلود خلد» گفت از رویِ الہام

(سنہ ۱۲۷۵ ہجری)

(۱۳)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ آج دوشنبہ کا دن ۱۴ رمضان

(۱) جناب عالیہ نواب فردوس مکان کی والدہ محترمہ کا لقب تھا۔ انکا نام فتح النساء بیگم ہو۔ یہ محمد نور خان ولد محمد شاہ خان بڑیچ کی صاحبزادی، اور محمد نور خان نواب سید فیض اللہ خان بہادر کو ہمسرزادہ تھی (گلشنِ ثنوتِ قلمی، ذکرِ نواب فردوس مکان، و اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۱)۔

المبارک کی اور ۱۸ ماہ اپریل کی صبح کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا ، اور منشورِ عطوفت لایا . مین نے سر پر رکھا . آنکھوں سے لگایا . تعجب ہے کہ میرے دو خطوں کی رسید اس عنایت نامہ میں مرقوم نہیں . آیا نہ پہنچے ، یا پہنچے اور نہ پڑھے گئے ، کچھ معلوم نہیں^(۱) .

پہلے خط میں یہ عرض کیا ہے ، کہ مجموع ہنسندارون کی مثل مرتب ہے ، اور ہنوز صدر کو روانا نہیں ہوئی . نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر^(۲) نے کلکتہ سے میری پنسن کے کواغذ طلب کئے ، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے . وہاں سے کلکتہ کو بھیجے جائیں گے . پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئیگا ، اور یہاں بجکو روپیہ ملجائیگا . آج روپیہ ملا . کل میں نے آپ سے سواری اور بار برداری مانگی . آج سواری اور بار برداری پہنچی ، اور کل میں نے رامپور کی راہ لی . بلکہ اسی نیاز نامہ میں کچھ حسنِ طلب بھی تھا . افسوس کہ ایسا خطِ ضروری نہ پہنچے .

دوسرا خط جنابِ عالیہ مغفورہ کی تعزیت میں تھا . اوسکا بھی ذکر اس عنایت نامہ میں تھا . ناچار پہلے خط کا مضمون اس ورق میں مکرر لکھدیا ، اور دوسرے خط کے صرف ذکر پر اکتفا کیا . حق تعالیٰ آپکو

(۱) نواب فردوس مکان کا محولہ بالا خط حسب ذیل ہے : حال تشریف آوری آپکا اسطرف کر ابھی تک سامعہ نواز نہیں ہوا . اور دل صفا منزل مشتاق اور منتظر دریافت سرور ملاقات کا ہے . اسواسطی . حوالہ خامۃ اتحاد نگار کو ہوتا ہے ، کہ آپ براہ عنایت کو نوید تشریف فرمائی اس سمت سے ، کہ کب تک ممکن الوقوع ہے ، مطلع اور مطمئن فرمائی . ۹ رمضان سنہ ۱۲۷۵ھ ۱۳ اپریل سنہ ۵۹ ع .

(۲) لارڈ کیننگ بہادر سنہ ۱۸۱۲ ع میں پیدا ہوئے . سنہ ۱۸۵۲ ع میں ہندوستان کو گورنر جنرل اور سنہ ۱۸۵۸ ع میں پہلی وائسرائے بنائے گئے . غدر انہی کے عہد حکومت میں رونما ہوا . اودہ حکومت کی مکمل ضبطی بھی امی عہد کا واقعہ ہے . مارچ ۱۷۶۲ ع میں انگلستان واپس گئے ، اور ۱۷ جون سنہ ۱۸۶۲ ع کو وہیں فوت ہوئے . اپنی عزم و استقلال ، تدبیر ، اور خوبی انتظام کی بدولت انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی ہے .

سلامت رکھے، اور صبر و ثبات و دولت و اقبال و عمر و جاہ و جلال بطریقِ دوام عنایت کرے۔

دو غزلین منجملہ بارہ غزلوں کے بعد اصلاح ارسال کر چکا ہوں۔ خدا کرے پہنچ گئی ہوں۔ پرسون ایک قطعہ جناب بیگم صاحب و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں پھر لکھتا ہوں۔ اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانا کرتا ہوں۔ زیادہ حد ادب۔ عریضہ اسد اللہ خان۔ معروضہ دوشنبہ چارہم رمضان سنہ ۱۲۷۵، مطابق ہژدہم اپریل سنہ ۱۸۵۹^(۱)۔

قطعہ

جنابِ عالیہ از بخششِ حق بفردوسِ برین چون کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت و خلودِ خلد گفت از رویِ الہام

(۱۲۷۵)

(۱۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

نوازشنامہ کے ورودِ مسعود کی اطلاع دیتا ہوں، اور ہنڈوی کے پہنچنے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ کے مہینے کے سو روپیہ پہنچے۔ خاطرِ اقدس جمع رہے۔

عزمِ ولایت کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو ہر جگہ مظفر و منصور و کامیاب رکھے^(۲)۔ خدمت گزار ہوں، اور دعا و ثنا میرا کام ہے۔

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا: "سابق اس سے دو قطعی تلافی صحیفہ طمانینت افزا آپ کی، اول مشعر مراتب تعزیت رحلت جناب والدہ صاحبہ معظمہ کے اس جہان فانی سے، اور دوسرا بانتظار جواب اور قطعہ تاریخ رحلت جناب موصوفہ کے متواتر وصول ہوئے ... سبحان اللہ کیا تاریخ آپ کی تصنیف فرمائی ہو، کہ الفاظ جامع مختصر ہین، اور تعمیہ بطرز نادر اور بے تکلف ہو۔"

(۲) نواب صاحب کے ۷ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ ع مطابق ۲۹ صفر سنہ ۱۲۷۶ھ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے سفر انگلستان کے باری میں استفسار کیا تھا۔ جس کے جواب میں نواب صاحب نے مذکورہ بالا (باق)

بڑھاپے نے کھو دیا۔ جز نفسے چند مجھ میں کچھ باقی نہیں۔ زیادہ حدِ ادب۔ عرضداشتِ غالب۔ معروضہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ عیسوی۔

(۱۵)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تقدیمِ تسلیم گزارش کرتا ہوں۔ پرسون ایک نیازنامہ بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا، اور اوسکا جواب جلد عنایت ہوگا۔ کل نواز شنامہ، جس میں سو روپیہ^(۱) کی ہنڈوی بابت ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ تھی، شرفِ ورود لایا۔ زرِ مندرجہ ہنڈوی معرضِ وصول میں آیا۔ خاطرِ اقدس جمع رہے۔۔۔۔۔ (شنبہ ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹)^(۲)۔

(۱۶)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد بجا لانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ یہ میرا دردِ دل ہے۔ نامہٴ تہنیت میں اسکا اندراج مناسب نہیں جانا۔ میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاستِ دودمانی کا رکھتا ہوں۔ معاش اگرچہ قلیل ہے، مگر عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورنمنٹ کے دربار میں داہنی صف میں دسوانِ لمبر

(بقیہ) تاریخ کو لکھا: «مشفاً! جو آپ نے نسبتِ عزیمتِ مخلص کو بہت انگلستان استفسار فرمایا ہے۔ حال یہ ہے کہ فی الحقیقت ارادہٴ مخلص کا جانی انگلستان کو مصمم ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی زمانہ جانی کا مقرر نہیں ہوا ہے۔ اسواسطی حوالہ خامۃ اتحاد نکار کو ہوتا ہے کہ جس وقت زمانہ جانی ولایت کا قرار پاویگا، آپکو پیشتر ہی اس خصوص میں اطلاع دی عمل میں آویگی۔» میرزا صاحب کا عریضہ (نمبر ۱۴) اس فرمان کا جواب ہے۔ بہانہ یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ نواب صاحب کا یہ سفر ملکہ مظلمہ وکٹوریہ کے دستِ مبارک سے صلۃ خدماتِ غدر پانی کے سلسلہ میں ہونیوالا تھا۔ لیکن بعد ازان کسی وجہ سے سفر ملتوی ہو گیا۔ اور گورنر جنرل کے دربار فتح گڑھ میں خلعت وغیرہ عطا ہوا۔ دربار کی تفصیل عریضہ نمبر ۱۷ کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

(۱) میرزا صاحب نے الفاظ کی اوپر حساسی رقم بھی لکھی ہے۔

(۲) میرزا صاحب کے اس عریضہ کا آخری حصہ پھنگیا ہے۔ اسلی نام اور تاریخ متن میں موجود نہیں۔

فوسین میں جو تاریخ درج ہے وہ لفافہ سے نقل کر دی گئی ہے۔

اور سات پارچے اور جیغہ ، سرپیچ ، مالائے مروارید ، خلعت مقرر ہے ۔
 لاژڈ^(۱) ہارڈنگ صاحب^(۲) کے عہد تک پایا ۔ لاژڈ دلبوسی^(۳) یہاں آئے نہیں ۔
 اب یہ نوابِ معلی القاب آتے ہیں^(۴) ۔ زمانے کا رنگ اور ۔ کوئی حاکم کوئی
 سکرتر میرا آشنا نہیں ۔ بڑے میرے مربی قدردان جناب اڈمنسٹن صاحب^(۵) ۔
 وہ بھی چیف سکرتر نہ رہے ۔ لفٹنٹ گورنر ہو گئے ۔ وہ سکرتر رہتے تو
 مجھے کچھ غم تھا ۔ ابتک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں
 یا گناہگار ۔ مقبول ہوں یا مردود ۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی ،
 جو نئے انعام کا مستحق ہوں ۔ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی ،

(۱) یہ میرزا صاحب کا املا ہو ۔ صحیح لفظ لاژڈ ہو ۔

(۲) لاژڈ ہارڈنگ صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل تھے ۔ سنہ ۱۷۸۵ ع میں پیدا ہوئے ۔ جولائی سنہ
 ۱۸۴۴ ع سے جنوری سنہ ۱۸۴۸ ع تک گورنر جنرل ہند رہے ۔ سکھ و ارمین بہت نمایاں خدمات انجام دیں ۔
 انتظامِ مملکت میں بھی مفید اصلاحات نافذ کیں ۔ جگہ جگہ اسکول قائم کئے ۔ ریلوی اور آبپاشی کے
 محکوم میں اضافہ کیا ۔ اور اتوار کی عام تعطیل مقرر کی ۔ آخر میں سنہ ۱۸۵۲ ع سے سنہ ۱۸۵۶ ع
 تک کانڈر انچیف رہے ، اور اسی سال ماہ ستمبر میں انتقال کیا ۔

(۳) لاژڈ دلبوسی سنہ ۱۸۱۲ ع میں پیدا ہوئے ۔ سنہ ۱۸۴۷ ع میں ہندوستان کے گورنر جنرل مقرر کئے
 گئے ۔ اور ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۴۸ ع کو آفس کا چارج لیا ۔ انھوں نے سکھوں کو زیر کر کے ہنسہ
 ۱۸۴۹ ع میں پنجاب کا الحاق کیا ۔ انکا اندرونی انتظام مملکت بہت عمدہ اور مضبوط مانا جاتا ہے ۔
 محکمہ ریلوی میں نئی ضابطی نافذ کئے ۔ اور صوبوں کے درمیان ٹیلیگراف سسٹم قائم کیا ۔ شاہی
 ڈاکخانہ کا نظم بھی انہی کا رہن منت ہے ۔ پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ ، جیل ، جنگلات ، سروی اور
 محکمہ تعلیمات قائم کیا ۔ لیجسلیٹیو کونسل کا از سر نو انتظام کر کے اوسے وسعت دی ۔ برما پر
 حملہ کیا ، اور خان قلات اور امیر افغانستان سے معاہدے مرتب کئے ۔ صوبہ برار فوجی مصارف
 کے لئے حاصل کیا ۔ ان کے ہاتھوں بہت سی دیسی ریاستوں کا خاتمہ ہوا ۔ حادثہ غدر کی تمام
 تر ذمہ داری بھی انہی کے کاندھوں پر رکھی جاتی ہے ۔ یہ بڑی جفاکش کارکن تھے ۔ چنانچہ انکے
 سوانح کا خلاصہ فتح ، استحکام ، اور ترقی ہے ۔ انھوں نے لندن واپس جا کر سنہ ۱۸۶۰ ع میں انتقال کیا ۔
 (۴) لاژڈ کینگ بھادر وائسرائے مراد ہیں ۔

(۵) اڈمنسٹن صاحب سنہ ۱۸۱۳ ع میں پیدا ہوئے ۔ سنہ ۱۸۳۱ ع میں اضلاع شمال و غرب میں تقرر ہوا ۔
 ستلج کی فتح کے بعد وہاں کی ریاستوں کے کشتہ بنداؤ گئے ۔ سنہ ۱۸۵۳ ع میں پنجاب کے کشتہ مالیات
 ہوئے ۔ سنہ ۱۸۵۵ ع سے سنہ ۱۸۵۷ ع تک گورنمنٹ آف انڈیا کے فارن سیکریٹری رہے ۔ بعد ازاں
 جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع میں پنجاب کے گورنر ہو گئے ۔ اور فروری سنہ ۱۸۶۳ ع تک اس عہدہ پر فائز رہے ۔
 انھوں نے ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ ع کو انتقال کیا ۔

جو دستورِ قدیم کو برہم مارے^(۱)۔ بہر حال اس تشویش میں ہوں۔ راہِ چارہ مسدود، اور دکھ موجود۔ عرفی خوب کہتا ہے:

مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ زند بفرقم و گوید کہ ہاں سرے میخار
مرقومہ صبح یکشنبہ ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء^(۲)۔

(۱۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد بجا لانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ منشورِ عطوفت پہنچا۔
نواب عالی جناب کی ملازمت کا حال بسبیلِ اجمال مندرج تھا۔ میں از رویِ اخبار بہ تفصیل دریافت کر چکا ہوں۔ ہندستان میں کسی رئیس کی واسطے یہ بات کاہے کو ہوئی ہے۔ مسند تکیہ کسی کو کب ملا ہے۔ یہ کمالِ عز و شان اور استحکامِ بنایِ ریاست کا نشان ہے۔ لطف یہ ہے کہ اب صاحبانِ کورٹ آف ڈرکٹر حائل نہیں رہے۔ نواب گورنر جنرل بہادر نائبِ سلطنت ہیں۔ اس صورت میں جو کچھ انہوں نے دیا ہے، وہ عطیہ حضرتِ فلکِ رفعتِ ملکہ معظمہ کا ہے۔ ایسے شاہنشاہ کی سرکار سے وسادہ سروری کا عطا ہونا بہت بڑی نوازش اور سزاوارِ صد گونہ نازش ہے۔ یہ چار بالاشِ امارت اور «کاشی پور» کا ضمیمہ ملکِ موروٹی ہونا پہلے آپ کو اور پھر ولیعہد بہادر کو اور پھر آپ کی اولاد و اخوان و انصار کو اور سب کے بعد غالبِ دعا گوئی۔ گوشہ نشین کو مبارک ہو۔ زیادہ حدِ ادب۔ مرقومہ صبح یکشنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء ع^(۳)۔

(۱) یہ فارسی کا محاورہ «برہم زدن» کا ترجمہ ہے۔

(۲) نواب فردوس مکان نے جواباً تحریر فرمایا: «شفقا! ہنگام ملاقات کے اکثر صاحبانِ ذیشان سے تذکارِ محامد اوصاف ذاتی اور صفاتی آپ کا عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدردانی سرکارِ دولتمدار سے یقینِ واقعی ہے کہ جو مدارجِ شریف آپ کو قدیم سے ہیں، پیشگاہِ گورنمنٹ سے بھی اومی مطابق ظہور میں آویگا۔ کسواسطے کہ اہالی سرکار اہد قرارِ قدردان و قدرشناس ہیں»۔

(۳) میرزا صاحب نے اس عریضہ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اخبار الصنادید (ج ۲، ص ۹۷-۱۱۰) کے بیان کے مطابق حسب ذیل ہے: (لارڈ کیننگ صاحب بہادر گورنر جنرل نے ۱۵ نومبر سنہ (باقی)

(۱۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

آدابِ نیاز بجا لا کر عرض کرتا ہوں ، کہ سو روپیہ کی ہنڈوی بابت

(بقیہ) ۱۸۵۹ ع مطابق ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ کو مقام فتحگڑھ میں ایک عالیشان دربار منعقد فرمایا . . . اس دربار میں بہت سی دیسی روسا اور بہت سی یورپین معزز حکام خصوصاً کانڈر انجیف صاحب شریک تھے . . . اس دربار عام میں گورنر جنرل نے نواب سید یوسف علیخان بہادر سی مخاطب ہو کر کہا : »مجھ کو بڑی خوشی اس بات کی ہو ، کہ ان خدمات کی عوض جو آپ نے ملکہ معظمہ کی کین ، آج آپ کا شکریہ ادا کر نیکا موقع ملا . آپ اپنی ذات خاص سے زمانہ غدر میں نہایت مستعد اور صادق رہے . اور آپ نے ، باوجود خوف جان و ریاست کی ، گرد و نواح میں نہایت مشقت اور مستعدی سے حکومت برقرار رکھی . اور ملکہ معظمہ کی افسروں کی مدد بقدر امکان بخوشی کی . سب سے بڑھ کر یہ ہو ، کہ آپ نے ایک مجمع کثیر مقوم ملکہ معظمہ کی جانیں بچائیں . ان کو سب آفتوں سے محفوظ رکھا . اور انکو ہر طرح کی آسائش دی . حالانکہ وہ زمانہ چاروں طرف خوف سے گھرا ہوا تھا . میں بڑی خوشی سے روبرو سپہ سالار افواج ہند ملکہ معظمہ اور بہت سی معزز افسر اور حاکمان ملکی کی ، جو گرد و نواح اور دیگر مقامات ہندوستان میں عہدہ ہای جلیلہ پر منصوب ہیں ، آپ کی حسن خدمات کا اقرار کرتا ہوں . مجھ کو یقین ہو کہ آپ کی کارگزاریوں کو یہ لوگ ہرگز نہ بھولیں گے . اس دربار میں گورنر جنرل نے نواب سید یوسف علیخان بہادر کو خلعت قیمتی بیس ہزار روپیہ کا عطا کیا . اور سلاخی کی فیر گیارہ کی بجای تیرہ مقرر ہوئی . علاوہ اسکو »فرزند دلیر« کا خطاب عنایت ہوا . القاب و آداب ان الفاظ کی ساتھ قرار پایا : »نواب صاحب مشفق بسیار مہربان کرمفرمای مخلصان سلامت« .

بعد ازاں ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو گورنر جنرل بہادر کی سکریٹری نے گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی کی سکریٹری کو نام حسب ارشاد گورنر جنرل بہادر ایک خط لکھا . اس خط کی دفعہ ۵ میں تحریر تھا : (گورنر جنرل نے . . . نواب صاحب کو مطلع کیا کہ انکی مستحکم وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی امداد کی سبب سے ، جو انھوں نے گورنمنٹ کو دی ہو ، انکو پرگنہ کاشی پور ضلع مراد آباد جسکی جمع ایک لاکھ چار ہزار چار سو روپیہ سالانہ ہو ، معافی میں بخشا ہو . جسکو وہ اور انکو وارث اپنی جاگیر کی ایک ٹکڑی کی طور پر اپنی قبضہ میں رکھیں .)

اس عطیہ شاہی کی تہنیت میں میرزا صاحب نے یہ قطعہ فارسی نظم کیا :

ای آنکہ خود بہر می پروری مرا	از غیب مزد کار تو اجر عظیم باد
رای تو در زمانہ بامضای کارها	با اہتمام سہم سعادت سہم باد
در صبح دولت تو ز گلہای رنگرنگ	دائم مشام دہر رہین شمیم باد
آن دم ، کہ مردہ را باثر زندہ ساختی ،	در باغ طالع تو بجای شمیم باد
پاشند آب گر برہت بہر دفع گرد	ہر قطرہ زان نمونہ در یتیم باد
ہر صیفہ ، کہ وضع وی از بہر امر تست ،	فارغ ز تنگ زحمت تقدیم مہم باد
گر بہر خویش نیز دعای کنم چہ باک	این نعمہ ہم گزیدہ طبع سلیم باد
آزادہ ام خلوص وفا شیوہ من ست	راہم و رای مسلک امید و بیم باد (باقی)

مصارفِ ماہِ نومبر ۱۸۵۹ پہنچی۔ اور روپیہ وصول میں آیا۔ اور صرف ہو گیا۔ اور میں بدستور بھوکا اور ننگا رہا۔ تم سے نکھون تو کس سے کہوں۔ اس مشاہرۃ مقررۃ سے علاوہ دو سو روپیہ اگر مجھ کو اور بھیج دیجیگا تو جلا لیجیگا۔ لیکن اس شرط سے کہ اس عطیۃ مقررۃ میں محسوب نہو اور بہت جلد مرحمت ہو۔ زیادہ حید ادب۔ عرضداشتِ غالب۔ معروضۃ صبح پنجشنبہ ہشتم دسمبر سنہ ۱۸۵۹ بمجرد ورودِ عنایت نامۃ مرقومۃ ماہِ حال^(۱)۔

(بقیہ)	چون رهروی که بر نخط جاده ره رود	پیوستہ سیر من بخط مستقیم باد
	مانند فکر من رخ بخت تو دلفروز	مانند کلک من دل دشمن دونم باد
	بایستہ زمان و مکان نیست دردمند	گر خود رود بکعبہ برین درمقیم باد
	شادم بکنج امن و نگویم کہ بندہ را	خشتی ززر خالص و خشتی زسیم باد
	مقصود از لباس همان پوشش تنست	پوشش گر از حریر نباشد گلیم باد
	بالجملہ این سہ بیت کہ سر جوش فکر تست	در خورد لطف خاص و عطای عیم باد
	ونواب مہر مہر منوچہر چہر را	حاصل جمال یوسف و قرب کلیم باد
	چون غنچۃ کہ پہلوی گل بشگفت بیاع	ملک جدید شامل ملک قدیم باد
	ہر دم ترا بخلوت راز و بیزم انس	روح الامین مصاحب و غالب ندیم باد
		(کلیات غالب فارسی، ص ۲۶)

اس قطعہ کی متعلق یہ بتانا، کہ کس تاریخ لکھا گیا، اور کب رامپور پہنچا، سخت دشوار ہو۔ اسکو کہ مثل میں ایسا کوئی خط شامل نہیں، جس میں اسکا ذکر ہو۔ لیکن ۲۷ نومبر کی مکروب میں اسکا مذکور نہونی کی باعث، قیاس یہ ہو، کہ اس تاریخ کی بعد لکھا گیا ہوگا۔ اور اسی مہینہ کی کسی آخری تاریخ میں یا ماہ دسمبر کی شروع میں نواب فردوس مکان کی خدمت میں ارسال ہوا ہوگا۔ نوابصاحب کی تاریخ روانگی و آمد صاحب اخبار الصنادید فی ذکر نہیں کی۔ لیکن خود نوابصاحب فی میرزا غالب کو ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ مطابق ۸ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو لکھا ہو: و مخلص بتاريخ ۱۲ اس مہینہ کی طرف فرخ آباد کی روانہ ہوگا اور بتاريخ ۱۸ اس مہینہ کی معاودت کر کے رامپور پہنچی گا.....

(۱) میرزا صاحب کی اس عریضہ کی جواب میں نواب فردوس مکان فی القاب و تسلیات کی بعد تحریر فرمایا: و مشفقاً پیاس ارقام سای کی، کہ مخلص کو آپ کی ذات ستودہ صفات سی محبت اور موافقت قلبی ہو، ہندوی مبلغ دو سو روپیہ کی سواؤ مشاہرۃ معینہ مطوف رقمۃ الوداد ہذا کی مرسل ہو۔ اور چشمداشت آپ کی لطف فرمائی سی یہ ہو، کہ رسید ہندوی مذکور سی مطلع اور مطمئن فرمائیں۔ اور سابق میں چند مرتبہ در باب تشریف فرمائی یہاں کی متکلف ہوا ہوں۔ لیکن اب تک آپ فی سرور ملاقات بہت آیات سی مسرور نہیں فرمایا۔ اب لازم اشفاق کا یہ ہو کہ آپ تشریف شریف بامرع ازمہ ارزانی فرماوین اور مخلص کو مشکور الطاف کا کریں۔

اس ارشاد کی تعمیل میں میرزا صاحب صبح پنجشنبہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۲۶۰ ع کو دلی سی روانا ہو کر شام کو مرادنگر، اور جمعہ ۲۰ جنوری کو میرٹھ پہنچی۔ وہاں ۲۱ کو قیام کر کے دوسری دن شامچانیپور، گڑھ مکئیر، اور مراد آباد ہوئے ہوی، جمعہ کی دن ۲۷ جنوری کو وارد رامپور (باقی)

(۱۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

آدابِ نیاز بجا لاتا ہوں . اور مزاجِ اقدس کی خبر پوچھتا ہوں . اور بکالِ ناچاری بصدِ گونہ شرمساری عرض کرتا ہوں کہ آج سہ شنبہ ۷ فروری کی ہے . جو لوگ کہ میرے ساتھ ہین گوش بر آواز ہین . اور جو وظیفہ خوار دلی مین ہین وہ چشم براہ ہونگے . زیادہ حدِ ادب . خوشنودی کا طالب غالب . صبح سہ شنبہ ۷ فروری سنہ ۱۸۶۰^(۱) .

(۲۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

تقدیمِ مراسمِ تسلیمِ مقدمہ اس گزارش کا ہے ، کہ عالمِ دوہین . ایک عالمِ شہادت ، ایک عالمِ غیب . جس طرح عالمِ شہادت مین آپ میری دستگیری کر رہے ہین ، عالمِ غیب مین آپ کا اقبال بھکو مدد پہنچا رہا ہے . تفصیل اس اجمال کی یہ کہ وہ نقشا پنسن دارون کا جو یہاں سے صدر کو گیا تھا ، وہ اب صدر سے بعدِ صدورِ حکم آ گیا . حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے .

(بقیہ) ہوی . یہاں مناجاتِ ریاست مہانداری کا انتظام کیا گیا . اور محلہ راجدوارہ مین ایک مکان قیام کیلئے عطا ہوا . نواب فردوس مکان فی تعظیم و توقیر مین کوئی دقیقہ فروگراشت نہیں کیا . اور چند دن کے بعد زرِ دعوت کے نام سے سو روپیہ ماہوار مقرر فرما دیا . رامپور کی آب و ہوا میرزا صاحب کے مزاج کے موافق تھی . اسلئے وہ چاہتے تھے کہ یہاں زیادہ عرصہ رہیں . لیکن باقر علیخان اور حسین علیخان ساتھ آئے تھے . انہوں نے دلی واپس چلئے کیلئے ضد کی . چونکہ یہ دونوں کم عمر تھے اسلئے انکا تنہا دلی بھیجنا مناسب نہ تھا . مجبوراً میرزا صاحب نے رخصت مراجعت کی درخواست کی . نواب فردوس مکان فی قیام پر اصرار کیا . لیکن آخر کار اجازت عطا فرما دی اور میرزا صاحب رامپور سے ۱۷ مارچ سنہ ۶۰ ع کو روانہ ہوکر ۲۴ ماہ مذکور کو دلی جاچا پہنچی . سفر کی تفصیلات کیلئے دیاچہ ملاحظہ ہو .

(۱) اس عریضہ کے لفافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرزا صاحب کے قیام رامپور کے زمانہ مین نواب فردوس مکان کو لکھا گیا ، اور فتح محمد خان صاحب کے توسط سے کیمپ مین پیش ہوا . مقام کا نام لفافہ پر درج نہیں . لیکن جوابی فرمان کے مسودہ مین "از مقام کھریاہ" تحریر ہے . جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اوسوقت مرکزِ سلسلۂ دورۂ ریاست موضع کھریاہ تحصیل سوار مین فروکش تھے .

تقلیل بہت ہے۔ سو روپیہ مہینے والے کو پچھتر^(۱) بھی ہین، اور پچیس^(۱) بھی ہین، اور دس^(۱) بھی ہین۔ اب فرمائے میرے واسطے کیا احتمال گزرتا ہے۔ یاس کلی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہوا ہے، کہ سب سے پہلے میرا نام اور پوری پنسن کی واگراشت کا حکم۔ طرفہ یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے، کہ جسکے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے۔ حکام کے عملہ میں اور وکلا اور اہل شہر میں یہ مشہور ہے، کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہے۔ بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہین۔ ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسرے میرے بھائی کی پنسن کی حقیقت۔ سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائینگے۔ اور جو معلوم ہوگا، وہ عرض کیا جایگا۔ غالب۔ ۲۲ اپریل سنہ ۱۸۶۰^(۲)۔

(۲۱)

حضرت ولی نعمت آیۃ رحمت سلامت۔

شکر بندہ پروری بجا لا کر عرض کرتا ہوں، کہ کل ۱۲ جولائی کو نواز شنامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے پہنچا، اور روپیہ معرض وصول میں آیا۔ متوقع ہوں، کہ یہ عطیہ چوتھی پانچویں انگریزی کو، جیسا کہ ہمیشہ

(۱) ان مقامات پر میرزا صاحب نے حسابی رقوم بھی لکھی ہین۔

(۲) اس عریضہ کے جواب میں ۲۸ رمضان سنہ ۱۲۷۶ ھ مطابق ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۶۰ ع کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا: "مشفقا! جب کوئی مسرت پیش آنیوالی ہوتی ہو، تو آغاز ہی میں مقدمات سرور پیدا ہوتے ہین۔ ایسی سامان نظر آتی ہین کہ بے اختیار دلکو انبساط، طبیعت کو نشاط ہو۔ حسن اتفاق دیکھو، کہ ۱۹ تاریخ اپریل سال حال پہلی تو ایک لاکھ بیس ہزار کی جاگیر پر دخلدہائی کا خریطہ آیا۔ میں اوسے پڑھ رہا تھا، کہ آپکا نامہ سرور افزا پہنچا۔ اوس سے آپکی پنشن کی بحالی کا مژدہ پایا۔ نشہ سرور دوبالا ہو گیا۔ اور اسقدر بالیدگی اور خوشی حاصل ہوئی کہ زینہار بیان اوسکا مجال زبان و قلم نہیں۔ بار خدایا مبارک ہو۔ سپاس منعم حقیقی ادا نہیں ہو سکتا۔ اسوقت میں بلا نقصان پنشن کا جاری ہونا محض شان قدرت باری ہی۔ شکر اوسکو احسانات کا کراتک ادا کیجئے۔ عجب قدرت نمانی فرمائی ہو۔ دلکو طرفہ مسرت ہاتھ آئی ہے۔ میرزا نقتہ کی نام ۶ مئی سنہ ۱۸۶۰ ع کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴ مئی سنہ ۱۸۶۰ ع کو زرنیشن وصول کیا گیا تھا (اردو میں، صفحہ ۹۰)۔ وصول شدہ رقم، دو ہزار دوسو پچاس روپیہ کے خرچ کی پوری تفصیل کیلئے اردو میں، صفحہ ۱۸۲، خط بنام میر مہدی ملاحظہ ہو۔ آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ میرزا صاحب کے عریضہ کی تاریخ ۲۲ اپریل سہو قلم معلوم ہوتا ہے۔

پہنچتا تھا، پہنچا کرے۔ دسویں بارہویں نہوا کرے۔

تم سلامت رہو قیامت تک

خوشنودی کا طالب غالب۔ صبح جمعہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۶ مطابق ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۰۔

(۲۲)

ولّٰی نعمت آیہ رحمت سلامت^(۱)۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ کے ورود سے مین نے عزت پائی۔ سو رویہ کی ہندوی بابت مصارف مارچ سنہ ۱۸۶۱ کے پہنچی۔ زر مندرجہ معرض وصول مین آیا۔ خاطر اقدس قرین جمعیت رہے۔ کلیات فارسی کے پہنچنے سے اور اس نذر کے مقبول ہونے سے مجھ کو بہت خوشی حاصل ہوئی^(۲)۔

تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب غالب۔ صبح یکشنبہ ۷ اپریل سنہ ۱۸۶۱ ع۔

(۲۳)

ولّٰی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم تورہ اور خلعت کے عطیہ کا آداب بجا لاتا ہوں۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اور اپنی اولاد کی اولاد کی شادیاں کرنی اور اون

(۱) عریضہ نمبر ۲۲ تا ۲۵ مین خلاف معمول لفظ "حضرت" ساقط ہو۔

(۲) میرزا صاحب کا یہ نسخہ کلیات فارسی حسب تصریح فرمان مورخہ ۳۰ مارچ سنہ ۶۱ ع ڈاک کی ذریعہ حضور مین پیش ہوا۔ نواب صاحب نے اسکو "آئینہ جہان نما بل غزن نکات مسرت افزا" تحریر کیا ہو۔ یہ نسخہ کتب خانہ سرکاری مین محفوظ ہو : خط نہایت صاف، کاغذ نیلگون اور جابجا مرزا صاحب کی قلمی تحریر سی مزین ہو۔ اسکی کتاب کی باوی مین مرزا صاحب نواب ضیاء الدین خان بہادر کو لکھتی ہیں : "آپ کو دیوان کی دینی مین تامل کیوں ہو۔ روز آپ کے مطالعہ مین نہیں رہتا۔ بغیر اوسکی دیکھی آپ کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو، یہ بھی نہیں۔ پھر آپ کیوں نہیں دیتے : وہا کتاب کو تلف ہونیکا اندیشہ، یہ خفقان ہو۔ کتاب کیوں تلف ہوگی۔ اسیاناً اگر ایسا ہوا، اور دل لکھنو کی عرض راہ مین ڈاک لٹکتی، تو مین فوراً بسیل ڈاک رامپور جاؤں گا، اور نواب غفر الدین خان مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تمکو لادوں گا، (اردو می، صفحہ ۲۸۹)۔

شادیوں میں تورہ و خلعت کی تقسیم نصیب ہو .
 یہ تحریر نہیں . مکالمہ ہے . گستاخی معاف کروا کے اور آپ سے اجازت
 لیکے بطریق انبساط عرض کرتا ہوں ، کہ یہ سوا سو روپیئے ، جو تورہ
 و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئے ہیں ، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ
 کھا جاؤنگا ، اور اس میں لباس نہ بناؤنگا ، تو میرا خلعت حضور پر باقی
 رہیگا یا نہیں ؟

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
 داد کا طالب غالب . دوشنبہ . بحساب تعزیرہ داران پانچوین ، اور از روی
 دوج ۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ (۱) .

(۱) اس عریضہ میں نواب فردوس مکان کے متجہلی صاحبزادی سید حیدر علیخان بہادر کی شادی
 کا حوالہ ہے . یہ شادی نواب سید احمد علی خان بہادر ابن نواب سید محمد علیخان بہادر
 ابن نواب سید فیض اللہ خان بہادر کی نواسی کیساتھ ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۷ جولائی
 سنہ ۱۸۶۱ع کو قرار پائی تھی . مہینوں قبل سے تیاریاں ہوئی تھیں . ملازمان ریاست کو خلعت
 اور عام باشندگان شہر کو کھانا تقسیم ہوا تھا . اور ساری شہر میں جابجا رقص و سرود کی
 محفلیں آراستہ کی گئی تھیں . ریاست کے بیرونی متوسلین اور احباب کے نام دعوت نامی جاری ہوئی
 تھی . اس سلسلہ میں میرزا صاحب کو بھی دعوت شرکت دی گئی تھی . لیکن وہ ضف طبع کے
 سبب سے ناسک تھے . چنانچہ نواب علاء الدین خان علانی کو ۲۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۱ع کو لکھا ہے :
 "والی رامپور نے بھی تو مرشد زادہ کی شادی میں بلایا تھا . یہی لکھا گیا ، کہ میں معدوم محض
 ہو گیا ہوں . تمہارا اقبال تمہاری کلام کو اصلاح دیتا ہے . اس سے بڑھکر مجھو خدمت نہ
 چاہو ، (اردو معلی ، صفحہ ۳۰۴ و ۳۰۵) .

میرزا صاحب نے تورہ و خلعت کا عطیہ پا کر ایک تہنیت نامہ اور دو قطعات مبارکباد
 نواب صاحب کی خدمت میں روانہ کیئے تھے . قطعات مثل میں شامل نہیں . لیکن حسن اتفاق سے کلیات
 فارسی (مطبوعہ لکھنؤ ، ص ۳۱) میں شایع ہو چکے ہیں . مقام کی مناسبت چاہتی ہے کہ انہیں بیان
 نقل کیا جائے . فرماتے ہیں :

(۱)

دید و یوسف علیخان کو فروغِ رای او	مہر تابان برد قسط فیض و من ہم یافتم
از ولیمہدش سخن رانم کہ چون ماہ منیر	طلعتش را دیدہ روشن ساز عالم یافتم
وان دگر فرزانه فرزند فرہمندش کہ هست	کوکی کش در دل افروزی مسلم یافتم
خواست تا سازد باتین ہینش کدخدا	شاد گشتم چون خبر زین جشن اعظم یافتم
بہرہ بردم در تصور زان ہمایون اتہمن	بسکہ در خود طلاق رنج سفر کم یافتم
بزم طوی فرح حیدر علیخان را بدہر	خوشتہ و خرم تر از بزم کی و جم یافتم (باقی)

(۲۴)

وَلِي نِعْمَتِ آيَةِ رَحْمَتِ سَلَامَتِ .

بعد تسلیم معروض ہے . آٹھ سات برس سے مصدر خدمت اور

(بقیہ) سال این دولت فرا شادی بامان نظر «مشرقی» با «زہرہ» در «طالع» فراہم یافتہ
اس قطعہ میں مصرع آخر کی الفاظ (زہرہ، مشرقی، اور طالع) سی سال جشن ۱۲۷۷ھ لکھی ہیں .

(۲)

بہار ہند کہ نامند بر شگال آترا
بیاع و کشت و بیابان و کوہ سر تا سر
گزشت عہد سموم و وزید باد خنک
اگرچہ رحمت عامست لیک بالخصیص
زیرک برگ نیستان کہ گرد آن شہر است
ز انبساط پراست آنچنان کہ از رگ ابر
سپس بداد گر آیم کہ اہل دانش را
خود ابر و باد بگیتی ز دیر باز نبود
معاف باشم اگر خود ز خویشتن پرسم
چو رامپور بود وجہ تازہ رونی دہر
ز فیض ہمت فرمانروای آن شہرست
ظہور میمنت کدخدائی فرزند
کہ میبہان حق ست آن و ما طفیلی او
بجیب و دامن مردم ز بخشش نواب
کشایش در گجینہ و آنگہ از در گنج
بظالبان زر و سیم سیم و زر فرخ
بن کہ تشہل بادہای پر زورم
مگو ز شادی اہل زمین، کہ می گویند
بدین ترانہ کہ ہاں ای امیر شاہ نشان
بشہریار و ولیمہد و شاہزادہ عہد
ازان جہت کہ ستایش نگار نوابی

پس از دو سال بر اہل جہان مبارکباد
سحاب و سبزہ و آب روان مبارکباد
ز جان بہ تن، دگر از تن بجان مبارکباد
برامپور کراٹ تا کران مبارکباد
رسد بگوش چنان کز زبان مبارکباد
بجای قطرہ تراود همان مبارکباد
شود ہر آئینہ خاطر نشان مبارکباد
عطیہ ایست کہ بر مہنگان مبارکباد
برامپور خصوصاً چسان مبارکباد
ز ہر چہ این ہمہ گل کرد آن مبارکباد
کہ ورد خلق بود ہر زمان مبارکباد
بر آن رئیس سپہر آستان مبارکباد
نزول مائدہ بر مہبان مبارکباد
متاع خاصہ دریا و کان مبارکباد
بدر شتافتن پاسبان مبارکباد
بسانلان تہی کاسہ نان مبارکباد
ازان میان دو سہ رطل گران مبارکباد
فرشتگان بلند آسمان مبارکباد
نوید فرخی جاودان مبارکباد
خوشی و خوبی و امن و امان مبارکباد
ترا ہم ای اسد اللہ خان مبارکباد

نواب فردوس مکان فی ۱۱ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع مطابق غرۃ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ھ کو ان قطعات
کو متعلق تحریر فرمایا : قطعات مبارکباد اور تہنیت نامۃ شادی کت خدائی برخوردار
کامگار محمد حیدر علی خان بہادر ایام فرحت التیام میں سرور افزای خاطر نیاز ہوئی . اور سرمایہ
ہزاران مسرت اور شادمانی کا ارضائی کیا . سبحان اللہ ہر یک شعر قطعون اور تہنیت نامہ کا مضامین
میمنت آگین اور معانی لطافت تضمین سی ایسا ملو تھا ، کہ وصول اسکا احاطہ تحریر و تقریر سی
متزاید ہی . اللہ تعالیٰ آپکو ابد الدہر سلامت با جمعیت رکھو . (باقی)

شریکِ دولت ہوں۔ لازم کر لیا ہے، کہ یہودہ گزارش نکرون۔ اور کبھی کسی کی سپارش نکرون۔

بھائی حسن علیخان کے بیٹوں کے باب میں جو علی بخش خانصاحب^(۱) کو لکھا، اس کو میں سپارش نہ سمجھا تھا۔ مخبر بنا، اور آپ کے اہل کاروں کو اوس بات کی خبر دی، کہ جس کا تدارک صاحبانِ ملک و حاکمانِ عہد پر لازم ہے۔ سو بمقتضایِ نصفت و عدالت وہ مقدمہ فیصل ہو گیا۔ میر سرفراز حسین اور میر نصاحب کو^(۲) واللہ باللہ اگر میں نے بھیجا ہو۔ نوکری کی

(بقیہ) اب صرف تہنیت نامہ باقی رہ جاتا ہے۔ بظاہر عریضہ نمبر ۲۳ تہنیت نامہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کو مذکورہ فرمان تہنیت نامہ قرار نہیں دے سکتے۔ اس لٹو کہ فرمان می مترشح ہے، کہ تہنیت نامہ بھی منظوم تھا۔ اور یہ عریضہ منشور ہے۔ علاوہ بریں اس کو تہنیت نامہ قرار دینا اساتو بھی ناممکن ہے، کہ یہ لفافہ کی انگریزی تاریخ کے مطابق ۱۵ جولائی کو لکھا گیا تھا۔ اور تہنیت نامہ کا ذکر نواب صاحب کے ۱۱ جولائی کے فرمان میں آچکا ہے۔

- (۱) علی بخش خانصاحب شیخ محبوب بخش بن شیخ امان اللہ کے لڑکے تھے۔ یہ ۱۴ شوال سنہ ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ع) کو نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ انکو دادا اور نانا اس ریاست کے قدیمی نوکر اور خدمت گزار تھے۔ انھوں نے ایامِ غدر میں بڑی جانفشانی اور خیر خواہی میں کام کیا۔ اور اسکی صلہ میں گورنمنٹ می پانچ ہزار روپیہ کا خلعت، تلوار، طلائی گھڑی اور تین ہزار چودہ روپیہ سالانہ کی جاگیر ضلع مراد آباد میں انعام پائی۔ نواب خلد آشیان نے تخت نشینی کے ایک سال بعد انھیں چالیس ہزار روپو نقد یکشت عطا کیے۔ اور جب یہ بیمار ہوئے، تو دو بار بنفس نفیس انکی عیادت کو تشریف لیگئے۔ انھوں نے ۲ محرم سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق سنہ ۱۸۶۷ع کو رامپور میں انتقال کیا اور مولانا جمال الدین رح کے مزار میں دفن ہوئے۔ انکی اولاد میں مولانا محمد علی مرحوم بین الاسلامی شہرت کے قومی رہنما ہوئے ہیں (اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۱۴۱، و تذکرہ کاملان رامپور، ص ۴۶۶)۔
- (۲) میر سرفراز حسین میر مہدی مجروح کے بھائی اور میر افضل علی عرف میرن صاحب اونکی دوست تھے۔ میرزا صاحب می بھی ان دونوںکی خوردانہ تعلقات تھے۔ اردوی معلیٰ اور عود ہندی میں انکی نام متعدد خطوط درج ہیں۔ میرزا صاحب نے انکی اہتری معاش کا حال دیکھکر خاسامان صاحب کے نام تعارفی خط دیکر رامپور بھیجا تھا۔ لیکن شوی بخت می اوس وقت بیان ملازمت نہ مل سکی، اور یہ دونوں سو روپیہ کے زرباری کے بعد واپس چلی گئے۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے میر مہدی کو لکھا ہے: ”سید صاحب کل پر دن رہی، تمہارا خط پہنچا۔ یقین ہو کہ اوسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہاری پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا، جو کچھ ہے، اونکی زبانی سن لو گی۔ میں کیا لکھوں۔ میں نے بھی جو کچھ سنا ہے اونہیں می سنا ہے۔ اونکا اسطرح ناکام پھرنا میری تمنا اور میری مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میری عقیدی (باقی)

جستجو کو نکلے تھے۔ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ، اور میرن مرثیہ خوان اور یہان کے مرثیہ خوانوں میں ممتاز۔ خانسامان صاحب کو جو میں نے یہ لکھا، کہ یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ غرض اس سے یہ تھی، کہ محرم میں جہان دس پانچ مرثیہ خوان اور مقرر ہوتے ہیں، میرن بھی مقرر ہو جائیں۔ آخر جا بجا تھانہ دار، کوتوال، تحصیلدار نوکر ہیں۔ میر سرفراز حسین ہوشیار اور کار گزار آدمی ہیں۔ کسی علاقہ پر یہ بھی مقرر ہو جائیں۔ یہ دونو امر یا ان دونوں میں سے ایک ہو جاتا بہتر تھا۔ نہوا بہتر۔ درحقیقت سپارش تھی۔ صرف معرف ہونا تھا۔ سپارش کرتا تو کیا میں آپ کو نہ لکھ سکتا تھا۔ میری طرف سے خاطرِ خاطر جمع رہے۔

ز سینه تا بلم سالہا نیابد راہ ہر آن نفس کہ رضای تو اندر آن نبود
داد کا طالب غالب۔ دوشنبہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ء۔

(۲۵)

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ اور طلوع ستارہ اقبال کی مبارکباد دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ اس سفرِ فیض اثر میں »ریل گاڑی« کی سواری کی بھی سیر دیکھ لی ہوگی۔ یہ اوس میمنت و شکوہ و شوکت سے علاوہ ایک تماشا

(بقیہ) اور میری تصور کے مطابق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہاں کچھ نہوگا۔ سو رویہ کی ناحق زیرباری ہوئی۔ چونکہ یہ زیرباری میری بھروسہ پر ہوئی، تو مجھے شرمساری ہوئی۔ لیکن میں نے اس چھپاٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیایاں بہت اونٹھائی ہیں۔ جہان ہزار داع ہیں ایک ہزار ایک مہی۔ میر سرفراز حسین کی زیر باری میں دل کڑھتا ہے (اردو میں، ص ۱۸۵)۔ بعد ازاں ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۱ء کو پھر لکھتے ہیں: »بھائی تم سچ کہتے ہو۔ بر سرِ فرزند آدم ہرچہ آید بگزر دے۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ یہ زیرباری میری تحریر کے بھروسہ پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کی ہوئی۔ جس طرح سی بہ آؤ ہیں، اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے لیکن واقعہ میری عقیدہ اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں بھی سمجھتا تھا کہ البتہ برہنہ ہوگا (ایضاً، ص ۱۵۴)۔

نیا دیکھا۔ حق تعالیٰ حضرت کو سلامت باکرامت رکھے^(۱)

دعا گو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے۔ ابتدا وہی قولنج دورے۔ بسبب استعمال ادویہ حارہ، کہ اس مرض میں اوس سے گزیر نہیں، تپ نے آگھیرا۔ کئی باریاں بھگتیں۔ اب دوباریاں ٹلگئی ہیں۔ لیکن طاقت بالکل^(۲) سلب ہو گئی ہے۔ اور ضعف دماغ نے قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا ہے۔ بالفعل^(۳) آب سلب کا استعمال ہے۔

(۱) نواب صاحب کی مذکورہ سفر کی تفصیل یہ ہے، کہ جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ انجہانی کا ایک فرمان ۲۰ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع کو صادر ہوا: جسکا خلاصہ یہ تھا۔ کہ [مابدولت نے اپنی مرضی خاص اور علم کامل اور عزم مبارک سے ایک رتبہ جدید بہادری جو آج سے دوام کیلئے خطاب 'ہوسٹ اگرائڈ آرڈر آف دی اسٹار آف انڈیا' می موسوم ہو کر مشہور ہوگا، تجویز اور ایجاد کیا ہے۔ اور مابدولت کا ارشاد ہوتا ہے، کہ رتبہ مذکور میں ایک شخص 'ساورن' (سردار اعلیٰ) ایک 'گرائڈ ماسٹر' (سردار) اور پچیس 'نائٹ' (بہادر) شریک رہیں۔ اور والیان ہند اور سرداران ہندوستانی اور ہماری رعایا میں سے وہ اشخاص جو اس قسم کی لیاقت رکھتے ہوں، اس رتبہ عالی سے محروم نہ کئے جائیں۔ مابدولت کی تجویز اقدس سے مابدولت کے عزیز مشیر اکبر چارلس جانٹ اول کینگ گورنر جنرل ہندوستان اس رتبہ کی اول سردار مقرر ہوئے۔ اور یہ مقتضای دانشمندی اور مصلحت ہے، کہ رتبہ مذکور کا سردار ایسی اشخاص کو، جو وقتاً فوقتاً مابدولت کی تجویز اقدس سے نامزد ہو کر اس رتبہ کی بہادر مقرر کئے جائیں، عہدہ موسومہ 'نائٹ بیچار' عطا کرینکا مجاز ہے]۔ اسکا مکیواسطی لارڈ کینگ صاحب نے ایک دربار الہ آباد میں مقرر کرینکی تجویز کی۔ اور نواب سید یوسف علیخان بہادر کو بھی بلایا۔ نوابصاحب مع خدم و حشم الہ آباد گئے: یکم نومبر سنہ ۱۸۶۱ ع کو ایک شاہانہ دربار منعقد ہوا جب تمام اہالی جلسہ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے، تو نوابصاحب بہادر تخت شاہی کی محاذی تشریف لیگئے۔ اور گورنر جنرل نے اپنی ہاتھ سے اس رتبہ کی تمغہ عطا فرمائی۔ اور کھڑی ہو کر بیان کیا: '..... چونکہ یہ رتبہ سب سے پہلی آپ صاحبوں کو عطا ہوا ہے، امید ہے کہ آپ ہند کی باشندوں میں ایسا طریقہ اختیار کرینگو کہ آپ کا طرز عمل دیکھنے سے ہند کی سرداروں یا باجگزاروں کو ملکہ معظمہ کیساتھ محبت دلی اور اتحاد قلبی پیدا ہو'۔ بعد اس تقریر کے دربار برخاست ہوا۔ اور نوابصاحب گورنر جنرل سے رخصت ہو کر اپنی دارالریاست کو واپس تشریف لائے (اخبار الصادید، ج ۲، ص ۱۱۳-۱۱۶)۔

نوابصاحب کے فرمان بنام غالب مورخہ ۸ اکتوبر سنہ ۶۱ ع مطابق ۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ میں معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ۱۳ اکتوبر سنہ ۶۱ ع کو الہ آباد روانہ ہوئے۔ تقریباً ایک ماہ رامپور سے باہر رہنے کا خیال تھا۔ لیکن جیسا کہ میرزا صاحب کی خط سے معلوم ہوتا ہے نومبر کے پہلے ہفتہ میں واپس تشریف لی آئے۔

(۲) ان دونوں لفظوں میں میرزا صاحب نے ایک الف زائد لکھ دیا ہے۔ صحیح 'بالفعل' اور 'بالکل' ہے۔

طریقہ دعا گوئی و ثنا خوانی کی رعایت سے نویت بسیل مثنوی ، کہ جس میں حصول عطیہ سلطانی کی ہجری و عیسوی تاریخ ہے ، بہر حال لکھ لی ہیں . کل ورودِ عنایت نامہ سے معزز ہو کر آج وہ اشعار نذر کرتا ہوں^(۱) . زیادہ حدِ ادب . تم سلامت رہو قیامت تک . شفقت کا طالب غالب . دو شنبہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۱ .

(۲۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل ایک شعر ظہوری مغفور کا اور ایک شعر غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر صبح کو ڈاک میں بھجوا دیا . شام کو توقع و قیام ہرکارہ ڈاک نے لادیا . اگست سنہ ۱۸۶۲ کی پرورش کی ہندوی پہنچی ، اور سو روپیہ وصول ہو گئے .

فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہے . چند روز سے تفقد و التفاتِ قدیم میں ، خدا نخواستہ باشد ، کچھ کمی پاتا ہوں . اگر غلط ہے میرا گہان ، تو بشرفِ اطلاع مشرف فرمائیے . اور اگر میرا دلِ دیوانہ سچ سمجھا ہے ، تو متوقع ہوں کہ عتاب کے سبب سے آگہی پاؤں . زیادہ حدِ ادب . تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کیے ہوں دن پچاس ہزار

معروضہ صبحِ دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ ع . [مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ ھ] . یہ عرضداشت جدا ہے ، البتہ اس کے جواب کا امیدوار ہوں ، اور رسیدِ معمولی جدا ہے^(۲) .

(۲۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ مع سو روپیہ کی ہندوی کے پہنچا .

(۱) اس مثنوی کے متعلق لفافہ کی پشت پر نوٹ ہے : تاریخِ نزدمنشی سیلچند ماند . مرکازِ اسکی تعریف میں ۱۷ نومبر کو تحریر فرمایا : سبحان اللہ ! ہر تاریخ بے بدل اور بطورِ نادر اور تحفہ بے مثل ہے .

(۲) یہ عبارت عریضہ کی آخر میں مہر کی بعد تحریر ہے .

اگست سنہ ۱۸۶۲ کے مہینے کی پرورش کا روپیہ وصول ہوا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
[مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ ھ]۔ دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲۔

(۲۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شنامہ مع ہنڈوی سو روپیہ کے شرفِ
ورود لایا۔ سو روپیہ مصارفِ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ کا معرضِ وصول میں آیا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
معروضہ دم^(۱) اکتوبر سنہ ۱۸۶۲۔ خوشنودی مزاج کا طالبِ غالب۔

(۲۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شنامہ ربویت طراز، مورخہ ۱۱ مارچ
سنہ ۱۸۶۳، ۱۴ ماہِ مذکور کو میں نے پایا۔ دوسو روپیہ کی ہنڈوی کا شکر بجا
لایا۔ کہانتک شکر بجا لاؤنگا۔ کس کس عنایت کا سپاس ادا کرونگا۔ «شکرِ
نعمتہای تو چندانکہ نعمتہای تو»۔
اب سنیئے اپنے دعاگو کی داستان۔ منگل ۳ مارچ کو جناب لفٹنٹ
گورنر بہادر نے^(۲) خلعت عطا کیا۔ اور فرمایا کہ ہم تمہیں مژدہ دیتے ہیں،

(۱) لفافہ پر یوم جمعہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۲ لکھا ہے۔

(۲) سر رابرٹ منٹگری صاحب مراد ہیں۔ یہ فروری سنہ ۱۸۵۹ ع سے جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع تک پنجاب
کی لفٹنٹ گورنر رہے تھے۔ قدر بلگرامی کے نام کو مکتوب سے معلوم ہوتا ہے، کہ مرزا صاحب انکو
دربار میں شریک نہیں ہوی تھے۔ دربار کے بعد منٹگری صاحب نے بلاکر اپنی طرف سے خلعت عطا کیا،
اور وہیں دربار انبالہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ فرماتے ہیں: «..... رابرٹ منٹگری صاحب لفٹنٹ بہادر
قلندرو پنجاب میں (دلی) آئے۔ دربار کیا۔ میں لگیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجھکو
بلا لے گیا۔ بہت عنایت فرمائی۔ اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا، (اردو معنی، ص ۴۰۶، لاہور
ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ ع)۔ منشی شیونرائن کے نام کے خط میں واقعہ کی مزید تفصیلات تحریر کی ہیں۔
فرماتے ہیں: «... بڑی لارڈ صاحب کی ورود کے زمانے میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب ابھی دلی میں
آئے۔ دربار کیا۔ خیر کرو۔ مجھ کو کیا۔ ناگاہ دربار کی تیسری دن بارہ بجے چپراسی آیا، اور کہا کہ (باقی)

کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے^(۱) اپنے دفتر میں تمہارے دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں انبالے جاؤں؟ فرمایا البتہ انبالے جانا ہوگا۔

بعد جناب نواب صاحب کے جانے کے شہر میں شہرت ہوئی، کہ دلی کے لوگ انبالے جانے سے ممنوع ہیں۔ گھبرایا اور صاحب کشن کے پاس گیا۔ آپ خط اپنا دے آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں خط محررہ ۷ مارچ آیا۔ چنانچہ لفافہ بلحاظ گرائی وزن رہنے دیتا ہوں۔ اور خط بخنسنہ حضرت کو بھیجتا ہوں۔

کل سے ایک اور خبر اوڑی ہے، کہ نصیب اعدا لاژد صاحب کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ انبالے میں دربار نکرینگے۔ اور شملہ کو چلے جائینگے۔ اب میں دو وجہ سے بین السفر و السکون متردد ہوں۔ پہلی وجہ خاص۔ دوسری وجہ عام۔ دو سو مین سے سو لیکر ساز و سامان درست کیا ہے، اور سو مہاجن کے ہاں ڈاک اور خرچ راہ کی واسطے رہنے دئے ہیں۔ تار برقی میں جناب نواب صاحب سے حکم منگواؤنگا۔ جو حکم آئیگا آپ سے عرض کر کے اوسکی تعمیل کرونگا۔

(بقیہ) نواب لفٹنٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی یہ آخر فروری ہے۔ اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اوس ذاتیں ہات کو رخم کے سیدیہ ران میں اور بائیں ہات میں ایک ایک پھوڑا جدا ہے۔ حاجی میں پیشاب کرتا ہوں۔ اونہنا دشوار ہے۔ بہر حال سوار ہو گیا۔ پہلی صاحب سکرتو بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی۔ یعنی عنایت سے عنایت، اخلاق سے اخلاق۔ وقت رخصت خلعت دیا۔ اور فرمایا کہ یہ تم تجھ کو اپنی طرف سے ازراہ محبت دیتی ہیں۔ اور مژدہ دیتی ہیں، کہ لاژد صاحب کو دربار میں بھی تیرا مہر اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جا۔ دربار میں شریک ہو۔ خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا: 'خیر اور کبھی کو دربار میں شریک ہونا'۔ اس پھوڑی کا برا ہو انبالے نہاسکا' (اردو معنی، ص ۳۸۴ و ۳۸۳)۔

(۱) لاژد الگن بہادر مراد ہیں۔ یہ لاژد کیننگ کو بعد ہندوستان کو وائسرائے ہوئے۔ جنوری سنہ ۱۸۶۲ ع میں چارج لیا اور ۲۰ نومبر سنہ ۱۸۶۳ ع کو فوت ہو گئے۔ میرزا صاحب ایک مکتوب کو آخر میں لکھتے ہیں: '۲۱ جمادی الثانی سال ۱۲۸۰ مطابق ۳ دسمبر سال ۱۸۶۳' کیا غضب ہے کہ 'یہ گویا نارنج وفات جناب نواب گورنر جنرل لاژد الگن صاحب بہادر کی ہے' (اردو معنی، ص ۴۰۵)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
معروضہ ۱۶ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء (مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ھ) (۱)۔
(میرزا صاحب نے ایک عریضہ ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۶۳ء کو لکھا تھا۔
مثل میں اوسکا لفافہ موجود ہے۔ میر منشی صاحب دارالانشا نے اوسپر تحریر
کیا ہے: «عرضی در حضور ماند»۔)

(۳۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ جب انبالے میرا جانا ہوا، تو میں نے قصیدہ

(۱) میرزا صاحب نے ۱۳ رمضان مطابق ۴ فروری (سنہ ۱۲۶۳ع) کو میرزا تفتہ کی نام حسب ذیل خط لکھا
ہی: «... ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی برکار میں دربار میں مجھ کو ۷ پارچی اور تین رقم جواہر خلعت
ملتا تھا۔ لارڈ کینگ صاحب میرا دربار اور خلعت بند کر گئے ہیں۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا۔ اور مدت
العمر کو مایوس ہو رہا۔ اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے۔ میں جانتا تھا، کہ یہ بھی مجھے نہ
ملینگے۔ کل اونہوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت سی عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں
دربار نکریں گے۔ میرٹ ہوتی ہوئی اور میرٹ میں اون اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگزاروں کا
دربار کرتی ہوئی انبالے جائیں گے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انبالے جاؤ۔ شریک دربار
ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی کیا کہیں کہ کیا میری دل پر گزری۔ گویا مردہ جی اٹھا۔ مگر ساتھ
اس مسرت کی یہ بھی سناتا گزرا، کہ سامان سفر انبالہ و مصارف پر اتنا کہان سی لاؤں۔ اور طرہ
یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدہ کی فکر۔ اودھر روپیہ کی تدبیر۔ حواس ٹھکانے
نہیں۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے۔ وہ روپیہ کی فکر میں پریشان۔ میرا خدا یہ مشکل بھی آسان
کرے گا۔ لیکن اندون میں نہ دن کو چین ہے۔ نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطرین تمہیں، اور ایسی
ہی کئی سطرین جناب نواب صاحب کو، لکھ کر بھیج دی ہیں۔ جیتا رہا تو انبالے میں آکر خط لکھو لگا،
(اردو علی، ص ۱۱۱)۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے، کہ میرزا صاحب نے محوۃ بالا «سطرین» چار فروری کو یا اس سے
ایک دو دن قبل نواب صاحب کی خدمت میں ارسال کی تھیں۔ سوء اتفاق سے ان سطور والا عریضہ مثل
میں موجود نہیں۔ البتہ نواب صاحب کا جواب شامل ہے۔ القاب و آداب کی بعد ارشاد فرمایا ہے: «...
مشفق! ہندوی مبلغ دو صد روپیہ برای مصارف تشریف فرمائی ساری برای ملازمت جناب مستطاب معظم
الہم معطوف رقیۃ الوداد هذا مرسل خدمت شریف است»۔ یہ فرمان ۱۱ مارچ سنہ ۱۲۶۳ع کو تحریر کیا
گیا تھا۔ میرزا صاحب کے عریضہ میں اسکا حوالہ ہے۔ اصل عریضہ کے جواب میں نواب فردوس
مکان نے ۱۹ مارچ کو تحریر فرمایا: «... جو کہ خط نواب صاحب کشن بہادر سے عدم حصول شرف
ملازمت جناب مستطاب علی القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہم کا مقام انبالے مستطاب ہے،
اسواسطی تشریف لیجانا آپ کا انبالے کو بلا استجازات ضرور نہیں معلوم ہوتا۔ آئندہ جو رای زرین
آپ کی اس خصوص میں مقتضی ہو۔ اور خط مسطور بحسنہ واپس بھیجا جاتا ہے...»۔

مدح، جو دربار کی نذر کیواسطے لکھا تھا، بطریق ڈاک جناب چیف سکرتہر بہادر کو اس مراد سے بھیجا، کہ آپ اسکو جناب نواب علی القاب کی نظر سے گزرانیں^(۱)۔ اور یہ دستورِ قدیم تھا، کہ جب مین قصیدہ مدحیہ بھیجتا، تو صاحب سکرتہر بہادر کا خط بیواسطہ حکام ماتحت مجکو آجاتا۔ اب جو مین نے موافق معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے مہینے مین وہ لفافہ یہاں سے لشکر کو گیا، صدائی برنخاست۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسم تحریر خطوط نہ رہی، تو دربار اور خلعت کھان۔ ناگاہ کل شام کو صاحب سکرتہر بہادر کا خط ڈاک مین آیا۔ وہی افشانی کاغذ۔ وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیجدون، تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مگر برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامہ اور خط کی بھیجتا ہوں۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
حضور کی خوشنودی کا طالب غالب۔ صبح سہ شنبہ ۴ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۳ء^(۲)۔

- (۱) قصیدہ مذکور کیلئے مثنوی ابرگر بار (ص ۳۵)، مطبوعہ اکل المطابع، دہلی، سنہ ۱۲۸۰ھ) ملاحظہ ہو۔
(۲) صاحب سکرتہر بہادر کی محولہ بالا خط کی نقل حسب ذیل ہو:

نقل خط جناب صاحب سکرتہر بہادر

مر نامہ۔

در شہر دہلی۔

خانصاحب بسیار مہربان دوستان، مرزا اسد اللہ خان غالب سلمہ اللہ تعالیٰ۔
خط پر کاغذ افشان۔

خانصاحب بسیار مہربان دوستان سلامت۔

قصیدہ با آب و تاب در مدحت نواب مستطاب علی القاب و بدرای و گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ وصول گردیدہ، بر رخ ارادت آن مہربان آو، و بر جبین عقیدت ایشان تابی اورود۔ و از گرانمایہ گوہرهای بحر فکر یکتا بخنور معنی پرور، کہ گنج برگنج نہادہ بود، از نظر قبولی ہندگان نوابصاحب مدوح گزشتہ، طرب پیرای خاطر ہمایون ایشان گشت۔ زیادہ چہ نگاشتہ آید۔ (دستخط انگریزی)
مرقوم ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۶۳ع۔

یہاں یہ امر قابل اظہار ہے کہ میرزا صاحب کو اس روحانی سرور کو حصول مین اونکو ایک جسمانی عارضہ نے خلل اندازی کی۔ چنانچہ جمعہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۶۳ع کو میر رفرفراز حسین کو (باقی)

(۳۱)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم کے معروض ہے . نوازشنامہ اور اوسکے ساتھ دو بہنگیان
دو سو آمون کی پہنچین . «شکرِ نعمتہایِ تو چندانکہ نعمتہایِ تو» . زیادہ
حدِ ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب . سہ شنبہ پنجم جولائی سنہ ۶۴ .

(۳۲)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . منشورِ عطوفت مع قطعہ ہندوی شرفِ
ورود لایا . سو روپیہ بابت تنخواہ جولائی سنہ ۱۸۶۴ کے معرضِ وصول
میں آیا .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ترحم کا طالب غالب . ۱۱ اگست سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۳)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ مع ہندوی عزِ ورود لایا . سو
روپیہ بابت تنخواہ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۴ معرضِ وصول میں آیا . زیادہ

(بقیہ) لکھتے ہیں: «رجب کے مہینے میں سیدی ہاتھ پر ایک بھنی ہوئی، بھنی پھوڑا ہو گئی . پھوڑا
پھونکر زخم بنا . زخم بگڑ کر غار ہو گیا . اب بقدر یک کف دست وہ گوشت مردار ہو گیا . انبال
نجات کی بھی یہی وجہ ہوئی (اردو می، صفحہ ۱۵۲) . بعد ازاں ۳ مئی کومنٹی شیونر این کولسکا
ہو: ... اس پھوڑی کا برا ہو انبال نجاسکا» (ایضاً، صفحہ ۲۸۴) . میرزا فتح کو ایک غیر مورخہ
خط میں اطلاع دی ہو: «لو صاحب! ہم نے لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قناعت کر کے انبال کا
جانا موقوف کیا . اور بڑی گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف رکھا . بیار ہوں . ہات
پر ایک زخم، زخم کیا ایک غار، ہو گیا ہو . دیکھو انجام کار کیا ہوتا ہو» (ایضاً، صفحہ
۳۶۸، لاہور ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ ع) .

حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . جمعہ نہم ستمبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . صدور والا نامہ سے مین نے عزت پائی .
بذریعہ ہندوی سو رویہ بابت تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ وصول ہوئے . زیادہ
حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ترحم کا مستحق اور تفقد کا طالب غالب . دو شنبہ دہم اکتوبر سنہ
۱۸۶۴ عیسوی .

(۳۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم و نیاز معروض ہے . جب سے حضرت کی ناسازی مزاج
مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے ، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر اور
میری بی بی پر اور میرے فرزند حسین علی خان^(۱) پر کیا گزر رہی ہے . ایک دن
رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی . ہم سب نے فاقہ کیا . بارے وہ خبر
وحشت اثر غلط نکلی . حواس ٹھکانے ہوئے . بالکل^(۲) اطمینان جب ہوگا
کہ آپ کے غسلِ صحت کی نوید سنونگا . اور قطعہ تاریخِ غسلِ صحت لکھکر

(۱) حسین علی خان ، مرزا صاحب کو متنبی زین العابدین خان عارف کو لڑکے تھے . باپ کو انتقال کے بعد مرزا
صاحب نے انہیں پوتوں کی طرح پالا تھا . نواب خلد آشیان کو عہدہ میں ریاست سے وظیفہ پائی
لگی تھی . یہ نہایت خوشگو شاعر تھے . اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے . فارسی
میں خیالی اور اردو میں شادان تخلص تھا . اپنی والد کی طرح انہوں نے بھی نوجوانی کے عالم میں
سنہ ۱۲۹۶ھ (۱۸۸۰ع) میں انتقال کیا . شادان فرخ نہاد ، مادہ تاریخ ہی (انتخاب یادگار ، صفحہ ۲۷
و ۱۷۶ ، و تاریخ لطیف قلبی ، ص ۱۵۲ ، مصنفہ مولوی مہدیعلیخان مرحوم سابق تحویلدار کتب خانہ) .

(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کا املا دو القون کو ساتھ لکھا ہے . صحیح بالکل ، بیك الف ہے .

بھی چونگا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقتِ مرض سے آگہی حاصل ہو^(۱)۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار تمہاری سلامتی کا طالب غالب۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۴ء۔

(۳۶)

حضرت ولی نعمت آیۃ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ ابتدائی یکم نومبر سے ۱۱ تک عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نہار مجھ پر کیسے گزرے ہیں۔ راہ دور، مین رنجور، معہذا بیمقدور۔ اگر دلی سے رامپور تک شکرم کی ڈاک جاتی ہوتی، تو مین یہاں ایک دم نہ ٹھرتا اور خدمت مین حاضر ہوتا۔ تار برقی بھی نہیں جو صحت و عافیت کی خبر جلد حاصل ہو۔ ناچار از راہِ اضطراب ۸ ماہِ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانہ کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشدِ کامل یعنی حضرت کی ہدایت نے اوس خط کے جواب آنے کی مدت سے پہلے مجھے گردابِ اضطراب سے نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نوازشنامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی۔ بلکہ ایک اور نئی جان میرے بدن مین آگئی۔ اب استدعا یہ ہے کہ حالِ ناسازیِ مزاجِ اقدس مفصل معلوم ہو۔ زیادہ حدِ ادب^(۲)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار عافیت کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴ء۔

(۱) نواب فردوس مکان اس سال عارضۂ سرطان مین مبتلا ہو کر مسلسل ۶ ماہ تک علیل رہی۔ میرزا صاحب سے اونکی تعلقات شاگردانہ اور کریمانہ تھی۔ اسلئے جب علالت کی اطلاع ملی تو یہ بہت متردد ہوئی، اور بذریعہ عریضہ ہذا حقیقتِ مرض سے آگاہ کرنیکی درخواست کی۔ لیکن مثل مین اس کا جواب موجود نہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً شدتِ مرض کی سبب جواب مین تاخیر ہوئی۔ اور جب اس عرصہ مین میرزا صاحب کا آئندہ خط بھی موصول ہو گیا تو دونوں کے جواب مین مرض کی حقیقت سے اونہیں اطلاع دی گئی۔

(۲) اس عریضہ کے جواب مین ۱۹ نومبر کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا "مشفقاً! اب فضل الہی سے پہرۂ لاحقہ مین بہت تخفیف اور قریب الاندمال کلی ہو۔" عریضہ نمبر ۳۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمان مرزا صاحب کو ۲۶ نومبر کو موصول ہوا۔

(۳۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . عنایت نامہ مع ہنڈوی شرف ورود لایا .
سو روپیہ بابت اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا . زیادہ حد ادب .
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
عافیت کا طالب غالب . ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . کس زبان سے کہوں ، اور کس قلم سے لکھوں ،
کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے . ہر روز شام تک
جانب در نگران رہتا ، کہ ڈاک کا ہرکارہ آئے ، اور حضرت کا نوازشنامہ
لائے . بارے خدا کی مہربانی ہوئی . از سر نو میری زندگانی ہوئی ، کہ کل
چار گھنٹی رات گئے ڈاک کے ہرکارے نے وہ عطوفت نامہ عالی دیا ، جس
کو پڑھ کر روح تازہ رگ و پیے میں دوڑ گئی . نیند کس کی . سونا کس
کا . روشنی کے سامنے بیٹھا اور اشعار تہنیت لکھنے لگا . سات شعر مع
مادہ حصول صحت جب لکھ لئے تب سویا . اب اس وقت وہ مسودہ صاف
کر کے ارسال کرتا ہوں^(۱) .

(۱) اشعار مذکور کی متعلق عریضہ کی لفافہ پر نوٹ ہے : " حسب الحکم تاریخ نزد مولوی امیر احمد صاحب
فرستادہ شد . یکم دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع . امیر صاحب نے تذکرہ انتخاب یادگار (ص ۲۵۰) میں ،
قطعة تاریخ غسل صحت کی نام میری ۶ شعر درج کئے ہیں :

دائم شنیدہ کہ در اقصای مغربست
جوی بریدہ اند و روان کردہ اند آب
ہنگام شب کہ زیر زمین باشد آفتاب
حمام حوض بگر و گل جامش آسمان
آمد برای غسل بگرما بہ اندرون
اینگ (فراغ) و (اخترنیک) و (خجستہ روز)
مر چشمہ کہ خضر شد از وی بقا بزر
حمام را بمحوض ازان فرخ آب گیر
از تاب مہر گرم شد آن آب نا گیر
و آن را سفید کردہ فروغ مہ منیر
مانند معنی کہ نہد روی در ضمیر
پیداست زین مہ لفظ مہ تاریخ دلپذیر

(باقی)

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
خیر و عافیت کا طالب غالب . ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ عز و رود لایا . از روی ہندوی
سو روپیہ بابت تنخواہ ماہ نومبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا . زیادہ
حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
تمہاری سلامتی کا طالب غالب . ۱۳ رجب و دسمبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۴۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضرت کے قدموں کی قسم چوب چینی کے
ارسال کا حکم ڈاک سے میں نے نہیں پایا . ۲۲ دسمبر کو ہرکارہ آیا . نوازشنامہ
شرف افزا لایا . دلی اب شہر نہیں ، چھاؤنی ہے ، کنپ ہے . نہ قلعہ ، نہ شہر
کے امرا ، نہ اطراف شہر کے روسا . بہر حال تین چار دن میں ہر یک جگہ
سے منگوا کر رنگین و سنگین و بے گرہ یا کم گرہ خود چنکر پانچ سیر قطعات

(بقیہ) اس میں چوتھی شعر کے بعد ایک شعر ساقط معلوم ہوتا ہے . نواب صاحب نے اس قطعہ کی
تعریف میں حسب ذیل گرامی نامہ ۲۴ شعبان سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۶۵ع کو تحریر فرمایا :
ہماری صحت کی تہیت میں قطعہ مبارک باد کا ، جو آپ نے بھیجا ہے ، وہ پونہجا . اوسکی آتی می سرور
صحت دوبالا ہو گیا . ایسی نظم ایسی تاریخین دوسری کب ہو سکتی ہیں . حقا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو
بر مثل اور عدیم النظیر پیدا کیا ہے . جس کمال کو دیکھو اوس میں آپکی ذات فرد کامل ہے . فی
الحقیقت ہم نے اس مرض میں بڑی تکلیف اٹھائی . بہت ایذا پائی . اللہ نے بڑا فضل فرمایا . دوستوں کی
دعا کو قبول کیا . شفا حاصل ہو گئی ہے . اندک زخم اندمال ہوئیکو باقی ہے . غالب ہے کہ دس
بارہ دن میں مرہم لگانا موقوف ہو جائے . آپ کا ہدیہ مرسلہ اکثر نقل محفل رہتا ہے . جو
ستا ہے جو دیکھتا ہے وارفتہ ہوجاتا ہے . سچ ہے ایسی لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں . ہزاروں
برس فلک چرخ لگاتار ہی تب کہیں ایک شخص اس کمال کا پیدا ہوتا ہے . الہم بصحت و عافیت
طول عمر عطا کری . اور تا دیرگاہ اہل جہان آپ کی ذات سے مستفید ہوا کریں . باقی خیریت .

چوب چینی ایک ٹھلیا مین رکھ کر آئے سے منہ بند کیا . پھر کپڑا لیٹا . ڈورے سے خوب مضبوط باندھ کر دو جگہ اپنی مہر کی اور وہ ٹھلیا کھار کو سونپی . تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون روزِ دو شنبہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ . وقتِ صبح حوالہ کھارِ سرکار . (مہرِ غالب) .

(۴۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ کے ورود سے عزت اور ادراکِ صحت و عافیت مزاجِ اقدس سے مسرت حاصل ہوئی . پرچہ ہنسڈوی اوس تویع مین ملفوف پایا . سو روپیہ بابت تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ معرضِ وصول مین آیا . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون حضور کی سلامتی کا طالب غالب . ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۵ عیسوی .

(۴۲)

بحضرتِ فلک رفعت . نوابِ معلی القاب . انجم گروہ ، آفتاب شکوہ ، بہ بخشش و بخشایش بینوایان را تونگر کن ، و ناتوان را توانا ساز ، در عز و جاہ با تاجدارانِ همسر . و در ملک و سپاہ با شہریارانِ انباز ، کہ بفرزانیِ حلقہ در گوش افگندہ دانش گستران ، و بمردانگی غاشیہ بردوش نهندہ دلاوران . ہرچہ از نیایش و ستایش بتقدیم ہمیرسد ، حرزِ بازویِ ہمت است ، تا بدان نیرو در سخن دلیری تواند کرد . همانا از رازِ سپہر و ستارہ سخن ہمیرود . و خجستگی و فرخندگی چند گفتمی شود .

این نافِ ہفتہ کہ راستان در باستان این را « بہرام روز » می گفتند ، و اکنون سہ شنبہ نام دارد ، روزیست فیروز و پڑہ ، درین سالِ فرخ فال ، کہ دو یمین روز است از فروردین ، و روزِ بست و یکم از مارچ ، و روزِ بست

و دوم از شوال. بارے نخست بر آن سروِ شاه نشان، که امروز بشتنِ اندام آبرویِ گرمابه افزود، مبارک. و سپس بر غالبِ سخندان، که عافیت جوی و دعاگویِ این درگاه ست، همایون.

همانا درین روزگار خسروِ ستارگان، که مهرِ منیرش دانی، در بره. و از سویِ فراز نخستینِ سیارگان، که زحاشِ خوانی، در ترازو. سعدِ اکبر به قوس. و سعدِ اصغر به ثور. آن دو نیر به بیت الشرف خوشنود و شاد. و این دو اختر بکاشانه‌هایِ خویشتنِ آباد. گمان ندارم که از خسروانِ پارس و سلاطینِ عرب هیچکس را چنین طالعی بهرِ جلوسِ اتفاق افتاده باشد، که حضرت ولیِ نعمت را برایِ غسلِ صحت دست بهم داده است. خرد تا گفتارِ مرا شنود، چشمک زد، و به پیغاره سرود که: «ای در درخشانیِ انجم و آفتاب چون کودکان در بال افشانیِ کرمکهایِ شب تاب نگران، از حلقهٔ اختر شماران بدر آی. و بدبستانِ حکمایِ روحانی رمزی از حکمتِ ایمائی بشنو. تا بدانی که بدین امیرِ مسند سریرِ سلطانِ نظیرِ عمرِ جاودانی و دوامِ لذتهایِ روحانی بخشیده اند». گفتم: «تا برهان نباشد کالبدِ سخن را جان نباشد. مرا ییخبر مپندار. و اگر حجتی داری بیار». گفتم: «برهانے ازین ارجمند تر، و حجتی ازین خرد پسند تر، چه خواهد بود. که چون آفریدگان را در آن جهان عمر دو باره دهند، دیگر بیمِ مرگ برخیزد. و به بانگِ صور از خوابِ فنا جستگان در آن گیتی جاوید پایند. مگر صحتِ خداوند ازین رنجوری هولناک بدان نماند، که پنداری عمر دوباره یافت؟ پس اقتضایِ دوباره زیستن تغیر چرا پزیرد. و چون هستی یافتگانِ آن جهان در آن جهان جاودان زنده ماند، آنکه درین گیتی حیاتِ ثانی پزیرفته باشد، هم درین گیتی همیشه زندگانی چون نکند. این عمرِ عزیز که بخدایگان داده اند، عمرِ خضر و الیاس نباشد، که یکے را بشمردنِ ریگِ صحرا، و دگرے را به پیمودنِ آبِ دریا

گزرده. انشاء اللہ العظیم جنابعالی، تاجہانست، پرویز بزم، تہمتن رزم، دشمن گداز، دوست نواز، بلب در سخن اخترفشان، و بکف در کرم گوہرفشان خواہند زیست».

قطعہ تاریخِ غسلِ صحت، و قصیدہ تہنیت کہ پیش ازین فرستادہ ام^(۱)، نظمے است شاعرانہ. و این نگارش نثریست عارفانہ. قانونِ حکمت و شریعت

(۱) قطعہ تاریخِ غسل عریضہ نمبر (۳۸) کے حاشیہ میں درج کیا جا چکا ہے. قصیدہ تہنیت مثل میں شامل نہیں. لیکن اردو دیوان غالب مع شرح نظامی (مطبوعہ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ع) کے صفحات ۲۴۴-۲۴۷ پر ایک قصیدہ پایا جاتا ہے، جو نواب سعید الدین احمد خان طالب مرحوم جاگیردار ریاست لوہارو سے رسالہ کال دہلی کو حاصل ہوا، اور اوسکی اشاعت جنوری سنہ ۱۹۱۰ع سے مولانا نظامی نے نقل کیا. مولانا کے خیال میں یہ قصیدہ نواب سید کلب علیخان بہادر خلد آشیان کے غسلِ صحت کی تہنیت میں لکھا گیا تھا. لیکن میری نزدیک یہ مرزا غالب کا محوۃ بالا قصیدہ ہے. اسلو کہ اسمین جشن کے موقع پر عید، نوروز، اور ہولی کا جمع ہونا تحریر کیا گیا ہے. اور منشی امیر احمد امیر مینائی کے قطعہ تاریخ (انتخاب یادگار، ص ۵۰) سے معلوم ہوتا ہے، کہ تیوہارون کا یہ اجتماع نواب فردوس مکان کے غسلِ صحت کے وقت ہوا تھا. ان کے قطعہ کا آخری مصرع ہے: «مہینا عید کا نوروز کا دن غسلِ صحت ہے». مرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے:

مرحبا سال فرخی آئین !	عید شوال، و ماہ فروردین
شب و روز. افتخار لیل و نہار	مہ و سال، اشرف شہور و ستین
گرچہ ہی بعد عید کے نوروز	لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کی	جا بجا مجلسین ہوئیں رنگین
شہر میں کو بکو غیر و گلال	باغ میں سو بسو گل و نسرين
شہر گویا نمونہ گلزار	باغ گویا نگارخانہ چین
تین تیوہار، اور ایسی خوب	جمع ہرگز ہوی نہونگی کہین
پھر ہوتی ہی اسی مہینے میں	منعقد محفل نشاط قرین
عفل غسلِ صحت نواب	رونق افزای مسند تمکین
برمگہ میں، امیر شاہ نشان	رزمگہ میں، حریف شیر کین
پیشگاہ حضور، شوکت و جاہ	خیر خواہ جناب، دولت و دین
جن کی مسند کا آسمان گوشہ	جن کی خاتم کا آفتاب نگین
جن کی دیوار قصر کے نیچی	آسمان سے گدای سایہ نشین
دھر میں اس طرح کی بزم سرور	نہ ہوتی ہو کبھی بروی زمین
انجم چرخ، گوہر آگین فرش	نور بی ماہ، ساغر سیمین
راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے	ہی وہ بالای سطح چرخ برین
وہ نظرگاہ اہل وہم و خیال	یہ ضیاعش چشم اہل یقین
وان کھان یہ عطا و بذل و کرم	کہ جہان گدیہ گر کا نام نہیں

(باقی)

را جامع . ہم از رویِ نقلِ حق ، و ہم از رویِ عقلِ راست . بقایِ خداوند
بعمرِ تازہ جاودانی ، و نشاطِ بی اندازہ پیشکارِ این حیاتِ ثانی باد ! چارِ شنبہ
۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ ، و ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۶۵ (مہرِ غالب) (۱) .

<p>(بقیہ)</p> <p>یان زمین ہر نظر جہانتک جاؤ نغمۂ مطربان زہرہ نوا اوس اکھاڑی مین جوکہ ہر مظلون سرور مہر فر ہوا جو سوار سب فی جانا کہ ہی پری توسن نقش سم سمند سی یک سر فوج کی گرد راہ مشک فشان بس کہ بخشی ہی فوج کو عزت موکب خاص یون زمین پر تہا چھوڑ دیتا تہا گور کو بہرام اور داغ آپ کی غلامی کا بندہ پرور ! نا طرازی سی آپ کی مدح اور میرا منہ اور پھر اب کہ ضعف پیری سی پیری و نیستی، خدا کی پناہ ! صرف اظہار ہی ارادت کا مدح گستر نہیں ، دعا گو ہی ہی دعا بھی یہی کہ دنیا مین</p>	<p>ژالہ آسا بچی مین در ٹین جلوۂ لولیان ماہ جین یان وہ دیکھا بہ چشم صورت مین بہ کال تجمل و تزئین اور بال پری ہی دامن زین ہنگیا دشت دامن گل چین رہ روون کی مشام عطر آگین فوج کا ہر پیادہ ہی فرزین جس طرح ہی سپہر پر پروین ران پر داغ تازہ دیکو وہین خاص بہرام کا ہی زیب سرین مدعا عرض فر شہر نہیں گر کہون بھی تو آئی کسکو یقین ہو گیا ہون نزار و زار و حزین دست خالی و خاطر غمگین ہی قلم کو جو سجده ریز زمین غالب عاجز نیاز آگین تم رہو زندہ جاودان ، آمین !</p>
--	--

(۱) اس نثر کی رسید مین ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۳ اپریل سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب صاحب فی تحریر فرمایا : ۵ نثر نثرہ نثار آپ کی آئی . جشنِ صحت کی مسرت بڑھائی . زبانِ خامہ کو بحالِ صفت نہیں . خامۂ زبان کو یارِ مدحت نہیں . سچ یہ ہی ، کہ آپ کی ذات ہر کمال مین فرد کمال ہی . ہر فقرہ مین قوتِ سبحانی حاصل ہی . انصاف کی تو یہ بات ہی ، کہ یہ تحریر نہیں کرامات ہی . اس جشن مین اگرچہ بظاہر آپ شریک نہیں ہوئی ، مگر میری نزدیک شریکِ غالب رہی . اللہ تعالیٰ صحت اور قوت عطا فرماؤ . مشتاقون کو لطفِ مجالستِ ہائے آئی . دست دعا بلند ہی . نویدِ صحت کی طبیعت آرزو مند ہی . حال اپنا اکثر لکھتی رہی . زیادہ شوق ہی . اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۲۳) سی معلوم ہوتا ہی کہ حسبِ تجویز صاحبزادہ سید کاظم علیخان بہادر عرف چھوٹی صاحب باغِ بظیر مین یہ جشن منایا گیا تھا .



بمحضور نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض و عمان احسان، امیر المسلمین نواب کلب علیخان بہادر دام اقبالہ مقبول باد^(۱)

(نواب سید محمد کلب علیخان بہادر خلد آشیان نواب فردوس مکان کی فرزند اکبر تھی۔ آپ جناب عالیہ فیروز النساء بیگم صاحبہ ملقب بہ نواب بہو بیگم دختر سید عبد العلی خان بہادر، خلف نواب سید غلام محمد خان بہادر کی یمن سی ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۳۵ع کو اتوار کی دن صبح کیوقت متولد ہوئی۔ سنہ ۱۸۶۴ع میں گورنر جنرل کی منظوری سی ولیمہ ریاست اور ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع مطابق ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۳۸۱ھ کو جمعہ کی دن ۳۰ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئی۔ ۱۵ محرم سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۰ جون سنہ ۱۸۶۵ع کو مسٹر جان انگلس ایجنٹ ریاست وکشنر روہیلکھنڈ فرامپور آکر باضابطہ رسم مسند نشینی ادا کرائی۔ ماہ رجب سنہ ۸۲ھ مطابق دسمبر سنہ ۶۵ع میں ملکۃ معظمہ کیجانب سی خلعت آیا۔ اور اسی مہینے میں جشن جلوس منایا گیا۔ آپ بڑی حاتم دل، پابند شرع، بامروت، اور خلیق تھی۔ باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتی، اور غیر شرعی آمدنی سی خزانہ کی دولت کو پاک رکھتی تھی۔ خود صاحب علم تھی۔ فارسی خلیفہ غیاث الدین عزت صاحب غیاث اللغات سی حاصل کی، اور علوم حکمیہ مولوی فضل حق خیر آبادی اور مولوی عبد الحق خیر آبادی سی پڑھی۔ انکا دربار اہل فضل و کمال سی بھرا رہتا تھا۔ مشرقی علوم و صنائع کا شاید ہی کوئی ایسا ماہر ہو، جو انکی خوان جود و کرم کی زلہ ربائی نہ کرتا ہو۔ ان میں علما، شعرا، ادبا، خطاط، صحاف، طبایح، اور دیگر تمام ہنروں کی ماہرین شامل تھی۔ علمی مباحثوں کا بہت شوق تھا۔ روزانہ دربار میں کسی نہ کسی علمی یا ادبی مسئلہ پر اہل دربار طبع آزمائی کیا کرتے تھی۔ آپ خود برابر کا حصہ لیتی، اور اسطرح اپنی معلومات کی دائرہ کو وسیع سی وسیع تر بناتی رہتی تھی۔ کتابیں جمع کرتی اور اونہیں پڑھتی کا بھی بیحد شوق تھا۔ اوس عہد میں جسقدر نایاب اور نادر کتابیں مہیا کیگئی ہین، وہ اپنی اہمیت اور قیمت کی لحاظ سی مستقل کتابخانہ کی حیثیت رکھتی ہین۔ چونکہ فارسی ادبیات سی زیادہ تعلق خاطر تھا، اسلیں جب کوئی نئی فارسی کتاب داخل کتابخانہ ہوتی اوس کی سر ورق پر اپنی قلم سی تاریخ آمد وغیرہ لکھتی، اور خود مطالعہ کر لینی کی بعد کتابخانہ کی زینت بنو کی اجازت دیتی تھی۔ اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے، اور نواب تخلص فرماتے تھی۔ فارسی کلام مرزا محمد تقی خان سپہر ملقب بلسان الملک مستوفی اول دیوان ہمایون اعلیٰ سلطنت ایران مولف ناسخ التواریخ کی نظر سی گزرا تھا۔ اردو کلام منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی دیکھا کرتے تھی۔ ایک فارسی نثر مرزا غالب کو بھی اصلاح کیواسطی بھیجی تھی۔ مرزا انکی طرز نگارش کی بیحد مداح تھی۔ تصنیفات میں چار اردو کی دیوان، دیوان فارسی، تاریخ شاہان سلف، انتخاب بوستان خیال اور متعدد نثرین ہین۔ نوابصاحب کو اخبار بینی کا بھی شوق تھا۔ اخبار دہدبہ سکندری، جو رامپور کا پہلا اخبار ہی، انہی

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کی لفافوں پر لکھا کرتی تھی۔ میں نے عنوان میں تبرکاً نقل کردی ہے۔

کی ایما می ۱۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع سی ہفتہ وار شائع ہونا شروع ہوا۔ تعمیر کا بھی شوق تھا، اور سابق جامع مسجد اور متعدد علات اون کو اس شوق کی رہین منت تھی۔ آپ نے بائیس سال سات ماہ کی حکومت کے بعد ۵۳ سال ۶ ماہ ۷ روز کی عمر میں بدھ کو دن ۳ بجو سہ پہر ۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۰۴ ہجری مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۸۸۷ ع کو انتقال کیا۔ امیر مینائی نے خوابگاہ حامی اسلام امیر المومنین، سی تاریخ وفات نکالی ہو۔

(۴۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض باد۔ نوازشنامہ مع ہندوی صدر رویہ عز وروود لایا۔ اپریل سنہ ۱۸۶۵ کی تنخواہ کارویہ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حد ادب۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار عنایت کا طالب غالب۔ ۶ مئی سنہ ۱۸۶۵ عیسوی^(۱)۔

سر تا سر دھر عشرتستان تو باد صد رنگ گل طرب بدامان تو باد عید است، و بہار خرمی ہا دارد جان من و صد چون من بقریان تو باد عنایت کا طالب غالب۔ شنبہ صبح روز عید ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری نبوی^(۲)۔

(۱) ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ ع کو جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نواب فردوس مکان نے انتقال کیا۔ یہ خبر وحشت اثر دلی پہنچی، تو میرزا صاحب نے نواب سید کلب علیخان بہادر خلد آشیان کے نام ۲۷ ماہ اپریل کو ایک عریضہ لکھا۔ اصل تحریر مثل میں موجود نہیں۔ میرزا نقتہ کے نام کے مکتوب می، جو ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ ع کو لکھا گیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ عریضہ تعزیت وفات اور تہنیت جلوس پر مشتمل تھا۔ فرماؤ میں: رامپور می اپریل کے مہینے کا رویہ، اور تعزیت و تہنیت کے خط کا جواب آگیا۔ آئندہ جو خدا چاہے (اردو میں لاہور ایڈیشن، سنہ ۱۹۲۶ ع، صفحہ ۳۵۹)۔ نواب خلد آشیان نے یکم مئی کو اس عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا: محیفہ شریفہ مورخہ ۲۷ ماہ گذشتہ اسبی مخلص وصول الطاف آوردہ بما فیہا مطلع نمود۔ مشفقاً! آنچه مشاہدہ آن کمفرما از عبد نواب صاحب وقیلہ فردوس مکان مقرر است انشاء اللہ تعالیٰ بدستور جاری ماندہ، حسب ضابطہ بسای خدمت رسیدہ خواہد ماندہ۔ اسکی بعد مکرار فی ماہ اپریل کی تنخواہ کی ہندوی کا ذکر کیا ہو۔ میرزا صاحب کا عریضہ اسی فرمان کی رسید ہو۔

(۲) یہ رباعی ایک علحدہ ورق پر لکھی ہوئی مکتوب نمبر ۴۳ کیساتھ منسلک ہو۔ لیکن ازروی تاریخ اسکو دو تین دن بعد دلی سے روانہ ہونا چاہیے۔ اسکو کہ ۶ مئی کو ذی الحجہ کی ۸ تاریخ ہوگی اور یہ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو لکھی گئی ہو، جو ۸ مئی کے مطابق ہوگی، بنا بریں ۶ تاریخ کے خط کیساتھ روانہ نہیں ہو سکتی۔

(۴۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . تنہیت نامہ ارسال کر چکا ہوں . جواب
 پا چکا ہوں . قصیدہ کا لفافہ ارسال کیا ہے . یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا^(۱) .
 حضرت فردوس مکان سپہر آستان کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین

(۱) قصیدہ تنہیت مثل میں موجود نہیں . لیکن میرزا صاحب نے اسکی ایک نقل خواجہ غلام غوث خان
 بیخبر کو بھیج دی تھی ، جو عود ہندی (صفحہ ۱۷۱) میں ، خواجہ صاحب کے نام کے مکتوب
 کیساتھ درج ہے . فرماتے ہیں : والی رامپور کو خدا سلامت رکھے . اپریل میں ان
 دونوں مہینوں کا روپیہ موافق دستور قدیم آیا . جون ماہ گذشتہ کا روپیہ خدا چاہے تو
 آجائے . آج جمعہ ۷ جولائی ہے . معمول یہ ہے کہ دسویں بارہویں کو رئیس کا خط مع ہڈوی
 آیا کرتا ہے . میں نے قصیدہ تنہیت جلوس بھیجا . اوسکا جواب آگیا . اب میں نظام و نثر کا
 مسودہ نہیں رکھتا . دل اس فن سے نفور ہے . دو ایک دوستوں کے پاس اوسکی نقل ہے . اونکو
 اسوقت کہلا بھیجا ہے . اگر آج وہ آگیا کل ، اور اگر کل آیا پرسوں بھیج دوں گا . اسکی بعد
 قصیدہ شروع ہوتا ہے . چونکہ اسکی ساتھ کوئی نیا خط نہیں ہے اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ
 خط کی روانگی کے قبل ہی قصیدہ کی نقل موصول ہوگئی ہوگی . اور خط اور قصیدہ دونوں
 ساتھ بھیجے گئے ہونگے . قصیدہ یہ ہے :

بہ شکل کلب علی خان دگر نمود ظهور
 کہ رشک بر کلدش دارد افسر فغفور
 نگاہ قہر وی از روی مہ رباید نور
 چو خیل مور دود بر ورق حروف سطور
 بساط بزمگش کارگاہ سور و سرور
 بہ بزم عشق مہین ہم پیالہ منصور
 بحسب ضابطہ جاہ آفتاب ظهور
 ز راہ قاعدہ ، شرع امرست او مامور
 بود ہمیشہ بہ حنجان وی شراب طہور
 تو شاہ کشور حسن و خرد ترا دستور
 ثواب کرۂ چرخ ہشتمی مزدور
 قفا خور تو ارسطو بدرسگاہ شعور
 نہ پیہ گاؤ بکار آوردند و نہ کانور
 بجای موم بر آید ز خانۂ زنبور
 ز بہر فاتحہ آئی اگر تو سوی قبور
 کہ از ورود تو ہر مردہ رقص اندر گور
 کہ ای برحم و کریم در جہانپان مشہور ! (باقی)

تجلی کہ ز مومی رہود ہوش بطور
 خجستہ سرور سلطان شکوہ را نازم
 ہوائ لطف وی از جان خور برد سوزش
 دم نگارش وصف کلام شیرینش
 فنای رزمگش شاہراہ قہر و غضب
 بخوان شرع بہین مہنوالۂ شبلی
 ز روی رابطہ حسن مہتاب جمال
 بحکم مرتبہ ، او حاکم و فلک محکوم
 چو آب سیل روان کہ ایستد بمفاک
 زہی وزیر و خیر شہریار دانادل
 بنای منظر جاہ ترا زحل معمار
 ثنا گر تو سکندر بہ بارجای جلال
 برای بزم نشاط تو شمع چون ریزند ق
 ز فیض نسبت بخلق تو عذیر سارا
 بدین خرام و بدین قامت و بدین رفتار ق
 جہان جانی و جان جہان ، عجب نبود
 بہ پیشگاہ تو زانوی می زند انصاف

مہینے پہلے سلام پانچ ساتھ^(۱) لکھتے تھے، اور فرداً فرداً میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جب وہ فراہم ہو چکے، تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح دیکر بھیج دیا کرتا تھا۔ ابکی برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے۔ بس آج وہ سلام اس مراد سے حضور میں بھیجتا ہوں کہ حضور کے حکم سے حضرت کے دیوان میں شامل ہو جائے۔ زیادہ حدِ ادب۔

<p>بقیہ) در انتقام کشتی شیوہ کرم مگرار توئی بفضل فرایندہ عروج علوم صریر خامہ من بین کہ میرباید دل سواد صفحہ من بین و تابش معنی امیر زندہ دل، آن والی ولایت نظم غروب مهر و طلوع مه دو هفته بود چو او یزیر زمین رفت و آن ولایت یافت به انجمن نرسیدم ز ناتوانائی بھاك پای تو گر دستگاه داشتی من آن کسم کہ از افراط ورزش اخلاص توئی رحیم دل و من سقیم، دوری به نظر بخشگی و پیری و تہیدستی شعار غالب آزاده جز دعا نبود به دھر تا بود آئین کہ در نوا آرند به یزم عیش تو ناهید باد زمزمه سنج عجب ز لطف تو بالندہ چون نوا از ساز</p>	<p>بر آر کام دل بدسگال از ساطور توئی بعلم کشایندہ عقود صدور چنانکہ از لب داؤد استماع زبور عیان چو شمع فروزندہ در شب دیجور به گنج خانہ گنجہ نظامیش گنجور رسیدن تو بدین اوج بعد آن مغفور تو باش والی روی زمین قرون و دھور ولی بمرض ثنا و دعا نیم معذور نبودی بغم دوری در تو صبور بغیبت است مرا دعوی دوام حضور مباد رنجہ شوی از نظارہ رنجور قبول کردن تسلیم من خوش است از دور کہ باد سعی دعاگوی در دعا مشکور رباب و بریط و قانون و ز بمحفل سور نسیم عطر فروش از شمیم طرہ حور عدو ز بیم تو نالندہ چون خر طنبور</p>
--	--

نواب خلد آشیان فی ۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۵ ع کو اس قصیدہ کے متعلق تحریر فرمایا: دو قطعہ ساری محیفہ لطف آگین، اول مع قصیدہ تہنیت مسند نشینی راقم بر ریاست موروثی ملک رامپور، وثانی مع سلام من تصانیف جناب مغفرت مآب نواب صاحب وقیلہ فردوس مکان، در اسعد ازمینہ یاسین ریز دامن وصول فرحت شمول گشتہ جذبا قصیدہ کہ لالی مدحت مضامین برجستہ و معانی دلنہشتہ اش را برشتہ ترقیم کشیدن آب دریا بکیل پیمودن است۔ و شمعہ از توصیف فصاحت و بلاغت آن بحیفہ تحریر در آوردن ثوابت و سیارہ را بہ پنج انگشت شمردن۔ درینولا زبانی نواب مرزا عزم ساری باین طرف مسموع گشتہ، موجب کمال مسرت است۔ چرا کہ راقم نیز متنی ملاقات شریف است۔ او تعالیٰ شب بلدای فراق را بزودی ہرچہ تمامتر بایام وصال مبدل گرداند۔ یہ خط میرزا صاحب کو ۱۷ جون کو موصول ہوا۔ ۱۸ جون کو انہوں نے اسکا جواب

تحریر کیا۔ یہ جواب نمبر (۴۷) پر درج ہوگا۔

(۱) یہ مرزا صاحب کے املا کے مطابق ہے۔ صحیح رسم خط ہست، ہی۔

تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزون
عنایت کا طالب غالب . شنبہ یکم محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲^(۱) .

(۴۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حق تعالیٰ جلّ جلالہ و عمّ نوالہ جس گروہ
پر مہربان ہوتا ہے ، وہاں حاکم عادل رحیم بھیجتا ہے ، کہ بقوتِ عادلہ کفر
و بدعت کی جڑ اوکھاڑ ڈالے ، اور بصفۃِ رحم رعایا کو پالے . مصداق اسکا
ذاتِ قدسی صفاتِ جنابِ عالی ہے . کہ قمار خانے کی بنا مٹا ڈالی ہے . زہے
قانونِ سیاست ! غلہ کا محصول معاف کر دیا ہے . روپیہ رعیت پر نثار کیا ہے .
زہے آئینِ ریاست ! رباعی

نواب کہ شد ز شوکتِ اقبالش بخشیدنِ باجِ غلہ از اقبالش
فارغ شد ہر کسّی و روداد^(۲) فراغ ہم فارغ و ہم فراغ باشد سالش^(۳)
۱۲۸۱ھ

پیر و مرشد ! حضرت فردوس مکان کا دستور تھا ، کہ جب مین
قصیدہ بھیجتا ، اوسکی رسید مین خط تحسین و آفرین کا ، شرم آتی ہے کہتے

(۱) لقاہ پر ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۵ درج ہو .

(۲) اصل خط مین (روداد) بخذف دال ہو .

(۳) میرزا صاحب ز نواب خالد آشیان کی جود و کرم کی تذکرہ مین اس واقعہ کو متعدد مقامات پر نقل
کیا ہو . حکیم غلام رضا خان کو لکھتے ہیں : « نواب صاحب حال بمقتضای » الولد سر
لایہ ، حسن اخلاق مین نواب فردوس آرامگاہ کو برابر ، بلکہ بعض شیوہ و روش مین اون سے بہتر
ہیں . بمجرد مسند نشینی کہ غلہ کا محصول یک قلم معاف کیا . علی بخش خان خانسان کو ۳۰ ہزار
روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا (اردو معلی ، ص ۵۲) . میرزا تفتہ کی نام کی خط مین
قدری تفصیل کی ہے . فرماتے ہیں : « نواب صاحب از روی صورت روح مجسم اور باعتبار
اخلاق آیت رحمت ہیں . خزائن فیض کی تحویلدار ہیں . جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا
لایا ہو ، اوسکو پتہ مین دیر نہیں لگتی . ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف
کر دیا . ایک اہل کار پر سالانہ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا . منشی نولکشور
صاحب کی عرضی پیش ہوئی . خلاصہ عرضی کا سن لیا . واسطی منشی صاحب کو کچھ عطیہ
بتقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے . مقدار بچہ نہیں کھلی ، (ایضاً ، ص ۹۸ - ۹۹) . تخریب
قارخانہ اور بخشش محصول غلہ کا ذکر اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۷۹) مین بھی کیا گیا ہو .

ہوے مگر کہے بغیر بتی نہیں، دو سو پچاس^(۱) کی ہنڈوی اوس خط مین ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ دو قصیدہ مدحیہ میرے دیوانِ فارسی مین مرقوم، اور وہ دیوان حضرت کے کتابخانے مین موجود ہے۔ خطوں کی تصدیق از روی دفتر ہوسکتی ہے۔ یہ رسم بری نہیں ہے۔ اگر جاری رہے تو بہتر ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔ التفات کا طالب غالب۔ پنجشنبہ ۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۲۔

(۴۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ نوازشنامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔ مئی سنہ ۱۸۶۵ کا مشاہرہ معرضِ وصول مین آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار التفات کا طالب غالب۔ ۱۵ جون سنہ ۱۸۶۵ عیسوی۔

(۴۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ روز پنجشنبہ ۱۵ جون کو ایک عرضداشت روانہ کرچکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ آج پہنچے گی۔ کل ۱۷ جون کو فرح بخش و روح افزا نوازشنامہ پہنچا^(۲)۔ قصیدہ کا پہنچنا اور اوسکا مقبول و منظور ہونا دریافت کرکے، اپنے بخت و قسمت پر مین نازان ہوا^(۳)۔ اب عرض یہ ہے کہ حسبِ الحکم حضور کے یہ قصیدہ میرے دیوانِ فارسی مین، جو کتابخانے مین موجود ہے، درج کیا جائے۔ اور سلام حضرت فردوس مکان کا اونکے دیوانِ اردو مین لکھدیا جائے^(۴)۔

(۱) یہاں میرزا صاحب نے صرف حسابی رقم لکھی ہیں۔

(۲) محولہ بالا فرمان کا اقتباس عریضہ نمبر (۴۴) کے حاشیہ مین دیا جا چکا ہو۔

(۳) یہ قصیدہ خط نمبر (۴۴) کے حاشیہ مین درج ہوچکا ہے۔

(۴) میرزا صاحب کی مذکورہ خواہش نقشہ تکمیل رہی۔ اگر خواجہ غلام غوث خان بیخبر اسکی ایک نقل نہ منگا لیتو تو دیگر گم شدہ قصائد و قطعات کی طرح اسکا بھی صرف ذکر باقی ہوتا۔

حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا۔ وہ آگ برس رہی ہے، کہ طیور کے پر جل رہے ہیں۔ یعد آگ کے پانی برسے گا۔ سفر خصوصاً بوڑھے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا، اور میں نے احرام بیت المعمور رامپور باندھا۔ انشاء اللہ العلیٰ العظیم^(۱)۔

پیر و مرشد! از رام خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ محمد علیخان ابن وزیر محمد خان^(۲) رئیس ٹونک نے بعد مسند نشینی گورمنٹ کو «یمین الدولہ» اور «دو جزو ملک اور جنگ» لکھ کر دیئے، اور وہاں سے وہ اونکو عطا ہوئے۔ حضور کے اجدادِ امجاد نے سلاطینِ بابرہ کا خطاب نہ قبول کیا۔ مگر حضرت کے جدِ امجد کو احمد شاہ درانی^(۳) نے مخاطب بہ «مخلص الدولہ» فرمایا^(۴)۔ حضرت اگر مناسب جانیں، تو اوس خطاب کو مع دو جزو «شمس الملک و بہرام جنگ» جنابِ ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورمنٹ

(۱) سفر کی تفصیل کیلئے دیاچہ ملاحظہ ہو۔ بیان اسقدر لکھ دینا کافی ہوگا، کہ میرزا صاحب ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ع کو دلی سے عازم رامپور ہوئے۔ اور ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ع کو واپس دلی پہنچے (اردوئی معلیٰ، ص ۲۴۳، مکتوب بنام حکیم سید احمد حسن مودودی، مورخہ ۱۷ جنوری ۱۸۶۶ع)۔

(۲) نواب محمد علی خان ریاست ٹونک کی نواب تھے۔ سنہ ۱۸۳۴ع میں گدی پر بیٹھے۔ سنہ ۱۸۶۷ع میں لاوا میں قتل عام کرانی کے الزام میں حکومت ہند نے انہیں معزول کر دیا۔ سنہ ۷۰ع میں ریاست پولینکل ڈپارٹمنٹ کے زیر انتظام آگئی۔ اور اونکو صاحبزادہ نواب سر حافظ ابراہیم علی خان بہادر نواب بنا دو گئے۔

(۳) احمد شاہ درانی ضلع ہرات کا باشندہ اور ابدال نامی قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ ابھی یہ بچہ ہی تھا کہ نادر شاہ اسکو ایران بکڑ لگیا، اور اپنی خدمت گرز برداری پر مقرر کیا۔ لیکن اس نے رفتہ رفتہ فوج کے بڑے عہدہ تک ترقی کر لی۔ نادر شاہ نے ۱۲ مئی سنہ ۱۷۴۷ع کو وفات پائی تو اس نے بغاوت کر دی، اور تھوڑے عرصہ میں افغانستان، سندھ اور لاہور کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے ہندوستان پر متعدد حملے کئے ہیں۔ لیکن اسکی شاندار ترین جنگ سنہ ۱۷۶۱ع میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے عظیم الشان لشکر سے واقع ہوئی، جس میں یہ کامیاب ہوا، اور بعد فتح شاہ عالم کو تخت و تاج ہند سوئے کر افغانستان چلا گیا۔ احمد شاہ نے ۲۶ سال حکومت کر کے سنہ ۱۱۸۲ھ مطابق سنہ ۱۷۷۲ع کو ۵۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۴) احمد شاہ کے عطا کردہ خطابات کے سلسلہ میں اخبار الصنادید، ج ۱، صفحہ ۶۶۷ ملاحظہ ہو۔

اپنے واسطے این^(۱)۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
ترقی دولت کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۸ جون سنہ ۱۸۶۵ ع۔

(۴۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت کے ورود نے معزز فرمایا۔
جون سنہ ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از روی ہندوی معرض وصول
میں آیا۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
عنایت کا طالب غالب۔ معروضہ دہم جولائی سنہ ۱۸۶۵۔

(۴۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ میری عرضداشت کا جواب آچکا ہے۔
بندہ ہندوی کی رسید بھجوا چکا ہے۔ یہاں خلق کو مینہ درکار ہے، اور ہوا
شرارہ بار ہے۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کے تیور، اور پہاڑ کے پتھر جلے
جاتے ہیں۔ پانی جگر گداز۔ ہوا جانستان۔ امراض مختلفہ کا ہجوم جہاں
تہاں۔ جز اعضای انسان، کہ وہ پسینے میں تر رہیں، طراوت و رطوبت کا
کہن پتا نہیں۔ یا لو چلتی ہے، یا مطلق ہوا نہیں۔ ان سطور کی تحریر سے مدعا
یہ ہے، کہ مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے، کہ حضرت کا مزاج کیسا ہے۔
اس خط کا جواب جس قدر جلد عطا ہوگا، دعا گو پر احسان آپ کا ہوگا۔
زیادہ حد ادب۔

(۱) میرزا صاحب کو اس خیر خواہانہ عریضہ کے جواب میں نواب صاحب نے تحریر فرمایا: استحصال
الفاظ خطاب دستور این ریاست نبودہ است۔ وحسب اترقیم قصیدہ وسلام مذکور در دیوانہا
مندرج کنانیدہ خواهد شد۔ ۲۰ صفر سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۵ ع۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
آپ کی سلامت ذات اور اپنی نجات کا طالب غالب . ۲۳ جولائی سنہ ۱۸۶۵ .

(۵۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض آنکہ منشور عطف عز و رود لایا . تنخواہ
جولائی سنہ ۱۸۶۵ حال کاروپہ ازروی ہندوی ملفوفہ معرض وصول میں آیا .
اگرچہ یہاں مینہ اسقدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل
فصل ربیع سے ہاتھ دھو لین . مگر چونکہ بفرمان ازلی میرے رزق کی برات
آپ پر ہے ، اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے ، ابر رحمت کے
شکریہ میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں . بنظر اصلاح نظم
و اصلاح حال ملاحظہ ہو . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . جمعہ ۱۱ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ (۱) .

(قطعہ)

- ◊ مقام شکر ہے اے ساکنانِ خطۂ خاک !
- ◊ رہا ہے زور سے ، ابر ستارہ بار ، برس
- ◊ کہاں ہے ساقیِ مہوش ؟ کہاں ہے ابرِ مطیر ؟
- ◊ بیار ، لامی گلنار گون ، بیار ، برس

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نے ۱۶ اگست سنہ ۱۸۶۵ء مطابق ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ھ کو تحریر فرمایا : ... صحیفۃ لطف آگین بخلاصہ کمی بارش باران رحمت دران نواح واستدراک خیریت مزاج راقم مع قطعہ دعائیہ غازہ آرای چہرہ وصول نشاط شمول گردیدہ بما فیہا مطلع نمود . و ترسیل قطعہ مذکور از مزید الطاف فرمائیا متصور شد . مشفقاً سابق ازمین فی الحقیقہ طبعیت راقم بعارضہ تبخیر ... کلمند شدہ بود . لیکن حالا بنایت الہی مزاج مخلص خوش و خرم است . ہندوی مبلغ دو صد روپیہ برای آن مشفق ، کہ بتقریب صحت از عارضہ لاحقہ بدیگر صاحبان مستحقین نیز ازمین سرکار عنایت شدہ بودند ، مطوف رقیبۃ الوداد ہذا بطریق عنایات سمت تبلیغ یافتہ میرزا صاحب کا یہ قطعہ دعائیہ ہنوز شائع نہیں ہوا ہے .

- ✽ خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی ✽
 ✽ درِ حضور پر، اے ابرا! بار بار برس ✽
 ✽ ہر ایک قطرہ کے ساتھ آئے جو ملک وہ کہے ✽
 ✽ امیرِ کلبِ علی خان جئین ہزار برس ✽
 ✽ فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں ✽
 ✽ کئی ہزار برس بلکہ بیشمار برس ✽
 ✽ جنابِ قبلہ حاجات اس بلاکش نے ✽
 ✽ بڑے عذاب سے کاٹے ہین پانچ چار برس ✽
 ✽ شفا ہو آپ کو غالب کو بندِ غم سے نجات ✽
 ✽ خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس ✽

(۵۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل برخوردار نواب مرزا خان داغ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرت کا مزاجِ اقدس ناساز ہو گیا تھا . اب خدا کے فضل و کرم سے افاقہ ہے . نواب مرزا نے مجھ پر ستم کیا ، کہ پہلے سے یہ حال نہ رقم کیا . جو دعا جب کرتا اب بھی وردِ شب و روز ہے . مگر یہ خیال ، کہ حضور کو یہ خیال گزریگا کہ غالب رسمِ عیادت بجانہ لایا ، سخت جگر سوز ہے . اب اس خط کے جواب میں نویدِ عافیت کا امیدوار ، اور یہ سوچ کر کہ آج کے آٹھویں دن جواب آئیگا ، بیقرار ہوں .

ایک عبارت کا ایک جزو بطریقِ خط ایک انصاف دشمن کو لکھ کر چھپوا دیا ہے . پارسل اوسکا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے . پانچ رسالے وہ میری طرف سے نذر گزرائیں گے . حضرت قبولِ نذر کو میرا عز و شرف

جانین کے (۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزون
دعا گو غالب۔ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ء

(۵۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ داستانِ حمزہ قصہ موضوعی ہے۔ شاہ عباس ثانی (۲) کے عہد میں ایران کے صاحبِ طبعوں نے اسکو تالیف کیا ہے۔ ہندستان میں «امیر حمزہ کی داستان» اسکو کہتے ہیں۔ اور ایران میں «رُموزِ حمزہ» اسکا نام ہے۔ دو سو کئی برس اسکی تالیف کو ہوئے۔ اب تک مشہور ہے، اور ہمیشہ مشہور رہیگا۔

آپ کے اس نکیہ دارِ روزینہ خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ مشتمل اس الزام پر کہ تشبیب کے ایات اور مدح کے اشعار

(۱) اس سے «نامۂ غالب» مراد ہے۔ میرزا صاحب نے برہان قاطع کی بعض اغلاط پر ایک رسالہ مسمیٰ بقاطع برہان سنہ ۱۸۶۰ع میں تصنیف کیا تھا، جو نواب فردوس مکان کی امداد سے طبع ہو کر شائع ہوا۔ تقلید آبا کے حامیوں نے اسکی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک کا نام ساطع برہان تھا۔ اس کے مصنف کو متعلق مرزا صاحب سیاح کو لکھتے ہیں: «وہ جو ایک اور کتاب کا نسخہ ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانیوالے ملاؤ مکب دار کا خط ہے... رحیم بیگ اس کا نام، میرٹ کا رہنے والا۔ کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ باوجود نابینائی کو احق بھی ہے» (اردو معلیٰ، صفحہ ۲۷ و ۳۱)۔ مولوی عبد الرزاق شاکر کو لکھا ہے: «رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھا نہیں سکتا۔ سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا۔ لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اس کے موطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علی بھی نہیں رکھتا۔ اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اسکو تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھاؤ کو اپنے کو اون کا شاگرد بنانا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ واؤ اس هیچ بوج پر جسکو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو، (عود ہندی، صفحہ ۱۶۱): اس کتاب کے جواب میں مرزا صاحب نے نامۂ غالب لکھا، اور اسکو ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۵ع سے قبل طبع کرا کر نواب خلد آشیان کی خدمت میں بطریق ارمغان پیش کیا۔ یہ رسالہ عود ہندی، صفحہ ۱۴۱ تا صفحہ ۱۵۵ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۲) شاہ عباس ثانی صفوی خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا۔ اسے سنہ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ع) سے سنہ ۱۰۷۷ھ (۱۶۶۶ع) تک ایران پر حکومت کی۔

مین حمزہ و اولادِ حمزہ و زمردشاه وغیرہ یا انکے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے۔ سو وہ قصیدہ آج اس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت اسکو پڑھکر محظوظ ہوں۔ خدا آپکو قیامت تک سلامت رکھے۔ مگر جب تک امیر حمزہ کا قصہ مشہور رہیگا، یہ قصیدہ بھی شہرت پزیر رہیگا^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار نجات کا طالب غالب۔ ۲۱ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۵ء۔

یا وہاب

زہے دو چشمِ تو در معرضِ سیہ کاری	چو بختیارک و بختک بمردم آزاری
زہے بزورِ بدیع الزمانِ کشتی گیر	کہ کوهسار چون نارنج تر یفشاری
زہے خیالِ تو آدمِ ربا چو تندک دیو	دماغِ اہل نظر قافِ اوست پنداری
ز غمزہ تو چگویم کہ آن بود ز عمَرَ ^(۲)	دلیر و چست و ہنرمند تر بیاری
اگر تو نیستی از ساحرانِ اتریا	چرا بلہو ہمی آتش از ہوا باری
بدین جمال کہ داری عجب مدار اگر	کند چکیدہ قدرت ترا پرستاری
بمہرِ رویِ تو گردیدم آفتاب پرست	نہ ایرجم کہ عبث تن دہم بدین خواری
سپس بمذہبِ تورج کہ بودہ ماہ پرست	ترا پرستم ازین رو کہ ماہ رخساری
توئی بمعنیِ اصلی، و بود نورالدہر	ہمین بنام، کہ معنی نداشت، پنداری
چکد ز زلفِ تو خونِ دلم بدانگونہ	کہ ریزد از لبِ زنگی در آدمی خواری
فغان ز بارِ غمِ دہر، کان بسنجیدن	عمودِ خسروِ ہند است در گرانباری
بہ پیشِ چرخِ مشعبد چہ ہوشیار و چہ مست	کہ این بعربدہ همچون عمَرَ ز طراری
ز روی، ریش تراشد ہمی بہ بیہوشی	ز فرق، تاج رباید ہمی ہشیاری
خصوصتے بمن افتادہ زالِ دنیا را	کہ «دُم خیشہ» بود در فنونِ مکاری

(۱) اس قصیدہ کو صرف چند اشعار تذکرۃ انتخاب یادگار مین بذیل ذکر غالب شائع ہوی مین۔

(۲) میرزا صاحب نے اس نام کا املا اور تلفظ دونوں غلط لکھے مین۔ یہ نام «عمرو» بسکون میم و زیادہ

واو بعد را ہی۔

بجیش عشق منم سر برهنه تپشی
 نهیب فتنه به الجوب شش گری ماند
 شدست لاغری من گایم غیبی من
 منم که فکر من اندر زمین شعرو سخن ق
 چه افتاده که یارب کنون چو ارنائیس
 چنان بخوردن غم عادی که چون عادی
 نهاده همنفسان نام من ملک قاسم
 رسیده بخل بفکر من از عمر میراث ق
 دروغ گفته ام آن فکر نیز زنیل است
 چو حمزه را بجهان بعد مرگ مهر نگار
 نماید در نظر دزد کهنه اسلوبی
 دل است حمزه و لب در فسونگری عمر است
 شد آن که بود کلام طلسم گوهر بار
 چو حمزه، کیش بعقاین در کشید فلک،
 بقاست قرض و منم حمزه و زبهر منند
 چو ساحران همه را شغل آتش افشانی
 ز زهر مهره نشد زهر حمزه به، آن به
 مگر بفضل وی آیم برون ز بند بلا
 امیر کلب علیخان بهادر آن که بود
 درش نوازش طبل سکندری دارد
 بود پلارک افراسیا بیش در کف

که موی سر بستم کرده است دستاری
 که بود هر لکدش را جراحت کاری
 که باشم، و توام از حاضران نه انگاری
 همیگزشت ز اشقر به تیز رفتاری
 بخاک و خون تپدم تن همی به ناچاری
 نبوده هیچگه سیریم ز پُر خواری
 ز خون دیده بود بسکه جامه گناری
 که هیچگه ندهد در سخن مرا یاری ق
 که گم شود ز عمر در دم گرفتاری
 ز تیغ و تاج و نگین روی داد بیزاری
 جز آن که باز کشاید دکان عطاری
 بدا^(۱) لبی که زدل نبودش مددگاری!
 هماره^(۲) نهر ز آب گهر دران جاری
 به دام و ام، نفس میکشم بدشواری
 چهل خلیفه تقاضایان بازاری
 چو اژدها همه را ذوق آدم اوباری^(۳)
 که نوشداروی نوشیروان بچنگ آری
 چنانکه حمزه به نیروی پیر فرخاری
 عدیل حمزه در اسب پندی و سالاری
 خه بلندی آوازه جهانداري!
 که هیچگه نشود چون هلال زنگاری

(۱) بدا مثل خوشا، بسیار بد. منه

(۲) هماره مخفف همواره. منه

(۳) آدم اوباری، اوباریدن بمعنی ناخائیده فرو بردن. اوبار صیغه امر و در آخر تختانی، مردم آزاری مثله. منه

چگونیم از نمط لشکرِ ظفر پیکر
همه مقابلِ مقبل به ناوک اندازی
بیا به بین که در اردویِ این امیرِ کبیر
چو قنر آن که جلودارِ حمزه بود اینک
سزد که نخر بر اقبالِ خود کند لندور
مپرس بر درش از هستیِ زمرد شاه
شنیده که خداوندِ باختر چون بود
گزشت آن که «چه تقدیر کرده ام» می گفت
کنون بعجز «چه تقصیر کرده ام» گوید
رموزِ حمزه فروهل^(۱) خمش نشین غالب
ز تست رونقِ گیتی به دانش آرائی
قصیده تو و لے کاسه گدائی تست
غمین مباش که از گنج خانه نواب
بوقتِ گدیه گدار ادعاست دست آویز
چراغِ دوده سرور علی محمد خان
ز رویِ کلبِ علی خان همیشه روشن باد

که در شمار نیاید همی ز بسیاری
همه مساهم خسرو به طاقت اظهاری
سپرده اند علشاه را علبداری
رسیده است بخاقانِ چین جلوداری
ازین که یافته توقعِ گرز برداری
مگر یکے بود از کافرانِ زنهاری
کنون به بندگیِ خواجه گشت اقراری
بمقتضایِ غلط فہمی و غلط کاری
زندگانِ خدا چون بوی رسد خواری
چرا مرا بسخنهایِ هرزه آزاری
ز تست زینتِ معنی به نعرِ گفتاری
ستوه آمده باشی ز رنجِ ناداری
خود آن قدر که بدل داشتی بدست آری
بر آردست بدرگاهِ حضرتِ باری
گزینِ همالِ تِمر^(۲) در فنِ سپہداری
چنانکه تابشِ مهر از سپہرِ زنگاری

(۵۳)

حضرت ولیِ نعمتِ آیه رحمت سلامت .

بعدِ تسلیمِ عرضِ یہ ہے . فقیرِ تکیہ دار ، روزینہ خوار ، غالبِ خاکسار
حیران ہے کہ شکر بجا لائے آپکی عنایت کا ، یا ذکر کرے آپکی کرامت اور
ولایت کا . آپ بے شبہ رونقِ مسندِ علم و یقینِ ہین . تکلف بر طرف

(۱) فروهل یعنی بگزار . ازینجا التزام موقوف است . منہ

(۲) گزین بجای گزیده مستعمل اہل زبان . تمبر بہ تختانی ، مکسور و میم ، مضوم در ترکی فولاد را گویند .

وامم شامہ است از اولاد النقا . وایتکہ تیمور نویسند طرزِ املاست اعراب بالحروف . مہ

امیرالمسلمین ہین۔ یہ نہ فقط از روی ارادت ہے۔ بلکہ یہاں مشاہدہ خرقِ عادت ہے۔ ان دنوں میں متفرقات کے قرضدار^(۱) سرگرمِ تقاضا بلکہ آمادہٴ شور و غوغا تھے۔ دو سو روپیہ کی ہنڈوی صراحیِ آبِ حیات ہو گئی۔ دامِ مرگ سے نجات ہو گئی۔ لطف یہ کہ آج بروزِ دو شنبہ ۲۱ اگست کو نو بجے اولِ روز ایک قصیدہ کا لفافہ بھیجا گیا۔ اوسی دن بارہ پر تین بجے یہ کرشمہ کرامت دیکھا گیا۔ قصیدہ کے لفافہ میں ایک عرضداشت ہے۔ اوس سے قصیدہ کی حقیقت، اور خود اوس نظم سے طرزِ نگارش کی جدت ظاہر ہو جائیگی۔ حضرت کے انبساطِ خاطر کی واسطے یہ ایجاد ہے۔ مجھے ہر طرح کی نظم و نثر سے آپکی خوشی اور خوشنودی مراد ہے۔ انجامِ قصیدہ میں جو قرض کے گلے پائے جائیں، اوس مجموع میں سے اہلِ بازار منہائی کئے جائیں۔ کوٹھی والے ساھوکار «چہل خلیفہ» گئے جائیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار ترقیِ عمر و دولتِ خداوند کا طالب غالب۔ نگاشتہٴ دو شنبہ ۲۱، اور روانِ داشتہٴ سہ شنبہ ۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۵۴)

حضرت ولیِ نعمت آیہٴ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیمِ معروض ہے۔ مین طیب نہیں، مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔ اور سے یہ کہا نہیں جاتا۔ حضرت پر بغیر ظاہر کئے رہا نہیں جاتا۔ خدا جانے اور طیب کیا سمجھے ہونگے کہ کیا تھا۔ میرے نزدیک بہ اشتراکِ معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا۔ اب آپ کو حفظِ صحت کی واسطے گاہ گاہ نارجیلِ دریائی و جدوار کا استعمال ضرور ہے۔

(۱) میرزا صاحب نے یہاں لفظ قرضدار بجای قرضخواہ استعمال کیا ہے۔ یہ استعمال عامیانہ ہے۔ اسلئے امی اور بکری پریشانی اور ضعفِ دماغ پر محمول کرنا چاہئے۔ سند بنانا درست نہیں ہوگا۔

اور معجونِ طلائیِ عبری تقویتِ قلب میں مجوزہ حکیم بیر علیخان مغفور ہے۔ ورقِ طلا، عنبرِ اشہب، عرقِ کیوڑہ، قند۔ کثرتِ اجزا اس ترکیبِ خاص میں ناپسند۔ کثیر الاجزا اور معجونین ہیں۔ مفرحِ بوعلی سینا، خمیرہ مروارید، خمیرہ گاؤزبانِ عبری، ماء اللحمِ غیر مُنثی، جس میں طیور کے گوشت اور ادویہ مفرح و مقوی حرارت و برودت میں معتدل^(۱)۔ گاہ گاہ سکنجین و گلاب پی لیا کیجیے۔ غذا میں گوشتِ طیور اکثر۔ بیضہ نیم برشت اکثر۔ لیکن یہ خیال رہے، کہ بیضہ مرغ و لحمِ طیور ایک جلسہ میں تناول فرمائیے۔ بکری کے گوشت کیساتھ بیضہ مرغ جائز اور لذیذ اور مرغوب۔ پودینہ کا عرق، چھوٹی الائچی کا عرق ہمیشہ دواخانے میں موجود رہے۔ عطریات کے استعمال میں مبالغہ۔ بعدِ غذا مباشرت سے پرہیز۔ شوربایِ پاچہ گوسفند مائدہ خاص پر موجود رہے۔ بحسبِ رغبتِ طبیعت نوشجان فرماتے رہیے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
سلامت و صحت کا طالب غالب۔ نگاشتہ سہ شنبہ، و روان داشتہ سہ شنبہ^(۲)۔

(۵۵)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیمِ معروض ہے۔ شرف افزا عطوفت نامہ عزِ ورود لایا۔
اگست ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از رویِ ہندویِ ملفوفہ معرضِ وصول
میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ دو شنبہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۵۔

(۱) بیان کوئی ایک لفظ ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اس عریضہ کی جواب میں ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۵ مطابق ۲۹ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا: ”سہ قطعہٴ مفاوضۃ لطف آگین، اول مع قصیدہٴ نادرہ کہ مضامینش ملو ہزاران در غرر معانی بود، و ثانی مشعر رسید ہندوی مبلغ دو صد روپیہ، و ثالث محتوی بر نسخہ ہای معجون وغیرہ براہ محبت معنوی متواتر یاسمین ریز گریبان وصول نشاط شہول گشنہ..... حالا مزاج راقم بوجہ خوش و خورم است۔“

(۵۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبانِ فارسی و عبارتِ بلیغ لکھوں۔ آپکے قدموں کی قسم دل نے قبول نکیا۔ آرائشِ گفتار نظماً او ثراً واسطے تہنیت کے ہے۔ کہ دل کثرتِ نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے۔ طبیعت راہِ دیتی ہے۔ الفاظ ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ معنی پیدا کئے جاتے ہیں۔ اب میں نیمِ مردہ، دل پر مردہ، خاطر افسردہ، جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں، وہ سراسر طبع کے خلاف۔ جس بات کا تصور ناگوار ہو، اوسکے تذکرے سے جی کیون نہ یقین ہو۔ یہ میری قسمت کی خوبی ہے، کہ ہنوز تہنیت اور مدح کا حق ادا نہوا تھا کہ مرثیہ لکھنا پڑا۔ اگر ایک بات میرے خیال میں نہ آئی ہوتی، تو مجھے زندگی دشوار تھی۔ یعنی حضور کو ابتدائی جلوس میں وہ رنج پہنچا، کہ اوس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا۔ پس وسادہ نشینی کی بدایت اور غمگینی کی نہایت یہ چاہتی ہے کہ اب مدۃ العمر ابدأ موبداً حضرت کو کوئی غم نہو۔ ہمیشہ جہاندار و جہانستان و شاد و شادمان رہیں^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار
آپ کے قدمبوس کا طالب غالب . ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ .

(قطعہ تاریخِ رحلتِ سکندر زمانی بیگم)

دریغا کہ ماند تہی قصرِ دولت ز خاتونِ نامی سکندر زمانی
»چوسٹیارِ روضہ« بود سالِ فوتش سپس اسمِ وے باد جنت مکانی

۱۲۸۲

(۱) سکندر زمانی بیگم نواب خلد آشیان کی بیوی تھیں۔ انکی والد صاحبزادہ سید امداد اللہ خان ولد صاحبزادہ سید کفایت اللہ خان ولد نواب سید نصر اللہ خان بہادر، اور والدہ آفتاب بیگم بنت صاحبزادہ سید کریم اللہ خان خلف نواب سید فیض اللہ خان بہادر تھیں۔ سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں انکی ساتھ نواب خلد آشیان کی شادی ہوئی۔ نواب سید مشتاق علی خان بہادر عرش آشیان انھیں کو بطن سے تھی (انتخاب یادگار، ص ۲۲۵، و اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۳۰)۔

(۵۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ہر چند آبدار خانے کے ساتھ ہونے سے پانی کی طرف سے خاطر جمع ہے ، کہ حضور جو پانی ہمیشہ پیتے تھے وہی پیتے ہونگے . مگر ہرج سفر اور اختلاف ہوا کا خیال ہے . توقع رکھتا ہوں کہ نویدِ صحت و اعتدال مزاج اقدس سے عزِ اطلاع پاؤں . بعد اگرچہ بہت نہیں ، لیکن طبع پر گران ہے . چشم شوق و رودِ موکبِ عالی کی نگران ہے . بقولِ استاد بہ تغیر لفظ ”جو تم پھر آؤ تو حضرت پھرین ہمارے دن“ . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار دوامِ بقایِ حضور کا طالب فقیر غالب . چہار شنبہ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵ء^(۱)

(۵۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . مراد آباد پہنچا ، بعد پالکی کے اوتر آنے کے پل کا ٹوٹ جانا ، گاڑی اسبابِ یہاں تک کہ رختِ خواب کا مع آدمیوں کے

(۱) یہ خط میرزا صاحب فی رامپور میں لکھا ہو . اس زمانہ میں نواب خلد آشیان دورہ پر تشریف لی گئی تھی . میرزا صاحب فی شمشاد علی بیگ رضوان کو لکھا ہو : ”آج شنبہ ۴ نومبر کی ہو . پرسون نواب صاحب دورہ کو گئی ہیں . فرما گئی ہیں کہ دو ہفتہ میں آؤنگا . آکر چار روز یہاں رہیں گی . پھر نمائشگاہ بریلی کی سیر کو جائیں گی“ (اردو معلیٰ ، ص ۳۲۰) . حکیم غلام نجف خان کو نام کہ مکتوب میں معلوم ہوتا ہو کہ ۱۲ نومبر کی صبح تک واپس تشریف نہیں لائے تھی . فرماتی ہیں : ”نواب صاحب دوری میں یا آج شام کو یا کل آجائیں گی . جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں“ (ایضاً ، ص ۲۳۱) . مولانا حالی مرحوم فی یادگار غالب (ص ۴۲ ، نامی پریس) میں لکھا ہو : ”چند روز بعد نواب کلب علیخان مرحوم کا نواب لفٹنٹ گورنر میں ملے کو بریلی جانا ہوا . انکی روانگی کی وقت مرزا بھی موجود تھی . چلتے وقت نواب صاحب فی معمولی طور پر مرزا صاحب میں کہا ”خدا کو سپرد“ . مرزا نے کہا ”حضرت خدا فی تو مجھے آپ کی سپرد کیا ہو . آپ پھر الٹا مجھ کو خدا کی سپرد کرتے ہیں“ . صاحب اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۳۷) فی بھی اس لطیفہ کو نقل کیا ہو . اور بہ تتبع حالی لطیفہ کا زمانہ وقوع روانگی بریلی بتایا ہو . لیکن میری ناقصِ رائے میں دورہ مذکور بر جاتی وقت یہ لطیفہ کہا گیا ہوگا . واللہ اعلم .

اوسی زمہریر کے میدان میں رہنا، بغیر جاڑے کے کچھ نہ کھانا، خیر جو اونپر گزری وہ جانیں۔ مین مراد آباد کی سرا مین ایک چھوٹی سی حویلی مین ٹہرا۔ بھوکا پیاسا کل اوڑھکر پڑھا۔ یہ شعر اپنا پڑھ پڑھکر صبح کی۔

◊ گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے ◊

◊ تب امان ہجر مین دی برد لیلی نے مجھے ◊

صبح کو خستہ و رنجور اوٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر^(۱) کے بھیجے ہوئے دو فرشتے آئے، اوٹھا کر سعید الدین خانصاحب^(۲) کے ہاں لیگے۔ صاحبزادہ صاحب نے وہ تعظیم و تکریم اور سعید الدین خانصاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی کہ میری ارزش سے زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خان بہادر صدرالصدور^(۳) آئے، اور مجھے اپنے گھر لیگے۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفیٰ خان بہادر^(۴) وہیں مجھے آکر ملے۔ دوسرے دن وہ رہگرای۔

(۱) صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر کی متعلق صاحب انتخاب یادگار (ص ۳۹۰) کہتی ہیں: ”نیر، صاحبزادہ محمد ممتاز علیخان ولد صاحبزادہ محمد اعجاز علیخان ولد صاحبزادہ نیاز علیخان ولد صاحبزادہ حسن علیخان ولد جناب مستطاب نواب محمد فیض اللہ خانصاحب بہادر عرش منزل طاب ثراہم۔ ستائیس برس کا سن ہی۔ میر احمد علی رسا کی شاگرد ہیں۔ یہ صاحبزادی نہایت اہلیت شعار ہیں۔ خوش خلق و خوش اطوار ہیں۔ یہ اونکا کلام ہی:“

شوق ہر چند یہ کہتا تھا کہ بوسی لیجی پر ترا نقش قدم مجھسی مٹایا گیا،

صاحبزادہ صاحب کو نواب سعید الدین احمد خانصاحب فاروقی کی صاحبزادی منسوب تھیں۔ اس تقریب سی مراد آباد مین سکونت پزیر ہو گئی تھی۔ اور وہیں انتقال کیا۔

(۲) نواب محمد سعید الدین احمد خانصاحب نواب محمد الدین احمد خانصاحب کی بیٹی اور نواب مجید الدین احمد خانصاحب عرف نواب مجو خان مراد آبادی کی چھوٹی بھائی تھی۔ ان کے آباء واجداد مین سی ایک بزرگ قاضی عصمت اللہ فاروقی تھی۔ یہ نواب عصمت اللہ خان بہادر کے لقب سی مفتخر اور عہد عالمگیری مین مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکی تھی۔ خود نواب مجو خان بھی بہت بڑی جاگیر کی وارث تھی۔ لیکن غدر سنہ ۵۷ھ مین بھڑت انھیں پھانسی دیدی گئی، اور اوسوقت سی اس خاندان پر زوال آگیا۔ مراد آباد مین اس خاندان کے اخلاف اب بھی موجود ہیں۔ نواب سعید الدین خانصاحب کی ایک تصنیف ”لب لباب رمل“ کتابخانہ ریاست مین محفوظ ہو۔ یہ نسخہ بڑی اہتمام سی لکھا گیا ہی۔ اسلئے خیال ہوتا ہی کہ خود مصنف نے تیار کرایا ہوگا۔ اس کے دیاچہ مین اونھوں نے اپنی خاندان کی ابتدائی تاریخ اور بعد ازاں سنہ ۵۷ھ مین اسکی بربادی پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہی۔

(۳) محمد حسن خانصاحب صدرالصدور مراد آباد کے متعلق کچھ معلوم نہوسکا۔

(۴) نواب مصطفیٰ خان بہادر فرزند عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر، جہانگیر آباد کے (باقی)

دارالسرور رامپور، اور مین جادہ نور دِ ستم آبادِ دہلی ہوا۔ دو شنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲، ۸ جنوری ۱۸۶۶ در غمکدہ پر پہنچا۔ حضور کے اقبال کی تائید تھی۔ ورنہ مین اور جیتا دلی پہنچتا^(۱)۔

- * مغلوبِ غلبہ غمِ دل غالبِ حزین *
- * کاندِر تش ز ضعف توانِ گفت جانِ نبود *
- * از رامپور زندہ بدہلی رسیدہ است *
- * ما را بدین گیامِ ضعیف این گیامِ نبود^(۲) *

(بقیہ) جاگیر دار اور بڑی صاحبِ علم و خوش گفتار شاعر تھی۔ اردو مین شیفہ اور فارسی مین حسرتی تخلص کرتی تھی (اردو معلی، ص ۱۰۱)۔ ابتداً حکیم مومن خان سی مشورۃ سخن رہا۔ ان کی انتقال کی بعد میرزا صاحب سی اصلاح لیو لگو تھی۔ انھوں نے اردو شعرا کا ایک قابلِ استناد تذکرہ "گلشنِ بیخارہ" فارسی زبان مین تصنیف کر کے خود شایع کیا ہو۔ آشوبِ غدر مین شیفہ بھی مشتبہ قرار دے گئی تھی۔ لیکن آخر کار بری ہو گئی۔ میرزا صاحب سی ان کی بہت مخلصانہ روابط تھی۔ چنانچہ جب میرزا صاحب قاریازی کی الزام مین قید کیے گئے تھی تو انھوں نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ حبسیہ مین میرزا صاحب نے اس خلوص کا اس طرح اعتراف کیا ہو:

خود چرا خونِ خورم از غم کہ بہ غمخواری من رحمت حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی
خواجہ هست درین شہر کہ از پرسش وی بایۂ خوشبختی در نظر آمد گوئی
مصطفی خان کہ درین واقعہ غمخوار منست نگر بزم، چہ غم از مرگ، عزادار منست

شیفہ نے ۶۳ سال کی عمر مین سنہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) کو وفات پائی۔

(۱) میرزا صاحب کو یہ مصیبت رامپور سی واپسی کیوقت برداشت کرنی پڑی تھی۔ وہ سنیچر کے دن ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ع کو دلی سی روانا ہوئی۔ اور بعد قطع منازل ستہ پنجشنبہ ۱۲ اکتوبر کو رامپور پہنچی۔ باقر علیخان اور حسین علیخان اس مرتبہ بھی ساتھ تھی۔ نواب خلد آشیان نے اپنا مہمان خاص بنایا۔ جرنیلی کی کوٹھی اقامت کیائی عطا فرمائی اور تعظیم، تواضع، اخلاق، کمی بات مین کمی نکلی۔ آخر مین کھانا کی، اور گھوڑوں اور بیبلوں کی گھاس دان کی نقدی مقرر کر دی تھی۔ جشنِ تخت نشینی کے بعد میرزا صاحب نے دونوں لڑکوں کو روانا کر دیا۔ سرکار نے وقتِ رخصت ایک ایک دولٹا مرحمت کیا۔ میرزا صاحب خود جمہرات کے دن ۲۲ دسمبر کو رامپور سی روانا ہوئی۔ لیکن سوہ اتفاق سی عرضِ راہ مین بیمار ہو کر مراد آباد مین ۵ دن ٹھہرنا پڑا۔ اسلئے ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ع کو دن کے گیارہ بجے دلی پہنچی۔ اس سفر مین اونکی دلی سی باہر رھنے کی کل مدت تین ماہ ہوتی ہو۔ مزید تفصیل دیاچہ مین ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے یہ قطعہ سفر کلکتہ کے سلسلہ مین لکھا تھا۔ رای چھج مل کھتری کو سفر مذکور کے واقعات پر مشتمل ایک خط لکھا ہو، جو پنج آہنگ کے ص ۱۰۰ پر درج ہو۔ اوس خط مین یہ قطعہ موجود ہو۔ لیکن وہاں بجای "غلبہ غم"، (سطوت غم) اور بجای "مصرع ثالث" (گویند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است) تحریر ہو۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ چار شنبہ ۲۲ شعبان و ۱۰ جنوری سالِ جشنِ حضور^(۱)۔

(۵۹)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ والا کے مشاہدہ نے بجکو میری
حیات پر یقین عنایت کیا۔ اس سفر کا حال کیا عرض کروں۔ دلی سے
رامپور تک ذوقِ قدمبوس میں جوانانہ گیا۔ اختلافاتِ آب و ہوا و تفرقہ
اوقاتِ غذا کو ہرگز نمانا۔ اور رنجِ راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقتِ
معاودتِ اندوہِ فراق نے وہ فشار دیا، کہ جوہرِ روح گداز پا کر ہر بنِ موسے
ٹپک گیا۔ اگر آپ کے اقبال کی تائید نہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا
محال تھا۔ جاڑا، مینہ، قبض و انقباض، فقدانِ جوع، فاقہ ہایِ متواتر،
منزلہایِ نامانوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظر نہ آنا، شب و روز ہوائِ زمہریر
کا جانگزا رہنا۔ بارے ہاپوڑ سے چلکر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی۔
دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیر
و ناتوان ہوں جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا۔ خدا وہ دن کرے کہ پھر اوس
در پر پہنچوں^(۲)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب۔ ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء۔

(۱) لغافہ پر ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء تحریر ہے۔

(۲) نواب خلد آشیان کو میرزا صاحب کے مصائب سفر کی روداد نواب مصطفیٰ خان بہادر کی زبانی معلوم
ہوئی، تو اونہوں نے ۱۷ شعبان سنہ ۸۲ھ مطابق ۵ جنوری سنہ ۶۶ع کو مراد آباد کے پتہ پر میرزا صاحب
کو تحریر فرمایا: ”زبانی نواب مصطفیٰ خان بہادر کی دریافت ہوا، کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپکی
علیل ہوگئی ہے۔ باستماع اس امر کی باعث کال تردد کا ہوا۔ اسواسطی حوالہ خامۃً بحبت نگار کی ہوتا
ہو کہ خیریت مزاج سے مطلع کیجی۔ اور اگر هنوز طبیعت مائل باعتدال نہو، اور آپکا ارادہ قیام مراد آباد
کا نا درستی طبیعت ہو، تو آپ رامپور میں تشریف لائی۔ یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا۔“
لیکن فرمان کی اصل مثل میں موجود ہے، اور اوس کے لغافہ پر تحریر ہے کہ ”خط ہذا ہرکارۃً
برندہ از مراد آباد بحجت تشریف فرما شدن مرزا نوشہ صاحب بہ دہلی واپس آورد۔ مرقوم ۲۱ شعبان (باقی)

(۶۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناتوان تھا ، اور اب نیمجان ہوں . برخوردار نواب مرزا خان اپنے مشاہدہ کے مطابق جو میری حقیقت عرض کرے وہ مسموع و مقبول ہو^(۱) .

حضور اس مطلع کے لفظ و معنی کی حدت و جدت کی داد چاہتا ہوں . ہم در قیام زندہ نیم کز برای خویش آنوقت لای نافیہ ام از دوپای خویش ایک غزل نئی طرز کی نئی بحر میں عرض کرتا ہوں^(۲) . یہ جشنِ حال کی نذر ہے . خدا کرے مقبول ہو . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار نجات کا طالب غالب . ۲۹ مارچ سنہ ۱۸۶۶ .

بحر ہزج مثنیٰ سالم
فعلاتن فعلاتن فعلاتن

* ای خداوندِ خردمند و جہان داورِ دانا *
* وی بہ نیرویِ خرد بر ہمہ کردار توانا *

(بقیہ) سنہ ۱۲۸۲ ھ . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو فرمان موصول نہوا . مگر اس عرصہ میں اونکا عریضہ نمبر (۵۸) رامپور پہنچ گیا . اس کے جواب میں سرکار نے ۱۵ جنوری کو تحریر فرمایا : " جو کہ وقت اطلاع انحراف طبیعت آپ کے مرکز اعتدال سے بمقام مراد آباد رقیۃ الوداد اس مضمون سے کہ اگر ارادہ قیام مراد آباد کا واسطی معالجہ کر ہو ، تو رامپور کو معاودت کجی ، بیان معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا ، ہمدست ہرکارہ کو بھیجا گیا تھا . لیکن آپ وہاں سے روانہ دہلی کو ہو گئے تھے . ہرکارہ خط واپس لایا اور سوزی سے کمال انتظار وصول مفاوضہ خیریت کا تھا . الحمد للہ کہ وصول نیکۃ لعف آگین باعث اطمینان ہوا . " میرزا صاحب کا عریضہ نمبر (۵۹) اسی فرمان کا جواب ہے .

(۱) میرزا صاحب نے ۱۲ مئی سنہ ۶۶ ع کو منشی حبیب اللہ خان ڈکا کے نام ایک خط میں اس سے ملنے جلتی الفاظ میں اپنی حالت بیان کی ہے . فرماتی ہیں : " آگے ناتوان تھا . اب نیمجان ہوں . آگے ہرا تھا . اب اندھا ہوا چاہتا ہوں . رامپور کے سفر کا رہ آورد ہو رشہ و ضعف بصر . جہان چار سطرین لکھیں . اونگیان بیڑھی ہو گئیں . حرف سوچہی سے رہ گئی " (اردو معنی ، ص ۲۸) .

(۲) یہ غزل کلیات نظم فارسی میں موجود نہیں ہے .

- * ای برفتار و بیدار، بزیانی و خوبی *
- * سروِ نوخاسته آسا، مهِ ناکاسته مانا *
- * به ادا پایہ فرایا، بنظر عقدہ کشایا *
- * بکرم ابرِ عطایا، بغضب برق سنانا *
- * بہ نگہ خستہ نوازا، بسخن بذلہ طرازا *
- * بہ قلمِ غالبہ سایا، بہ نفسِ عطر فشانا *
- * شہِ نشانِ کلبِ علیخان کہ توئی یوسفِ ثانی *
- * نبود ثانی و ہمتایِ تو در دہرِ همانا *
- * داتم از حال و مالم خبرے داشتہ یاشی *
- * سرِ نوشتِ ازلی گرچہ ندارد خطِ خوانا *
- * دشمنِ چرخ و تو یینی و نسوزی بعتابش *
- * بہ عدوِ صاعقہ ریزا، بہ حبِ فیضِ سانا *
- * جانشینِ تو کند نامِ ترا زندہ بگیتی *
- * بادِ فردوسِ برین جایِ تو فردوسِ مکانا *
- * غالب از غمِ چہ خروشی، بتوزیاست خموشی *
- * با کریمِ ہمہ دان هیچ مگو هیچ مدانا *

(۶۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیمِ معروض ہے . منشورِ مکرمتِ ظہورِ مع ہندوی عزِ ورود
لایا . سو روپیہِ تنخواہِ اپریل سنہ ۱۸۶۶ کا معرضِ وصول مین آیا . زیادہ
حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
عنایت کا طالب غالب . ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۶ عیسوی^(۱) .

(۱) اس عریضہ کو لٹافہ پر ۱۵ مئی سنہ ۱۸۶۶ تحریر ہین . غالباً دوسری دن پوسٹ کیا گیا تھا .

(۶۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک عرضداشت مع ایک غزل کے ڈاک میں بھیجی گئی^(۱)۔ شام کو منشورِ عطوفت مع ہندوی تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۶ عر وروڈ لایا۔ سو روپیہ معرض وصول میں آیا۔ آج صبحدم وقت تحریر اس عرضی کے حضرت فردوس مکان کا دیوان پیش نظر تھا۔ اوس میں یہ شعر نظر پڑا۔ اوسکے مضمون حکیمانہ و عارفانہ نے بڑا مزہ دیا۔ یقین ہے کہ اوسکو پڑھکر حضرت بھی حظ اٹھائینگے۔

◦ وہ جس طرح سے جسے چاہے اوس طرح پالے ◦
◦ کسیکا کچھ نہیں پروردگار پر لینا ◦

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
عرضہ اسد اللہ ترقی خواہ۔ معروضہ دہم جون سنہ ۱۸۶۶۔

(۶۳)

(قطعہ در گزارش سپاس یاد آوری بعالی خدمت جناب مولوی آغا
احمد علی صاحب جہانگیرنگری

◦ مولوی احمد علی احمد^(۲) تخلص نسخہ ◦
◦ در خصوص گفتگوی پارس انشا کردہ است ◦

(۱) میرزا صاحب کا محولہ بالا خط اور غزل مثل میں موجود نہیں ہیں۔

(۲) مولوی احمد علی احمد تخلص جہانگیرنگر (بنگال) کی باشندی اور مدرسہ کلکتہ کی مدرس تھی۔ انھوں نے میرزا صاحب کی قاطع برہان کے جواب میں "موید برہان" نامی رسالہ تصنیف کیا تھا۔ مذکورہ بالا قطعہ اوسکا جواب ہی (اردو میں، ص ۴۴)۔ میرزا صاحب نے "موید برہان" اور چند دیگر رسائل کے جواب میں تیغ تیز نامی رسالہ بھی لکھا ہے۔ اوس میں آغا احمد علی کی باری میں لکھی ہیں: "عربیت میں امین الدین سی بڑھکر، فارسیت میں برابر، بخش و ناسزا گوئی میں کمتر۔ جتنی الفاظ تذلیل کے ہیں، وہ چن چکر میری واسطی استعمال کی، اور یہ نہ سمجھا کہ غالب اگر عالم نہیں، شاعر نہیں، آخر (باقی)

- * کیچ و مکران را کہ در سند است و از ایران جدا *
- * شامل اقلیم ایران بے محابا کرده است *
- * قوم برلچ را بایرانی نژادان داده خلط *
- * ترک ترکان سمرقند و بخارا کرده است *
- * در جهان توام بود روی وی و پشت قتل *
- * پیشوای خویش هندو زادہ را کرده است *
- * ہندیان را در زباندانی مسلم داشتہ *
- * تاجہ اندر خاطر والای او جا کرده است *
- * خوش برآمد با ہمہ ہندوستان زایان چہ خوش ! *
- * تکیہ آرے بر ولادت گاہ آبا کرده است *
- * ہر کہ بینی با زبان مولد خود آشناست *
- * سازِ نطقِ موطنِ اجداد بیجا کرده است *
- * خواجہ را از اصفہانی بودن آبا چہ سود ؟ *
- * خالقش در کشور بنگالہ پیدا کردہ است *

(بقیہ) شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہی . صاحب عز و شان ہی . عالی خاندان ہی . امرای ہند ، روسای ہند ، مہاراجگان ہند سب اسکو جانتے ہین . رئیس زادگان سرکار انگریزی میں گنا جاتا ہی . بادشاہ کی سرکار میں نجم الدولہ خطاب ہی . گورنمنٹ کی دفتر میں ' خانصاحب بسیار مہربان دوستان ' القاب ہی . جس کو گورنمنٹ خانصاحب لکھتی ہی . اس کو سڑی اور کتا اور گدھا کیونکر لکھوں . فی الحقیقت یہ تدلیل بفحوائ ' ضرب الغلام اہانۃ المولی ' گورنمنٹ بہادر کی توہین اور وضع و شریف ہند کی مخالفت ہی . میرا کیا بگڑا . مولوی نے اپنا پاچی بن ظاہر کیا . میں نے امین یدین کو شیطان کی حوالہ کیا . اور احمد علی کے الفاظ مذموم سے قطع نظر کیا . اور ان کی مطالب علی کا جواب اپنی ذمہ لیا ، (تیغ تیز ، بحوالہ غالب ، ص ۳۴۷) . مرزا صاحب کو اس قطعہ کے جواب میں آغا احمد علی کو ایک شاگرد فدا سلہی نے امی زمین میں قطعہ لکھا ، جس کا جواب غالب کو دو شاگردوں باقر علی خان باقر اور غفر الدین حسین خان سین نے اسی بحر وقافیہ میں دیا . فدا نے ان کو دونوں قطعوں کا جواب الجواب لکھا . اور ان سب کو بالترتیب ' تیغ تیز تر ' میں شایع کیا . کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہی . اور اپنی دلچسپی کی بنا پر قابل مطالعہ ہی . مولوی احمد علی نے سنہ ۱۲۸۰ ف میں انتقال کیا (تاریخ لطیف مصنفہ مہدی بیخان تحویلدار کتب خانہ ، ص ۱۵) . یہ سال فصلی سنہ ۱۲۹۰ ھ اور سنہ ۱۸۷۳ ع کے مطابق ہوگا (تشریح السنین قلی ، ص ۱۷۹ ، فن ہیئت اردو نمبر ۱) .

* با قتل و جامع برهان و لاله ٹیک چند *
 * لابه و سوگیری و لطف و مدارا کرده است *
 * داور یگاہے بنا فرمود و دروی هر سه را *
 * منصف و صدر امین و صدر اعلیٰ کرده است *
 * گر چنین با ہندیان دارد تولا در سخن *
 * من ہم از ہندم چرا از من تبرا کرده است *
 * کرده است از خوبی گفتار من قطع نظر *
 * ظلم زین قطع نظر بر چشم بینا کرده است *
 * میل او با هر کسی از ہند و حیفش خاص من *
 * حیف و میلے با دو عالم شور و غوغا کرده است *
 * مطلب از بد گفتن من چیست؟ گوئی، نیکمرد *
 * مزد این کار از حق آمرزش تمنا کرده است *
 * ور چنین نبود چنان باشد کہ در عرض کمال *
 * تا بر آرد نام این ہنگامہ برپا کرده است *
 * صاحب علم و ادب، وانکہ ز افراط غضب *
 * چون سفیان دقت نقرین و ذم وا کرده است *
 * در جدل دشنام کار سوقیان باشد، بلے *
 * ننگ دارد علم از کاریکہ آغا کرده است *
 * انتقام جامع «برهان قاطع» می کشد *
 * آنچه ما کردیم باوی، خواجہ با ما کرده است *
 * من سپاہی زادہ ام، گفتار من باید درشت *
 * وای بر وے گر بہ تقلید من اینہا کرده است *
 * زشت گفتم، لیک داد بذلہ سنجی دادہ ام *
 * شوخی طبعے کہ دارم این تقاضا کرده است *

- * میکند تأییدِ «برهان»، لیک برهان ناپدید *
 * نیست جز تسلیمِ قولش هرچه انشا کرده است *
 * سستیِ طرزِ خرامِ خامهٔ «برهان» نگار *
 * یا نمیدانست، یا دانسته اخفا کرده است *
 * بهرِ من توهین و بهرِ خویش تحسین جا بجا *
 * هم مرا هم خویش را در دهر رسوا کرده است *
 * آید و بیند همان اندر کتابِ مولوی *
 * هرچه از هنگامه گیران کس تماشا کرده است *
 * لغو و حشو و ادعایِ محض و اطنابِ مل *
 * مار و موش و سوسمار و گربه یکجا کرده است *
 * بگذر از معنی، همین الفاظِ برهم بسته بین *
 * باده نبود، شیشه و ساغر مهیا کرده است *
 * یاقم از دیدنِ تاریخهایِ آن کتاب *
 * خود بدم گفتم و با حجابِ خود ایما کرده است *
 * غازیانِ همراهِ خویش آورده از بهرِ جهاد *
 * تانه پنداری که این پیکار تنها کرده است *
 * جوش زد از غایتِ قهر و غضبِ خون در دلش *
 * تا زبانش را بدین کَلَسْتَرَه^(۱) گویا کرده است *
 * آتشِ خشمی که سوزد صاحبِ خود را نخست *
 * در دلش، همچون شر در سنگ، ماوا کرده است *
 * چون نباشد باعثِ تشنیعِ جز رشک و حسد *
 * باد غالب خسته تر گر خسته پروا کرده است *

(۱) کلّیتره بفتح کاف و سکون لام و فتح بای فارسی احقانه کلام.

از جانبِ آمرزشخواہِ جرمِ بیراہہ روی اسد اللہ خانِ غالب دہلوی] (۱)۔

(۶۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ آج شنبہ ۱۰ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۶ کی ہے ۔ فقیر چشمِ براہ تھا ، کہ اب ڈاک کا ہرکارہ آتا ہے ، اور ہنڈوی ملفوفہ نوازشنامہ لاتا ہے ۔ ناگاہ اسوقت ڈاک کا آدمی ایک خط برخوردار منشی سیلچند^(۲) کا لایا ۔ اوس میں مندرج تھا کہ تو نے جون سنہ حال کی تنخواہ کی رسید کیوں نہ بھیجی ۔ اور بعد اسکے یہ لکھا تھا کہ جولائی کی تنخواہ کی چٹھیاں ہوتی جاتی ہیں ۔ اب دو ایکدن میں تیری تنخواہ بھی بھیجی جائیگی ۔ متحیر کہ یا رب میں حسبِ معمول تنخواہ جون کی رسید ارسال کر چکا ہوں ۔ اب دوبارہ رسید کیوں مانگی جاتی ہے ۔ پھر یہ تو گویا پیامِ مرگ تھا کہ جولائی کی تنخواہ اب روانا ہوگی ۔ یا رب ۱۰ کو وعدہ ، ۱۳ ، ۱۴ کو چلے گی ۔ بیسویں تک مجھے پہنچگی ۔ اور میرا حال یہ کہ انگریزی تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسط میں جاتی ہے ۔ حضور کے عطیہ پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہے ۔ عالم الغیب جانتا ہے جس طرح گزرتی ہے ۔ چار سو ساڑھے چار سو کا قرض باقی ہے ۔ اب کوئی قرض بھی نہیں دیتا ۔ خلاصہ دو عرضیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ میں جون کی تنخواہ کی رسید بھیج چکا ہوں ۔ اگر ڈاک میں تلف ہوگئی ہو تو اور لکھ بھیجون ۔ دوسری یہ کہ اس مہینے کی ، یعنی جولائی کی ، تو تنخواہ خیر ۲۰ ماہِ اگست تک پہنچ جائیگی ۔ آئندہ کو حکم ہو جائے کہ ہر مہینے کی پہلی دوسری کو فقیر کی تنخواہ ، کہ وہ محض صیغہ خیرات ہے ، بھیجی جایا کرے ۔

(۱) دارالانشاء کے فائل میں یہ قطعہ منسلک اور اسکو لفافہ پر ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۶۶ ع تاریخ درج ہو ۔ مرزا صاحب نے اسکو اکل المطابع میں بکرخہ طبع کرا کر اپنی احباب کو تحفہ بھیجا تھا ۔ چونکہ یہ بغیر عریضہ کی نوابصاحب کو ارسال کیا گیا تھا ، اسلئے میز متن میں شامل کرنا مناسب خیال کیا ۔

(۲) منشی سیلچند کیلئے خط نمبر ۱۰۹ کا ذیل ملاحظہ ہو ۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب .

(۶۵)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . پہلے اپنا حال عرض کر لون ، تب کچھ اور
مدعا لکھوں . غم نے بشمول بڑھاپے کے پست و مضمحل کر دیا ہے .
حضرت کے قدموں کی قسم ! نہ حواس درست ، نہ رای صحیح . برسوں
سے مکروہات میں مبتلا رہتے رہتے اب طاقت تحمل کی نہی . خدا جانے کیا
ہوتا ہے ، کیا سمجھتا ہوں . کیا کرنا چاہئے ، کیا کرتا ہوں . کل آخر روز
میر منشی حضور کا خط آیا . جون کی تنخواہ کی رسید کے نہ پہنچنے کی
اطلاع پائی . تہیدستی و قرض کے رنج میں خستہ و آزرده بیٹھا تھا . اوسی
وقت عرضی لکھی . اگرچہ ڈاک کا وقت تھا ، مگر بھیج دی . آج آخر
روز توقیع و قیغ مع جولائی کی تنخواہ کی ہنڈوی کے پہنچا . ہنڈوی مختار
کار کو دی ، اور یہ عرضی لکھنے بیٹھا . لکھکر لفافہ کر رکھتا ہوں . کل
صبح دم ڈاک میں بھیج دوں گا . اگر عرضی سابق میں کوئی بات گستاخی
و دیوانگی و بدحواسی کی ہو ، توقیر کی خطا معاف ہو . میر منشی صاحب
کے اگر مخالف طبع کوئی لفظ ہو تو وہ بھی درگزر کریں . جون کی تنخواہ
کی رسید کا لفافہ ڈاک میں گم ہو گیا ہوگا . اگر دین بھی بھول گیا ہوں تو
بعید نہیں . بلکہ اغلب ہے کہ غالب کو سوہوا ہو . ملازمان در دولت
پر ظاہر ہو کہ جون کی تنخواہ جولائی میں ، اور جولائی کی اگست میں
میں نے پائی . آئندہ ہر انگریزی مہینے کی دوسری تیسری کو روانگی ہنڈوی کا
متوقع ہوں . زیادہ حد ادب (۱) .

(۱) نواب خلد آشیان فی ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۸۳ھ مطابق ۲۵ اگست سنہ ۶۶ع کو جواباً تحریر فرمایا : رسید
ثانی ضرور نہیں ہے . اور حسب الامسا واسطو بھیجی جانی ہنڈوی مشاہرہ آپکو اسطور پر کہ تاریخ
پہلی یا دوسری تک آپکو پاس پہنچ جایا کری ، حکم بنام اہالی سرشتہ کو صادر ہو گیا ہو .

تم سلاہت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ء عفو و رحم کا طالب غالب۔

(۶۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت مدظلہ العالی۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع وقیع مع دیباچہ شرح اشعار بدر
چاچی^(۱) عز و رود لایا۔ کیا عرض کروں کہ کیا عالم نظر آیا۔ واقعی افتتاح
کلام بطرز میرزا طاہر وحید^(۲)، اور پھر نگارش مطالب بشیوہ میرزا
جلالای طباطبائی^(۳) ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں دیباچہ اعجاز خسروی^(۴)
کا رنگ جلوہ گر ہے۔ پس ناقد بصیر کے نزدیک یہ نگارش، طاہر وحید
اور جلالا کی عبارت سے بہتر ہے۔ یہ عرضداشت جلد بھیجتا ہوں، تاکہ
حضرت پر پہنچنا اوس دیباچہ یا تقریظ کا ظاہر ہو جائے۔
برسات ایسی ہوئی ہے کہ میں باون ترین برس سے یہاں رہتا ہوں۔

(۱) بدرالدین محمد چاچی، چاچ (تاشقند) کی رہنے والی تھی، سلطان محمد بن تغلق (سنہ ۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) کی
عہد میں ہندوستان آئی۔ اور اوسکی مدح سرائی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا۔ سلطان محمد بڑا علم
دوست بادشاہ تھا، اوسنے انکی کافی قدرو، عزت کی، اور غر الزمان خطاب دیا۔ بدر نے سنہ
۷۵۴ھ (۱۳۵۳ع) میں انتقال کیا۔ انکی قصائد شہرت عام کو مالک ہیں۔ لیکن تلمیحات و کنایات کی
افراط کو سبب می شیرینی غائب ہو گئی ہے۔

(۲) میرزا طاہر وحید بن میرزا حسین خان قزوینی مشہور شاعر اور نثار ہے۔ یہ قزوین میں پیدا ہوا۔ سنہ
۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ع) میں شاہ عباس صفوی نے اپنا مجلس نویس مقرر کیا، سنہ ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ع) میں
وزیر بنایا گیا، اور ۱۸ سال تک اسی عہدہ پر رہا۔ یہ فن انشاء میں خاص طرز کا مالک ہے۔ لیکن
اشعار کی شہرت صرف عہدہ وزارت کی بدولت ہوئی۔ طاہر کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔
بعض سنہ ۱۱۰۵ھ اور بعض سنہ ۱۱۰۸ھ لکھتے ہیں۔ لیکن ربو نے لکھا ہے کہ تقریباً سنہ ۱۱۲۰ھ
(۱۷۰۸ع) میں انتقال کیا۔

(۳) میرزا جلالائی طباطبائی اصفہان میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۴ع) میں ہندوستان آیا، اور شاہ
جہان کی دربار کا مورخ مقرر ہوا۔ مگر ابھی ۵ سال کی تاریخ لکھنے پایا تھا کہ حسادت سازش کی،
اور کام رک گیا۔ یہ بھی انشاء میں ایک خاص طرز کا مالک ہے۔

(۴) اعجاز خسروی امیر خسرو دہلوی متوفی سنہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ع) کی تصنیف ہے۔ یہ نثر کی ممتاز کتابوں
میں شمار ہوتی ہے، اور نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے۔

عرش آرامگاہ اکبر شاہ^(۱) کے عہد میں ایکبار ایسی برسات دیکھی تھی ، یا امسال نظر آئی ہے ۔ اور اراقِ مرسلۂ حضور مومین جامہ میں لپیٹ کر بسیل پارسل ارسال کرونگا ، یا پرسون دو شنبہ کو یا سہ شنبہ کو ۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار روزِ شنبہ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء ۔ نجات کا طالب غالب^(۲) ۔

(۶۷)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت ۔
بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ منشورِ مکرمات ظہور عزِ ورود لایا ۔ سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۶ء معرضِ وصول میں آیا ۔
ثرِ نثرہ تشار^(۳) کے اور اراق ۳ ستمبر ماہِ حال کو ارسال ہوئے ہیں ۔
نظرِ انور سے گزرے ہونگے ۔

-
- (۱) اکبر شاہ، شاہ عالم کا لڑکا اور دہلی کے آخری بادشاہ ظفر کا باپ تھا۔ ۲۳ اپریل سنہ ۱۷۶۰ء = ۷ رمضان سنہ ۱۱۷۳ھ کو پیدا ہوا۔ اور ۱۹ نومبر سنہ ۱۸۰۶ء = ۷ رمضان سنہ ۱۲۴۸ھ کو ۴۸ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اسی ۳۱ سال سلطنت کی، اور ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۳۷ء مطابق ۲۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۵۳ھ کو جمعہ کے دن فوت ہوا۔ اکبر شاہ شاعر بھی تھا، اور شعاع تخلص کرتا تھا۔
- (۲) میرزا صاحب کا یہ عریضہ نواب خلد آشیان کے فرمان مورخہ ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۷ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کا جواب ہے۔ القاب و آداب کے بعد نواب صاحب نے تحریر فرمایا ہے: درین ولا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی از نوکِ قلم جلوہ خیز گردیدہ۔ اولاً بر دیباچۂ صور عبدالرحمن وحید و ما بقی بر طرز جلالای طباطبائی نگاشتہ ام۔ چون زیور اصلاح در گنج خانۂ عالی طبعیت آن استاد زمانت مخزنست، ہمیں نظر آن نقش باطل را مرسل ساختہ، مرقوم کہ آنچہ فطرت کالت مرشار نہ پسندد، خامۂ اعجاز نگار را بر پرچۂ ثانیہ علاوہ ازین مجموعۂ پریشانی بہ تلافیش تکلیف تحریر دہند۔ و بامرع ازمنہ دیدۂ سفیدان این دیار را از سرمۂ جواہر آگین جواب باصواب مسرور و شادمان سازند۔ شرح قصائد بدر چاچی، جسکا فرمان میں ذکر ہے، مولوی محمد عثمان خان بہادر مدار المہام کی تصنیف ہے۔ خان موصوف نواب خلد آشیان کی خدمت میں عہد ولیعہدی میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ زبان فارسی اور حساب وغیرہ میں بخوبی واقف، اور قدری عربی آشنا تھے۔ جب نواب صاحب تخت نشین ہوئے، تو ان کا تقرب اور رسوخ یہاں تک بڑھا، کہ ریاست کے مدار المہام بنادتی گئی۔ مزاج میں قدری درشتی اور جبر تھا۔ اسوجہ سے ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) کو ایک پٹھان کے ہاتھ میں زخمی ہو کر ۱۲ ماہ مذکور کو انتقال کر گئے (اخبار الصنادید، ج ۲، صفحہ ۱۵۲-۱۵۶)۔
- (۳) اس نثر میں مذکورۃ بالا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی مراد ہے۔

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جائیگا^(۱)۔ بھائی ضیاء الدین خان^(۲) کا مجموعہ نثر و نظم فارسی و اردو، سراسر دیکھا ہوا میرا، جو اونکے کتابخانہ میں تھا، غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر ذوق شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلین، فارسی، ہندی، جو لکھی ہیں، اوسکا انتخاب بھی پہنچا۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

(۱) نواب صاحب فی ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب کو تحریر فرمایا تھا : ... مطلب دگر، جو کہ راقم کو ترتیب بیاض اشعار منتخبہ اساتذہ فارسی و اردو کی منظور ہو، اسواسطی حوالہ خامہ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ آپ انتخاب دیوان فارسی اور اردو اپنی کا فرما کر مع انتخاب کلام ضیاء الدین خان صاحب لطف کریں، تا شامل انتخاب کے، جو اس سرکار میں عمل میں آیا ہے، ہو جائے۔ میرزا صاحب فی حسب الحکم اردو دیوان کا انتخاب ۷ ستمبر کو اور فارسی کلیات کا انتخاب ۲۴ ستمبر کو ارسال کیا۔ یہ دونوں انتخابات جو حسب تصریح فرمان مورخہ ۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۳۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع اس تاریخ سے قبل موصول ہو چکی تھیں، کتب خانہ سرکاری میں محفوظ ہیں، اور ضروری حوائی و مقدمات کے ساتھ انشاء اللہ عنقریب شائع کئے جائیں گے۔

(۲) نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نواب احمد بخش خان والی فیروزپور جہر کہ وجاگیردار لوہارو کے خلف اصغر تھے۔ انکی چچازاد ہیں غالب سے منسوب تھیں۔ لیکن اس نسبتی رشتہ کے علاوہ اہم رابطہ یہ تھا کہ نواب صاحب فن شعر میں غالب کے شاگرد تھے۔ یہ فارسی میں نیز اور اردو میں رخنشاں تخلص کرتے تھے (اردو میں، صفحہ ۱۰۰)۔ انکی سلامتی ذوق و حسن طبیعت مسلم ہے۔ خود میرزا صاحب بھی اسکو معترف تھے، اور انہیں اپنا نمونہ کہتے تھے۔ کلیات فارسی میں انکی مدح میں ایک قصیدہ ہے۔ اوس میں میرزا صاحب فرماتے ہیں :

بنکتہ شیوہ شاگرد من بن باناست صنم بصورت خودی تراشد آذر من
اگر چہ اوست ارسطوی ومن فلاطونم بود یسایہ ارسطوی من سکندر من

ضیاء الدین خان کی پاس کتابوں کا بڑا نایاب ذخیرہ تھا۔ الٹ صاحب فی تاریخ ہند کی ترتیب میں اوس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتب خانہ کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں : میرا ایک نسبتی بھائی ہے نواب ضیاء الدین خان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجمع ثرین، اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب نسخے اوسکو کتب خانہ میں تھے۔ وہ کتابخانہ کے، ڈر کر عرض کرتا ہوں، ۲۰ ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوگا، لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ (عود ہندی، صفحہ ۲۹)۔ نواب ضیاء الدین خان بہادر فی سنہ ۱۳۰۲ ھ مطابق سنہ ۱۸۸۳ ع میں وفات پائی۔ میر مہدی مجروح فی مصرعہ اب نہ باقی رہی وہ رونق شہر دہلی، سے ہجری سال نکلا ہے (تاریخ لطیف، ص ۲۴۱)۔

اسد اللہ یدستگاہ . دو شنبہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۶۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . خاطر اقدس میں نگزرے کہ غالب تعمیل احکام میں کahl ہے . بصارت میں فتور . ہاتھ میں رعشہ . حواس مختل . ناچار کاتب کی تلاش کی . شہر سراسر ویران ہے . کاتب کہاں ؟ بارے ایک دوست نے کاتب نشان دیا . اردو کا دیوان ، اشعار پر صاد کر کے ، اوسکو حوالہ کیا . کل وہ اجزای منقولہ آئے . آج بطریق پارسل مع اس عرضی کے ارسال کئے . خط کاتب کا مجکو پسند نہیں آیا . حضرت کو کیونکر پسند آئیگا . اغلاط اتنے تھے کہ مجکو تحریر کی برابر محنت پڑی . فارسی کے کلیات کا شیرازہ کھولکر اجزا اوسکے احباب پر تقسیم کر دیئے ہیں . جا بجا اشعار پر صاد کر دیئے ہیں . وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں . بعد اتمام وہ بھی پیشکش کرونگا . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

ترحم کا طالب غالب . سہ شنبہ ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(میرزا صاحب نے اصلاح تقریظ شرح بدر چاچی کے سلسلہ میں

۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو ایک عریضہ روانا کیا تھا . مثل میں اوسکا لفافہ

موجود ہے . میر منشی صاحب لہکتے ہیں : « اصل خط کہ بمقدمہ تقریظ

شرح بدر چاچی بود در حضور پر نور ماند »^(۱) .

(۱) یہ عریضہ نواب صاحب کی اس تحریر کا جواب تھا : «... نامہ محبت آئین مع تقریظ بدر چاچی و مضامین اصلاح آگین سرمہ کش چشم وصول گشتہ روشنی بخش عیون دیدہ سفیدان انتظار گردید . چنانچہ نظیر ہمہ الفاظ کہ شاید عجالتاً بامعان نظر ملاحظہ نشدہ مرسل داشتہ ام . چشم کہ اگر اقوال این ہمہ اسانذہ قابل اعتبار باشد فیہا . والا بعد مشاہدہ از چگونگی آن مطلع سازند . المرقوم ۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۱۲ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع . اس فرمان کو ساتھ فرھنگ جہانگیری و رشیدی وغیرہ می تلاش کرکے نظائر روانا کچھ گٹو تھی . اونکا بیان نقل کرنا باعث طوالت ہوا .

(۶۹)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں . یقین ہے کہ حضرت کی نظرِ انور سے گزر گیا ہو . آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریقِ پارسل اس عرضی کیساتھ بھیجتا ہوں . اور بھائی ضیاء الدین خان بہادر نے جو اوراق میرے پاس بھیجئے ہیں ، وہ بھی اسی پارسل میں رکھ دئے ہیں . حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر غدر میں لٹ گیا . بعدِ غدر جو کچھ کہا ہے ، وہ یہی ہے جو پہنچتا ہے . اس درویش نے صرف غزلین اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے . قصائد و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا . اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجون . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
عنایت کا طالب غالب . ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۷۰)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . منشورِ مکرمت ظہور عزِ ورود لایا . سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہِ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ معروضِ وصول میں آیا . اشعارِ فارسی و اردو پہنچے . خدا کرے پسند آئیں . افسوس کہ برخوردار نواب مرزا خان نے میرا حال سامعہ اقدس پر عرض نہ کیا . حضور ملک و مال جسکو جسقدر چاہیں عطا کر سکتے ہیں . میں آپ سے صرف راحت مانگتا ہوں . اور راحت منحصر اس میں ہے کہ قرضِ باقیانندہ ادا ہو جائے ، اور آئندہ قرض لینے کی حاجت نہ پڑے .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
اسد اللہ یدِ ستگاہ . ششم اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۷۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . اس عنایت نامے میں ایک فقرہ نظر پڑا کہ جس سے میں کانپ اوٹھا . « مرا ازان مشفق واسطۂ تلذذ بوده است » (۱) . یہ ذلیل کو عزت دینی اور دکان بے روتق کی خریداری کرنی ہے . میں تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا مرشد اور اپنا آقا جانتا ہوں .

بدوِ فطرت سے میری طبیعت کو زبانِ فارسی سے ایک لگاؤ تھا . چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھکر کوئی ماخذ مجھ کو ملے . بارے مراد برآئی . اور اکابرِ پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا . اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا . اور میں نے اوس سے حقائق و دقائق زبانِ پارسی کے معلوم کئے . اب مجھے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل ہے . مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے . بحث کا طریق یاد نہیں (۲) .

میان انجو جامعِ فرہنگِ جہانگیری (۳) ، شیخ رشید راقمِ فرہنگ

(۱) مرزا صاحب کو ۱۹ ستمبر کو عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان فی جو فرمان لکھا تھا اوسکا ام فقرہ مرزا صاحب نے نقل کیا ہے . نواب صاحب فرمائی ہیں : « نیشان خامہ کہ در تحریر معانی شعر عرفی و ہم بہ تحقیق لفظ ارتنگ و ارژنگ گوہر بار گردیدہ بر خاطر اخلاص فروش ہر آئینہ مخنی و محتجب میماند کہ اکثر مالک رقابان علم لغت ارتنگ و ارژنگ را بمعنی واحد پنداشتہ اند . وعامۃ مفسران کلام شیرازی مشارہ آشیان چیدن » را مرادف آشیان بستن نگاشتہ . چنانچہ نظائر ہر یک ملفوف عبرین نامۂ ہذاست بمطالعہ خواہد رسید . معذرا اگر طبع آن اوستاد زمان بہ ترقیم الفاظ بالا فی الجملہ نفوری داشتہ باشد همچنان حوالۂ قلم نمائند کہ مبحث عنہ را از تقریظ اصلاح شدہ چون نفسانیت خود نحو سازم . زیرا کہ مرا ازان مشفق واسطۂ تلذذ بوده است . نہ از عرفی و دیگران . اما نظائریکہ بہ نظرم گذشتہ است ، صرف برای اطلاع بہ تحقیقۂ ہذا مندرج گردیدہ . المرقوم ۲۱ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۲ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع .»

(۲) ملا عبد الصمد کی شاگردی کے متعلق اردوی معلیٰ میں متعدد جگہ اور قاطع برہان میں ص ۷ پر میرزا صاحب نے تصریح کی ہے .

(۳) میان انجو کا نام جمال الدین حسین بن شاہ حسن انجوی شیرازی اور لقب عضد الدولہ ہے . انکی آبا و اجداد فارس کے شہرہ آفاق شہر شیراز کے باشندے تھے . یہ وہیں پیدا ہوئے . بعد ازان تلاش روزگار ہندوستان آئی ، اور بقول محمد حارثی بدخشی سنہ ۱۰۳۵ ہجری (۱۶۲۶ ع) میں آگرہ میں انتقال کیا . فرہنگِ جہانگیری ہندوستان کے مغل بادشاہ نور الدین جہانگیر بن جلال الدین اکبر کے نام معنون ہے .

رشیدی^(۱) عظیمی عجم میں سے نہیں۔ ہند انکا مولد۔ ماخذ انکا اشعار قدما۔
 ہادی انکا ان کا قیاس۔ ٹیک چند^(۲) اور سیالکوٹی مل^(۳) انکے پیرو۔
 سبحان اللہ ہندی بھی، اور ہندو بھی! نور علی نور!!

فقیر اشعار قدما کا معتقد۔ اون لوگون کے کلام کا عاشق۔ مگر
 جو لغات اونکے کلام میں ہیں، اوسکے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے
 نکالے ہیں۔ میں انکے قیاس پر کیونکر تکیہ کروں۔ اب جو پیر و مرشد نے لکھا
 کہ «ارتنگ و ارژنگ متحد المعنی اور آشیان ساختن و بستن و چیدن گھونسلا
 بنانے کے معنی پر ہے»، تو میں نے بے تکلف مان لیا۔ لیکن نہ اون صاحبوں
 کے قیاس کے بموجب، بلکہ اپنے خداوند نعمت (کے)^(۴) حکم کے مطابق۔
 تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
 انصاف کا طالب غالب۔ ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء^(۵)۔

- (۱) شیخ رشید کا نام عبد الرشید الحسنی ہے۔ انکے آبا واجداد مدینہ منورہ کی رہنے والی تھی۔ یہ خود شہر
 ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ منتخب اللغات اور فرہنگ رشیدی انکی تصنیف ہیں۔ خزائن عامرہ (ص ۲۴)،
 نولکشور پریس) میں انکا سال وفات ۱۰۷۷ ہجری (۱۶۶۶ع) لکھا ہے۔
- (۲) لالہ ٹیکچند بہار تخلص بہار عجم کی مواف ہیں۔ یہ خان آرزو متوفی سنہ ۱۱۶۹ ہجری (۱۷۵۵ع) کے شاگرد
 اور اردو، فارسی کے شاعر تھے۔
- (۳) سیالکوٹی مل وارسہ تخلص مصطلحات شعرا کے مصنف ہیں۔ یہ میر محمد علی رائج سیالکوٹی
 متوفی سنہ ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ع) کے شاگرد تھے۔
- (۴) یہاں لفظ «کے» ساقط ہو گیا ہے۔ آئندہ عریضہ میں مرزا صاحب نے اس عبارت کو دہرایا ہے۔
 وہاں یہ لفظ موجود ہے۔ اساتذہ میں نے بریکٹ میں بڑھا دیا۔
- (۵) اصل خط میں سو ۱۷ تاریخ درج ہو گئی ہے۔ صحیح سات ہے۔ اساتذہ کے اولاً تو خود میرزا صاحب
 ہی نے اس خط کے لافافہ پر ۸ اکتوبر تاریخ لکھی ہے۔ جسکو یہ معنی ہیں کہ تاریخ کتابت کے
 دوسری دن یہ خط پوسٹ کیا گیا تھا۔ ثانیاً نواب خلد آشیان نے اس خط کا جواب، جو آگے
 آ رہا ہے، تیرہ اکتوبر کو دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس خط کا جواب تیرہ کر لکھا جائے وہ
 خود سترہ کا مکتوب نہیں ہو سکتا۔ میرزا صاحب کے عریضہ کے بعض کنایات سے ناخوش
 ہو کر نواب صاحب نے جواباً تحریر فرمایا: «... مکتوب حیرت اسلوب شعر اختراع معنی غلط نسبت
 ہندی نژادان پیشین و دیگر اعتراضا، و این کہ راقم را طریقه بحث یاد نیست، موصول مطالعہ گشتہ،
 باعث استعجاب عظیم گردید۔ از آنجا کہ تا حال و رای تحقیق و تنقیح امور علمیہ، کہ معاذ اللہ از
 مناظرہ و مناقشہ ہجشم حق بین دور بی نماید، امری دیگر بظہور نیامدہ۔ و آنچه حالی خاطر م بود
 بی ریب و رنج حوالہ قلم دقائق سنج گردیدہ۔ لیکن می نازم بر ذہن مشکاف آن فرید زمان کہ (باقی)

(۷۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . آج سہ شنبہ ۱۶ ماہ اکتوبر کے دن کو بارہ بجے کھانا کھا کر بیٹھا تھا ، کہ توقیعِ وقیع آیا . پڑھتے ہی کانپ اٹھا ، اور عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا . اگر حضور کے ارشادات کو بحثِ تعبیر کیا ہو ، تو مجھے جنابِ الہی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم ! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں ، مگر وحدانیتِ خدا اور نبوتِ خاتم الانبیاء کا بدل معتقد اور بزبانِ معترف ہوں . خدا و رسول کی قسم جھوٹی نکھاؤنگا . انکارِ بحث سے مراد یہ تھی ، کہ شعرائِ ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں ، یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کے بیان میں جو نادرستی ، اور باہم جو اونکے عقول میں اختلاف ہیں ، اوس میں کلام نہیں کرتا . اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوں . اوروں سے مجھے بحث نہیں . باہمہ ضعفِ حافظہ یاد ہے کہ آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ » ان دونوں باتوں کو میں نے مانا . لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بموجب . بلکہ اپنے خداوند کے حکم کے

(بقیہ) نوشتہ ام را بر بحث و اجتناد محمول نموده . امثال ابن کثایہ های تو ، مثل نسبت استاد ی بجانب راقم ، و لفظ بحث ، کہ ہر دو خلاف واقع و مورث رنج و غشا است ، نگاشتند . پس اگر آن مشفق را ہمچنین منظور باشد ، اشارتی سازند کہ واسطۂ ترسیل رسائل از فیما بین برداشته شود . ورنہ بنان خامہ را بامور خارج المبحث تکلیف نداده باشند . کہ نتیجہ اش سوائی صدادع الراس امری بتخیال نمی رسد . و راقم پایۂ اعتبار محققان کہ صاحب تصانیف مقبول انام بودہ اند ، از خود زیادہ دانستہ بحوالۂ کلام شان پرداختہ . اگر نزد آن صمیم چاوید آنها قابل قبول نبود ، بایست کہ بمران نظم تحریر میساختند . مصلحت اینقدر اطناب سخن از فہم ہمجو منو بیرون . زیادہ ازین نوشتن حکمت بلقان آموختن است . المرقوم ۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . چونکہ نوابصاحب ک اس فرمان سے اظہار ناخوشی و ناراضگی ہوتا تھا . میرزا صاحب نے فوراً معذرت نامہ مورخہ ۱۶ ماہ اکتوبر لکھکر طلب عفو کیا . نوابصاحب نے معذرت قبول کرتی ہوئی تحریر فرمایا : حالا کہ آن مہربان بتاویلس پرداختند از آن دفع شکوک لاحقہ گردید . خاطر لطف مظاہر مقرون جمیع باشد . المرقوم ۲۱ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . لیکن اس کے بعد نوابصاحب نے پھر کوئی نثر اصلاح کیلئے نہیں لکھی . جسکو یہ معنی ہیں کہ ان کی طبیعت کا تکدر کلیۂ دور نہیں ہوا .

مطابق ، . یہ کلمہ موجب عتاب نہیں ہو سکتا . اور اگر اسکو گناہ سمجھا جائے . » آخر گناہگار ہون کافر نہیں ہون مین ، . گناہ معاف کیجئے اور نویدِ عفو سے مجکو تقویت دیجئے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار عفو کا طالب غالب .

(۷۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضور کے لشکرِ نصرت اثر کا بسپہ سالاری نوابِ معلی القاب جناب مہدی علیخان بہادر^(۱) اکبر آباد پہنچنا، اور خیامِ فلک احتشام کا وہاں نصب ہونا، اور رامپور سے اکبر آباد تک گھوڑوں کی ڈاک کا بیٹھنا، اور حضرت کا سنبھل تک بسیل ڈاک تشریف لیجانا، اور وہاں مزاجِ اقدس کا ناساز ہونا، اور دار السلطنت کو معاودت فرمانا، یوماً فیوماً مسموع ہوا . غرض اس عرضداشت کی تحریر سے یہ ہے ، کہ حصولِ جواب سے آبرو، اور خیریت و عافیتِ مزاجِ مبارک سے عز و اطلاع پاؤں .

اخبار مین مسطور ، اور شہر مین مشہور ہے ، کہ حضرت اجلاسِ کونسل کیواسطے حسبِ الحکمِ گورنمنٹ کلکتہ کو تشریف لیجائیں گے . نمکخوار دعا گوئی و مدح گستری مین بہانہ طلب رہتا ہے . اس تقریب کا ایک قطعہ تاریخ سنہ ۱۸۶۶ عیسوی رقم کیا ہے . عرض کرتا ہوں . اگر پسند آئے تو اجازت ملجائے کہ اسکو کسی اخبار مین چھپوا دوں^(۲) :

(۱) صاحبزادہ سید مہدی علیخان بہادر ، نواب سید غلام محمد خان بہادر کو پوتی ، صاحبزادہ سید حفیظ افہ خان بہادر کو بیٹی ، اور نواب خلد آشیان کو چچا تھی . شعر و سخن کا شوق تھا اور نحیف تخلص کرتی تھی . ابتدا مین نواب فردوس مکان می تلمذ تھا . آخر مین میر احمد علی وسا کو شاگرد ہوئی . ۴۷ برس کی عمر پائی . سٹائیسون ماہ رمضان کو سنہ ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) کو رحلت فرمائی ، (انتخاب یادگار ، صفحہ ۳۸۴ ، وتاریخ لطیف ، صفحہ ۲۲۹) .

(۲) نواب خلد آشیان بہادر کو کلکتہ تشریف لیجانے کے متعلق صاحب اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۴۰) نے لکھا ہے کہ : » مسٹر جان انگلس صاحب کثرت و ایجنٹ ریاست نے نواب سید کلب علی خان می (باقی)

قطعه

چو نواب از بہرِ اجلاسِ کونسل بہ کلکتہ از رامپور آورد رخ
عدو را بگیر و بکش زود وی را بجو سالِ اجلاس از «بختِ فرخ»
چو گویند کز کشتنِ وی چہ خواہی بگو حذفِ اعدادِ «وی» اینت پاسخ

اینٹ لغتِ پارسی ہے، مرادف خے و زھے۔ اور قتل کا مشارالہ
لفظ (وی) ہے جس کے ۱۶ عدد ہیں۔ اور (وی) کا مشار (عدو) ہے۔ «بختِ
فرخ» کے ۱۸۸۲۔ جب اس مین سے ۱۶ کم کئے تو ۱۸۶۶ رہے۔ زیادہ حدِ ادب۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
(۱۸ نومبر سنہ ۱۸۶۶) ^(۱)۔

(بقیہ) ہونہاری و بلند اقبال کی آثار دیکھ کر بہت جلد آریل ایڈمنڈ ڈریمنڈ صاحب لفٹنٹ گورنر صوبجات
متحدہ کی حضور میں رپورٹ کی۔ اور انہوں نے لارڈ لارنس صاحب گورنر جنرل کی خدمت میں
نواب سید کلب علیخان کی لیاقت خدا داد کی اطلاع کی۔ گورنر جنرل نے باظہار مسرت مثل نواب
سید یوسف علیخان کے نواب سید کلبعلیخان کو بھی ایجنسائیو کونسل میں ممبر تجویز کیا۔ نوابصاحب نے
ہنگام استمراج باوجود ناچاقی طبعیت و ضعف باقتضای عزم بلند میری قبول کی۔ ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۸۳
ہجری مطابق ۲۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو رامپور سے علیگڑھ تک گاڑی کی ڈاک میں اور علیگڑھ سے
کلکتہ تک تخمیناً پانسو ہمراہیوں کیساتھ ریل کے ذریعہ سے گئے۔ اثناءِ راہ میں کانپور، الہ آباد،
اور بنارس وغیرہ ہر مقام پر حکام نے استقبال کیا اور سلامی سے ہوئی۔ مہراجہ ایمری پرشاد
نرائن سنگھ صاحب جی، سی، ایس، آئی والی کاشی ٹریس نے بنارس میں بنظر اتحاد قدیمی
دھوم سے دعوت کی۔ کلکتہ میں گورنر جنرل کی طرف سے بطرز مرغوب استقبال ہوا۔ سلامی سے
ہوئی۔ آب و ہوائ کلکتہ نے انکی مزاج سے بھی مخالفت کی۔ اور طبعیت جادۂ اعتدال سے منحرف
رہی۔ پھر بھی کونسل میں کئی اجلاس گئے۔ جب ناسازی زیادہ بڑھی تو حسب اصرار گورنر جنرل
ڈاکٹر بیلی سے علاج شروع ہوا۔ ڈاکٹر کی رائے ہوئی کہ آب و ہوا یہاں کی انکی مخالف ہے۔ بلکہ
قیام کلکتہ سے امراض شدید لاحق ہونیکا اندیشہ ہے۔ مگر نوابصاحب نے اسے قبول نہ کیا۔ جب
گورنر جنرل کو اسکا علم آیا، تو بمقتضای محبت خاص بکمال اصرار واپس کیا۔ ۲۷ رمضان سنہ
۱۲۸۳ ہ مطابق ۳ فروری سنہ ۱۸۶۷ ع کو کلکتہ سے رامپور واپس ہوئی۔ میرزا صاحب کی عریضہ
نمبر (۷۵) کے لفافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب محلۂ کاشی پر کے مکان نمبر ۵ اور ۷ میں
قیام فرما ہوئے تھے۔ مرزا صاحب کا قلمۂ تاریخ حسبالحکم حضور اخبار دہدبہ سکندری میں طبع
ہوا اور ۳۰ نومبر کو اسکی اطلاع ان الفاظ میں میرزا صاحب کو دی گئی: «تاریخ مذکورہ کہ بر
طرز نو و عظیم المثال است در اخبار دہدبہ سکندری رامپور طبع گردیدہ شد»۔

(۱) خط میں کاتب کا نام اور تاریخ درج نہیں۔ میں نے قوسین میں لفافہ کی تاریخ اضافہ کر دی ہے۔

(۷۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ایک عرضداشت بھیج چکا ہوں . اوسکا جواب نہیں پایا^(۱) . امیدوار ہوں کہ اس عرضداشت کے جواب سے محروم نہ ہوں . کل دن کو دس بجے سنا کہ عالیجناب نواب مہدیعلیخان بہادر بسواری ریل آئے ، اور املی کے محلے میں ٹہرے ہیں . کھانا کھا کر فوراً سوار ہوا . وہاں جا کے سنا کہ نوابصاحب ریل کے اسٹیشن پر گئے ہیں . گھنٹا بھر بیٹھا رہا کہ حضرت آئے . آگے غازی آباد کے اسٹیشن پر سے سواری ہوتی تھی . اب ولی محمد سوداگر کی کوٹھنی کے پاس سے^(۲) ، جو یگم کے باغ کے عقب ہے ، نیا اسٹیشن قرار پایا ہے . سو صاحبزادہ صاحب نے آپ کے حضور میں اطلاع کی ہے . دیکھئے حضرت غازی آباد سے سوار ہوتے ہیں یا شہر میں سے . واسطے خدا کے بچکو اپنے روزِ ورود و وقتِ ورود سے اطلاع بخشیں . اور اس عرضی کا جواب ایسا جلد عنایت ہو کہ فقیر بیسر و سامان اپنا سامان درست کر رکھے^(۳) .

حضرت کی توجہ باطنی ، جو ہمیشہ میری مصلحِ حال اور افزایشِ عز و وقار کی کفیل ہے ، بعد ادائیِ شکرِ الہی اوسکا سپاس بجالاتا ہوں . پیش از غدر گورمنٹ کے دربار میں ۷ پارچے ، اور جیغہ ، سرپیچ ، مالای

(۱) میرزا صاحب فی جس عرضداشت کا حوالہ دیا ہے وہ اور اوسکا جواب دونوں میں موجود نہیں . غالباً نوابصاحب کی حضور تک نہ پہنچی .

(۲) بیان لفظ (می) زیادہ معلوم ہوتا ہے .

(۳) اس عریضہ کی جواب میں ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو نواب خلد آشیان فی تحریر فرمایا : چون راقم عنقریب روانہ کلکتہ می شود . چنانچہ برای انتظام گاڑیهای ریل رفعت و عوال مرتب محمد اصغر علی خان رسالدار را روانہ آنجا نموده شد . و هنوز تاریخ رسیدن بمقام اسٹیشن ریل دہلی مقرر نگشتہ ، لهذا حوالہ خامہ مودت نگار می شود ، کہ حال تقرر تاریخ رسیدن آنجا از خان معزی الیہ دریافت نموده شود . بہت ممکن ہے کہ مرزا صاحب فی اصغر علی خان صاحب رسالدار سے تاریخ دریافت کی ہو . لیکن مجھے اسکا کوئی ثبوت نہیں مل سکا .

مروارید، تین رقیں جواہر کی بجکو ماتی تھیں۔ بعدِ غدر اگرچہ پسن اور دربار بحال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب^(۱) کا کل ۱۲ پر چار بجے دربار تھا۔ حکم سب دربارداروں کو پہنچ گیا تھا۔ مین نواب مہدی علیخان صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹے کے بعد دربار مین گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہوگی۔ ایک رباعی کاغذِ مذہب پر لکھی ہوئی نذر کرونگا۔ کلماتِ عنایت سنکر چلا آؤنگا۔ نہ مجھے کچھ احتمال۔ نہ صاحب کشنر بہادر شہر کو علم۔ بارے بروقت ملاقات تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لاؤد صاحب نے کھڑے کھڑے جیغہ، سرپیچ میری ٹوپی پر باندھا۔ اور فرمایا »یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا«۔ مالایِ مروارید میر منشی نے گلے مین ڈال دی۔ یہ پارچے سات مرحمت ہوئے۔ دوشالہ، ۱۔ کنخواب کا تھان، ۱۔ بنارسی تھان سنہری بوٹے، ۱۔ بنارسی سیلا، ۱۔ الوان کی چادر کنارہ کلابتون، ۱۔ کناویز کا تھان، ۱۔ الوان کی چادر بے کنارہ، ۱۔ مین اس عطیہ کو آپ کی بخششِ معنوی سمجھا ہوں۔ اور دوسری بخشش، یعنی اس خط کے جواب کے جلد حاصل ہونے، کا متوقع ہوں۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار
عرضداشت کے جواب کا طالب غالب۔ روزِ سہ شنبہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء۔

(۱) سر ڈائل میکلوڈ صاحب مراد ہیں۔ یہ لفٹنٹ جنرل ڈکن میکلوڈ کو ہان فورٹ ولیم، کلکتہ، مین ۶ جون سنہ ۱۸۱۰ ع کو پیدا ہوئے۔ ولایت جاکر تعلیم پائی۔ سنہ ۱۸۲۸ ع مین ہندوستان واپس ہوئے، اور صوبہ بنگال مین ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۳۱ ع سی ۱۸۴۹ ع تک اضلاع ساگر و نربدا، اور بنارس مین رہے۔ ۱۸۵۴ ع مین پنجاب کو جوڈیشل کشنر ہوئے۔ غدر سنہ ۵۷ ع مین لاہور مین تھے۔ ۱۸۶۵ ع سی ۱۸۷۰ ع تک پنجاب کو لفٹنٹ گورنر رہے۔ اور ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۷۲ ع کو لندن کی زمین دوز ریل کی ایک حادثہ سی انتقال کر گئے۔ یہ مشرقِ عاوم و فنون کو بڑی حامی تھے، اور چاہتی تھی کہ دیسی زبانوں مین مغربی علوم کی تعلیم دیجائی۔ پنجاب یونیورسٹی اتھی ذ قائم کی ہو۔

(۷۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضرت کا روتق افزای کلکتہ ہونا از روی شمار رفتار ریل یقینی ہے . مگر وہاں کی آب و ہوا کا موافق آنا ، اور جناب لاژڈ صاحب بہادر^(۱) سے ملاقات کا ہونا ، اور اجلاس کونسل کا وقوع میں آنا ، یہ امور جب تک حضرت رقم نغمائینگے ، دعا گو کے خیال میں کیوں کر آئینگے . ناچار جرات بہم پہنچا کر اس عرضداشت کے جواب میں ان حالات کے انکشاف کا امیدوار ہوں^(۲) .

پیر و مرشد ! حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا . تنخواہ نے قسط سے ، اور میں نے رنج سے رہائی پائی . ہم بدل و ہم بزبان ثناخوانِ جود و نوال ، و دعا گویِ دوامِ دولت و اقبال ہوں . آدھا قرض عطیہ سابق میں ، اور آدھا قرض عطیہ حال میں ادا ہو گیا . کہ نہیں سکتا ، اور بن کہے بنتی نہیں . اگر دونوں لڑکوں کا پچاس روپے مہینہ جنوری سنہ ۱۸۶۷ یعنی ماہِ حال و سالِ حال سے جاری ہو جایگا اور ماہِ بقاء فقیر کے روزینہ کے ساتھ پہنچا کریگا تو آپ کا نمکخوار پھر کبھی قرضدار نہوگا . زیادہ حدِ ادب^(۳) .

(۱) لارڈ لارنس مراد ہیں ، جو ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۴ ع ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع تک ہندوستان کو وائسرائے اور گورنر جنرل رہے تھے .

(۲) اس سلسلہ میں نواب خلد آشیان نے ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۷ ع کو تحریر فرمایا : ہ شفقا ! مخلص بھیرت تمام بتاریخ ۶ جنوری سنہ حال فائز مقام کلکتہ گردید . و ملاقات جناب مستطاب علی القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام شوکتہم و دیگر صاحبان عالیشان و نیز اجلاس کونسل بعنوان شایستہ و طرز بایستہ بہایہ حصول رسید .

(۳) دونوں لڑکوں میں باقر علی خان اور حسین علی خان مراد ہیں . یہ دونوں زین العابدین خان عارف ، مرزا غالب کے متنبی بیٹی کے لڑکے تھے . میرزا صاحب چاہتے تھے کہ ان دونوں کو ریاست رامپور کا باقاعدہ وظیفہ خوار بنا دیں . لیکن ان کی زندگی میں یہ خواہش پوری نہوئی . البتہ میرزا صاحب کے انتقال کے بعد حسین علیخان بزمہ شعرا ملازم ہو گئے تھے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
فیض کا طالب غالب . معروضہ ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۷۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . بہت دن تک متردد رہا ، کہ حضرت
کلکتے میں یا رامپور . چنانچہ ایک عرضداشت اوسی تردد میں بھیجی ابھی
ہے . ہنوز جواب کے آنے کی مدت منقضی نہیں ہوئی . خیر اوسکے جواب
پر کیا موقوف ہے . یہ تو جان لیا کہ حضرت رونق افزای رامپور میں . مگر
یہ کیونکر جانوں^(۲) کہ اب بہ خجستگی و فرخندگی یہیں رونق افزا رہینگے .
یا پھر کلکتے تشریف لیجائینگے . خیر اس یعلیٰ کو سہل سمجھ لیا کہ جو کچھ
ہوگا معلوم ہو جایگا . مگر یہ کیونکر جانوں کہ مزاج اقدس کیسا ہے . اور
جب تک یہ نجانوں تو آرام کیونکر آئے . یہاں سے رامپور تک برابر تار برقی
بھی نہیں جو خبر منگواؤں . آج ۱۴ فروری کی ہے . یہ خط بھیجتا ہوں .
اگر جواب آئے تو ۹ دن میں . بجکواتنے دن صبر کیونکر آیکا . الہی آج یا
کل کوئی نوازشنامہ خداوند کا آجائے ! زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
خیر کا طالب غالب . ۱۴ فروری سنہ ۱۸۶۷^(۳)

(۷۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . توقیع عطوفت عز وود لایا . (سو روپیہ

(۱) میرزا صاحب نے یہ عریضہ کلکتہ کے پتہ سے لکھا تھا . چنانچہ لفافہ پر کلکتہ . محلہ کاشی پور .

خانہ لمبر ۷ اور لمبر ۵۰ ایڈریس تحریر ہے .

(۲) اصل خط میں سہواً (جاؤں) رقم ہو گیا ہے .

(۳) لفافہ پر ۱۵ فروری درج ہے . غالباً دوسری دن پوسٹ کیا گیا تھا .

تنخواہ^(۱) فروری سنہ ۱۸۶۷ حال کا معرضِ وصول میں آیا۔ اس درویش کا حال اب قابلِ گزارش نہیں۔ امراضِ قدیم بڑھ گئے۔ دورانِ سر، اور رعشہ، اور ضعفِ بصر، تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بنوا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
زیادہ حدِ ادب۔ نجات کا طالب غالب۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷۔

(۷۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۃ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو دو گھڑی دن چڑھے نوروز ہے۔
آج یہ قطعہ ہات تھام کر لکھکر حضور کی نذر بھیجتا ہوں۔
نوروز و دو عید از دو جانب امسال خوب ست زروی وضع و نیک ست بفال
امید کہ این سہ عید نذرِ نواب آرند دوامِ عمر، و عز، و اقبال
◊ تم سلامت رہو قیامت تک ◊
◊ دولت و عز و جاہ روز افزون ◊
نجات کا طالب غالب۔ چہار شنبہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۶۷۔

(۷۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۃ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم و تعظیم معروض ہے۔ ہندویِ ملفوفہ نواز شنامہ کے ذریعہ
سے سو روپیئے مارچ کی تنخواہ کے وصول ہوئے۔

(۱) بریکٹ کی عبارت میرزا صاحب سے سہرا چھوٹ گئی تھی۔ میں نے دیگر عرایض سے ایضاً کر دی ہے۔

ایک رباعی بھیجتا ہوں، اور یہ چاہتا ہوں، کہ دبدبہ سکندری کے آغاز میں اسکے چھاپنے کا التزام رہے۔

آن کیست کہ جسم ملک را جان باشد آن کیست کہ ہمسرِ سلیمان باشد
آن کیست کہ انجمش بفرمان باشد کس نیست مگر کلبِ علی خان باشد

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب۔ ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۷ء

(۸۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ نمائشگاہِ سراسرِ سورِ رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خونِ جگر کھاتا ہوں، کہ ہائے میں وہاں نہیں! بالاخانے پر رہتا ہوں۔ اوتر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لیکر اوتارا، اور پالکی میں بٹھادیا۔ کھار چلے۔ راہ میں نہ مرا، اور رامپور پہنچ گیا۔ کھاروں نے جا کر بینظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس، اور میں طائرِ اسیر۔ وہ بھی بے پرو بال۔ نہ چل سکون۔ نہ پھر سکون۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بطریقِ فرضِ محال ہے۔ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے۔ بارے تین بیت کا قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں۔ اگر پسند آئے، تو میں خوشنودیِ مزاجِ مبارک سے اطلاع پاؤں^(۱)۔

(۱) اخبارِ یادگار (ص ۹۰) اور اخبارِ الصنادید (ج ۲، ص ۱۳۹) سے معلوم ہوتا ہے، کہ نواب خیلہ آہیان فی سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۵ ع میں باغِ بینظیر کی نمائش کا آغاز کیا۔ موخر الذکر لکھتے ہیں: "سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۵ ع میں باغِ بینظیر میں ایک میلہ جاری کیا۔ آٹھ روز بڑی رونق سے یہ میلہ رہتا تھا۔ مال بکثرت آتا تھا۔ باغ میں بہت سی دوکانیں ہوتی تھیں اور دوہیلکھنڈ کے اکثر معزز روسا اس میلے میں شریک ہوا کرتے تھے۔ نواب صاحب خود بھی آٹھ روز برابر وہیں مقیم رہتے۔ اور اکثر اوقات دوکانوں پر تشریف لے جاکر اسبابِ خرید و فروش کے قسم و جلسے، طرح طرح کی نمائش ہوا کرتی تھی۔ بائیس میلے نواب صاحب نے کئے۔ تیئیسواں میلہ قریب تھا کہ رحلت کی"۔

نمایشگہے در خورِ شانِ خویش برآراست نوابِ عالی جناب
 بہ بین چون طرب را نہایت نماند بود سالِ آن «بخششِ بیحساب»
 خدایا! پسندد خداوندگار کہ از طبعِ غالب رود پیچ و تاب
 «بخششِ بیحساب» کے بارہ سو پچاسی ہوتے ہیں۔ «طرب» کی نہایت بای
 موحدہ ہے۔ جب وہ نہی، تو دو عدد گھٹے۔ اور ۱۲۸۳ رہ گئے۔ فہو المقصود۔
 اگر حضرت کی مرضی ہو، تو دبدبہ سکندری میں یہ تاریخ چھاپی جائے۔
 تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
 داد کا طالب غالب۔ ۱۴ ماہِ اپریل سنہ ۱۸۶۷ عیسوی۔

(۸۱)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
 بعدِ تسلیم معروض ہے۔ توفیقِ وقیع عزِ ورود لایا۔ اپریل سنہ
 ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا سو روپیہ^(۱) معرضِ وصول میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔
 تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
 نجات کا طالب غالب۔ (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷)^(۲)۔

(۸۲)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
 بعدِ ادائیِ مدارجِ تسلیم سو نچتا ہوں، کہ کیا لکھوں۔ ہے ہے میں
 کیون جیستا رہا، جو صاحبزادہ محمد حسن خان کے مرنے کی خبر سنوں،
 اور خداوندِ نعمت کو تعزیت کے کلمات لکھوں۔ میں نیم جان نمروں، اور
 وہ نوجوان مر جائے^(۳)۔

(۱) میرزا صاحب نے لفظ (روپیہ) کو اوپر حسابی رقوم میں سو روپیہ کی تعداد لکھی ہو۔

(۲) خط میں تاریخ درج نہیں تھی۔ میں نے لفافہ میں یہ تاریخ اضافہ کر دی ہو۔

(۳) صاحبزادہ محمد حسن خان بہادر نواب سید غلام محمد خان بہادر کے پرپوتے اور نواب خلد آشیان کی صاحبزادی حیات النساء بیگم ملقب بہ عالیہ سلطان بیگم کی شوہر تھی۔ انھوں نے عین عالم جوانی میں انتقال کیا۔ نواب خلد آشیان کیلئے یہ واقعہ بہت روح فرسا تھا۔ اسیلو میرزا صاحب نے اسقدر برائے تعزیت نامہ ارسال کیا (اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۳۰)۔

سروِ چمنِ سروری افتاد ز پاہای !!

حضرت کے رنج و اندوہ کا تصور اور مارے ڈالتا ہے۔ دوسری محرم کو علی بخش خان خانسامان مرے^(۱)۔ تیسری کو یہ واقعہ ہوشربا پیش آیا۔ یہ تو آپ کا فرزندِ دلبند تھا۔ جو اسکا غم ہو وہ بجا ہے۔ پر فقیر جانتا ہے کہ علی بخش خان کے مرنے کا بھی حضرت کو بڑا رنج ہوا ہوگا۔ ایسے کار گزار، دیانتدار، ہوشمند، مزاجدان کہان پیدا ہوتے ہیں۔ بہر حال «رَضِیْنَا بِرِضَاءِ اللّٰهِ»۔ حضرت کے سامنے صبر، وثبات، و تسلیم، و رضا میں کلام کرنا ادیس کو حکمت پڑھانی، اور خضر کو راہ بتانی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
غالب . ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۳)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . ورودِ توقیعِ وقیع سے فیض پایا . سو روپے^(۲) مئی سنہ ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا معروضِ وصول میں آیا .
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
اسد اللہ یدستگاہ . ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۴)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے ، کہ توقیعِ وقیع عزِ ورود لایا . اوسکی ملفوفہ
ہندوی سے تنخواہ جون سنہ ۱۸۶۷ کا سو روپہ میں نے پایا .

(۱) علی بخش خان خانسامان کی سلسلہ میں عریضہ نمبر ۲۴ کا حاشیہ ملاحظہ ہو .

(۲) میرزا صاحب نو بیان لفظ (روپہ) کیساتھ ، جو جمع ہو ، فعل (آیا) استعمال کیا ہو . چونکہ یہ

قواعد زبان کی بہت ابتدائی غلطی ہو ، اسلئے اسے سہو تصور کرنا چاہئے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ہوا خواہ اسد اللہ . ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . بموجب تحریر میرزا رحیم الدین بہادر حیا^(۱)
کے ، فاضل شطرنج باز کو خرچ دیگر روانہ کیا .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
اسد اللہ یدستگاہ . ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . آپ کے غلام زر خرید ، یعنی حسین عایخان ،
کی منگنی ہو گئی . اور اپنے کنبے مین ہوئی . یعنی نواب احمد بخش خان
مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سے . اور رجب کا مہینا قرار پایا . اب میرے
بڑھاپے اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہات ہے .

نکھون آپ سے تو کس سے کہوں مدعی ضروری الاظهار

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب . ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع^(۲) .

(۱) صاحب عالم میرزا رحیم الدین بہادر حیا بن مرزا کریم الدین رسا دلی کے شاہزادہ اور شاہ نصیر کے شاگرد
تھے . سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے . غدر سنہ ۵۷ ع می قبل نواب فردوس مکان کی طلب پر رامپور
تشریف لائے ، اور یہیں سنہ ۱۳۰۴ھ میں نواب خلد آشیان کی وفات کے آٹھ دن بعد ۹۴ سال کی عمر میں
فوت ہوئے . انھیں شعر و شطرنج کا بہت شوق تھا . اردو میں (صفحہ ۸۲) می معلوم ہوتا ہے کہ
مرزا صاحب نے حیا کے دیوان کا دیباچہ لکھا تھا .

(۲) اس عریضہ کے لغافہ پر سمو ۲۹ اگست درج ہو گیا ہے . نواب خلد آشیان نے ۲۶ ربیع الثانی سنہ
۱۲۸۴ھ مطابق ۲۸ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع کو جواباً تحریر فرمایا : چونکہ مفاوضہ بھت طراز می
منشای خاص آپ کا بخوبی منکشف ہوا . اس واسطے حوالہ عامۃ محبت نگار کے ہوتا ہے ، کہ آپ خلاصہ
مکون خاطر محبت مظاہر می مطلع کیجئے . کہ بمقتضای انضباط روابط موافقت قدیمہ جو بات کہ
ممکن ہوگی ، وہ ظہور میں آئیگی . خاطر جمع رکھو .

(۸۷)

آن کیست کہ جسمِ ملک را جان باشد آن کیست کہ ہمسرِ سالیان باشد
 آن کیست کہ انجمش بفرمان باشد کس نیست، مگر کلبِ علیخان باشد
 حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عترِ ورود لایا۔ اوس مین یہ حکم
 مندرج پایا، کہ حسین علیخان کی شادی کے باب مین «خلاصہ مکنونِ خاطر»
 عرض کروں۔ حکم بجا لاتا ہوں، اور عرض کرتا ہوں۔

بجملہ یہ کہ مین درِ دولت کا گدایِ خاک نشین۔ اور وہ آپ کا غلام۔
 تفصیل یہ کہ میرے پاس نقد، جنس، اسباب، املاک، اور میرے گھر مین
 زیورِ زرینہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں۔ ہت اودھار قرض کوئی دیتا نہیں۔
 آپ روپیہ عنایت فرمائیں، تا یہ کام سر انجام پائے، اور بوڑھے فقیر کی
 برادری مین شرم رہ جائے۔

دوسری بات یہ کہ سو روپیئے آپ کی سرکار سے بطریقِ خیرات اور
 باسٹھ روپیئے آٹھ آنے^(۱) مہینا انگریزی سرکار سے بعوضِ جاگیر پاتا ہوں۔
 عالم الغیب جانتا ہے، کہ اس مین میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔ بہو کو
 کہان سے کھلاؤنگا۔ حسین علیخان کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے۔ لیکن
 توقعِ تنخواہ اوس کے نام جاری نہو۔ بلکہ اوس کی زوجہ حُسن جہان بیگم
 بنتِ اکبر علیخان کے نام وہ تنخواہ مقرر ہو۔ اور اوس کی مہری رسید سے
 ملا کرے۔ زرِ مصرفِ شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند
 کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی قسمت۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار

(۱) بیان میرزا صاحب نے صرف حسابی رقم لکھی ہو۔ مین نے سہولت طباعت کو خیال سے رقم کو الفاظ
 مین تبدیل کر دیا ہو۔

نجات کا طالب غالب . ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۸۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . عنایت نامہ عز و رود لایا . اللہ اکبر !
حضرت نے غمخواری و تفقد و درویش نوازی کو اوس پایہ پر پہنچایا ، کہ
شاہانِ عجم میں سلطان سنجر^(۲) نے اور شاہانِ ہند میں شاہجہان^(۳) نے ملازمن
کی اتنی پریش اور نوازش کی ہوگی . باقر علیخان^(۴) کی شادی نواب

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا تھا : چونکہ آن مشفق تعداد
مصارف شادی مجوزہ خود تحریر نموده اند ، لہذا حوالہ خاتمہ محبت نگار میشود ، کہ اول از تعداد
مصارف شادی مطلع نمایند . بعد دریافت آن درین خصوص تجویز مناسب بعمل خواهد آمد ، چرا کہ
بمقتضای موانست و اتحاد قدیمہ راقم را خوشنودی آن مہربان در امور مناسبہ مد نظر است المرقوم
۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۴ ہجری مطابق ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ ع .

(۲) سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوق سنہ ۵۱۱ھ (۱۱۱۷ ع) میں بادشاہ ہوا ، یہ بڑا اولوالعزم اور
صاحب جود و کرم بادشاہ تھا . اگرچہ آخر میں معرکوں میں ناکام رہا ، لیکن اسکی ابتدائی حکومت
فتوحات کی وسعت کی بدولت تاریخ کا روشن باب ہو . یہ علم و ہنر اور شعرو سخن کا بھی بڑا قدردان
اور مری تھا . رشید و طوطا ، اور انوری وغیرہ اسکی درباری شعرا میں شمار ہوتے ہیں . اسے
انوری کے کاشانہ کو اپنی قدیم مینت لزوم سے دو بار شرف بخشا . آخر میں ترکانوں کے ہاتھ میں
گرفتار ہو گیا تھا . وہاں سے بدقت آزاد ہوا ، تو ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ ع) کو دست
قضا فی پیکر لیا .

(۳) شاہجہان ہندوستان کے مغل خاندان سلاطین کا پانچواں حکمران تھا . ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ ع)
میں رانی بامنی دختر راجہ اودیسنگہ والی جودھپور کے ہاں سے پیدا ہوا . ۳۵ سال کی عمر میں سنہ
۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ ع) کو اپنے والد جہانگیر کے انتقال کے بعد مسند حکومت پر قدم رکھا . اور
سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ ع) میں اپنی لڑکی عالمگیر اورنگ زیب کی حق میں تاج و تخت ہدیہ دست بردار
ہو کر آگرہ کے قلعہ میں جا بسا . موجودہ دلی اسی کی آباد کی ہوئی ہے . یہ بڑا سخی دانا
اور شہرہ آفاق قدردان علم و ہنر بادشاہ گزرا ہے . دلی کے مسجد جامع اور لال قلعہ ، اور آگرہ
کی عظیم النظیر روضہ تاج محل کا بانی ہے . اسکی قدردانی اور قدر افزائی کا یہ عالم تھا ، کہ مختلف
موقعوں پر شاعروں کو روپیہ اور اثرفیون میں تلوا دیا اور کئی سخن گستروں کو منہ ہیری اور موتیوں
سے بھر دئی . اس نے آگرہ میں سنہ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ ع) کو وفات پائی ، اور تاج محل میں اپنی بیوی کے
برابر مدفون ہوا .

(۴) باقر علی خان میرزا صاحب کی بیٹی کے حقیقی بھائی نواب دین الدین خان عارف کی بڑی لڑکی تھی .
میرزا صاحب کے اپنے بھی نہ جڑے ، تو اونکی بیٹی نے عارف کو بیٹا بنا لیا . وہ بڑی لائق اور خوشگو
شاعر ہوئی . مرزا صاحب کو ان سے دو چند محبت تھی ، کیونکہ وہ سعادت مند بیٹو ہی نہ تھے ، (باقی)

ضیاء الدین خان کے ہاں ہوئی۔ انہوں نے کھانے جوڑے کے دو ہزار روپیہ دیئے۔ اور میری زوجہ نے پانسو روپیئے کا زیور لگا کر پچیس سو روپیئے صرف کئے۔ حسین علیخان کا سسر، یعنی اکبر علیخان، اپنے خاندان کا ہے۔ لیکن امیر نہیں۔ نوکری پیشہ ہے۔ اب یہ مین کیونکر عرض کروں کہ مجھے کیا دو۔ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدار سوال عرض کرے۔ حالِ مصارفِ شادی خاندان لکھ دیا ہے۔ دو ڈھائی ہزار مین شادی اچھی ہو جائے گی۔ لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرتا ہے، کہ میرا حقِ خدمت اتنا نہیں کہ اسقدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دو گے، اوس مین شادی کر دوں گا۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ معروضہ ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۲۳۸ مطابق ۲۳ سنہ ۱۸۷۶ فردایِ ورودِ ہمایون منشور^(۱)۔

(۸۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسامیم معروض ہے۔ فرمانِ والا مع ہندویٰ تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ عَزِ ورود لایا۔ سو روپیہ^(۲) معروضِ وصول مین آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔

(بقیہ) قابلِ غر شاگرد بھی تھی۔ لیکن میرزا صاحب اور اونکی بی بی کی بدقسمتی کہ وہ عین جوانی مین فوت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اونکو دو بچوں کو پوتوں کی طرح پالا۔ باقر علی خان جو بڑی تھی۔ جوان ہو کر اپنی والدہ کے خلف الرشید ثابت ہوئی۔ یہ شعر کہتی تھی، اور کامل تخلص تھا۔ مرزا صاحب کی ساتھ دونوں مرتبہ رامپور آئی۔ جوان ہو کر الور مین ملازم ہو گئی تھی۔ اردو میں ملی (صفحہ ۳۲۱-۳۲۳) میں معلوم ہوتا ہے کہ انکی ایک لڑکی بھی تھی۔ انہوں نے جوانی مین سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ع) کو انتقال کیا (تاریخ لطیف، ص ۱۹۱)۔

(۱) اس عریضہ کی تاریخوں مین میرزا صاحب میں سہو ہوا ہے۔ در اصل انہیں سنہ ۱۲۸۴ھ اور ۱۸۶۷ع لکھنا چاہی تھا۔ اسبطرح انگریزی مینیو کا نام بھی بھول گئی ہیں۔ البتہ لفافہ کی تاریخ مین ماہ و سنہ انگریزی یوں لکھا ہے (۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۷)۔ لفسافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا نوٹ ہے۔ پیش نمودہ شد۔ هنوز حکم تحریر جواب صادر نشده۔ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ع۔

(۲) اسکی اوپر حسابی رقم بھی تحریر ہے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
ترحم کا طالب غالب . ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ .

(۹۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . دبدبہ سکندری مین حضرت کے مزاج کی
ناسازی کا ذکر دیکھ کر جو مجھ پر گزری ، میرا خدا جانتا ہے . مگر یہ بڑی
بات ہے کہ اوسی ذکر کیساتھ افاقہ و رفع مرض کی بھی نوید مندرج تھی .
توقع ہے کہ حضرت ! مفصل حال مرض کے پیدا ہونے کا اور پھر رفع ہونے
کا اور فی الحال مزاج اقدس کیسا ہے . میر منشی کو حکم ہو جائے . کہ حضور
کی زبانی خط مین مجھے لکھ بھیجیں .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
غالب . ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۹۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ایک قطعہ ۱۵ شعر کا بھیجتا ہوں . حضور
ملاحظہ فرمائیں . مضامین کی طرز نئی . مدح کا انداز نیا . دعا کا اسلوب نیا .
زیادہ حد ادب^(۲) .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

(۱) اس عریضہ کے جواب مین لکھا گیا تھا : " مشقاً فی الحقیقت مزاج راقم از مرکز اعتدال منحرف شدہ
بود . و حالام طبعیت خوب صاف نیست و تجویز استعمال مسہلات در پیش . ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ ع .
(۲) یہ قطعہ مثل مین موجود نہیں ہے . لفافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا ایک نوٹ ہے . اوس می معلوم
ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے قطعہ منشی امیر احمد امیر مینائی کو دیدیا تھا . میر منشی صاحب کی الفاظ
یہ ہیں : " پیش نمودہ شد . حضور پر نور بعد ملاحظہ قصیدہ حوالہ منشی امیر احمد صاحب فرمودند .
۹ نومبر سنہ ۱۸۶۷ ع . " نواب صاحب نے ۱۸ نومبر سنہ مذکور کو قطعہ کی رسید مین تحریر فرمایا : " ...
مفاوضہ عدیم الماوضہ مع یک قطعہ بمضامین نو و طرز نادر رنگ افروز جبرہ وصول گردید . و از ملاحظہ
مضامین نوش انشراح دل بحصول انجامید . "

نجات کا طالب غالب . ۵ رجب سنہ ۱۲۸۴ ہجری^(۱)

(۹۲)

حضرت آیہ رحمت ولی نعمت سلامت^(۲) .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل ۱۶ دسمبر کو نومبر کی تنخواہ کی ہنڈوی پہنچی . وہ بھی سعادت مند منشی سیلچند کے خط میں ملفوف . دیر میں ہنڈوی کا پہنچنا یک طرف . حضرت کے توقیع و قیع کے مشاہدہ سے آنکھوں کا روشن نہونا میری سیاہ بختی کی دلیل ہے . زیادہ حدِ ادب .
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ .

(۹۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . آج روزِ شنبہ یکم ماہِ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہجری ، بہ اتفاقِ حسابِ دوج و نگارشِ جنتری .
روزِ روزہ است و روزِ ناپیداست غلظتِ ابر و شدتِ سرماست
چونکہ دھوپ تو نظر ہی نہیں آتی ، ناچار دن رات آگ تاپتا ہوں ، اور ہر وقت کانپتا ہوں .

ماہِ صیام میں سلاطین و اُمرا خیرات کرتے ہیں . اگر حسین علیخان یتیم کی شادی اسی صیغے میں ہو جائے ، اور اس بوڑھے اباہج فقیر کو روپیہ مل جائے ، تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے ، اور شوال میں رسمِ نکاح عمل میں آئے . اور چونکہ اس ماہِ مبارک میں درِ فیض باز ، اور سالِ انگریزی کا

(۱) عریضہ ک لفاظہ پر تاریخ انگریزی ۲ نومبر سنہ ۱۸۶۷ تحریر ہوئی .

(۲) بیان میرزا صاحب ذو الفاظ کی قدیم ترتیب کو بدلدیا ہو .

بھی آغاز ہے، وہ پچیس^(۱) روپے مہینا جو زبانِ مبارک سے نکلا ہے، جنوری سنہ ۱۸۶۸ سے بنامِ حسین علیخان مذکور جاری ہو جائے، تو مجھے گویا دونوں جہان ملگئے۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار لکھا ہوا یکم رمضان اور بھیجا ہوا دوم رمضان کا۔ عطا کا طالب غالب^(۲)۔

(۹۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ منشورِ رافتِ عزِ ورود لایا۔ ہنڈوی ملفوفہ سے سو روپیہ بابت تنخواہِ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ معرضِ وصول میں آیا۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار توجہ کا طالب غالب۔ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۸ عیسوی۔

(۹۵)

داد و دھشِ تو روز افزون بادا بر دولتِ تو زمانہ مفتون بادا
این عید و دوصد ہزار عیدِ دیگر بر ذاتِ تو فرخ و ہمایون بادا
نجات کا طالب غالب۔ جمعہ ۲۸ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہجری^(۳)۔

(۹۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطاوتِ ظہورِ عزِ ورود لایا۔ اور

(۱) میرزا صاحب نے روپیہ کی تعداد حسابی رقم سے بھی ظاہر کی ہے۔

(۲) اس عریضہ کی لفافہ پر میرزا صاحب نے یکشنبہ دوم رمضان و ۲۹ دسمبر لکھا ہے۔ نواب خلد آشیان نے جواباً ۶ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع مطابق ۱۰ رمضان سنہ ۱۲۸۴ھ کو جو فرمانِ تحریر فرمایا ہے، اوس میں میرزا صاحب کی اصل مدعا کا کوئی تذکرہ نہیں۔

(۳) اس قطعہ کیساتھ مثل میں کوئی عریضہ منسلک نہیں۔ غالباً بلا عریضہ ارسال ہوا۔ لفافہ پر انگریزی تاریخ ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع تحریر ہے۔ اس قطعہ کی رسید میں نواب خلد آشیان نے ۵ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع کو تحریر فرمایا: "قطعہ مبارکباد عید القطر بطرزِ اغز و مضامین شرف افزا موصول گشتہ ساز و برگ فرحت و انبساط افزود۔"

اوسکی ملفوفہ ہنڈوی سے جنوری سنہ ۱۸۶۸ حال کا سو روپیہ معرض وصول میں آیا۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب . ۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۸۔

(۹۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

عرض مدارج عز و نیاز کے بعد نوازشنامہ کے پہنچنے کا اور تنخواہ فروری سنہ ۱۸۶۸ کے پانے کا شکر بجالاتا ہوں . سبحان اللہ ! کیا برکت ہے اس سو روپیے میں ، کہ سو آدمی روٹی کھاتے ہیں ، اور اس فقیر کے بھی سو کام نکلتا ہے ہیں .

مرزا حسین علیخان کی شادی رجب کے مہینے میں قرار پائی تھی . عطیہ حضور کے نہ پہنچنے کے سبب ملتوی رہی . آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہے . ۱۵ دن یہ اور مہینا ذی الحجہ کا . اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گے ، تو آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائیگا . خدا کرے خداوند کے ضمیر میں یہ بھی گزرے کہ غالب جب بہو بیاہ لائیگا ، تو اوسکو روٹی کھان سے کھلائیگا . غرض اس سے یہ کہ حسین علیخان کی تنخواہ جاری ہو جائے . حضرت ! کوئی ایسا نہیں کہ جو میرے مطالب حضور میں عرض کرتا رہے ، اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸^(۱)۔

(۱) عریضہ کو لفسافہ پر دوشنبہ نہم مارچ سنہ ۱۸۶۸ تاریخ درج ہو . چونکہ اس می یوم روانگی متعین ہوتا تھا ، اسلئے یہاں نقل کرنا مناسب سمجھا گیا .

(۹۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . منشور عطوفت ظهور عتر ورود لایا .
سو روپیہ کا کاغذ خط کے لفافے میں سے پایا . اپریل سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ
کا روپیہ معرض وصول میں آیا .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
(دوشنبہ ۱۱ اپریل سنہ ۱۸۶۸) (۱) .

(۹۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . شوق قدمبوس نے تنگ کیا . جب دیکھا کہ
کسی طرح جا نہیں سکتا ، ناچار اپنا نقشا اوتروایا ، اور خدمت عالی میں روانہ
کیا . جب تک کہ میں جیتا ہوں ، تب تک اس صورت سے حاضر رہونگا .
زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عنایت کا طالب غالب . ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۷ (۲) .

(۱) عریضہ میں کاتب کا نام اور تاریخ کتابت دونوں درج نہیں . البتہ لفافہ پر میرزا صاحب نے ۱۱ اپریل
سنہ ۱۸۶۸ تحریر کیا ہے . لیکن یہ درست نہیں . اولاً اسلٹو کہ ڈاکخانہ کی انگریزی مہر میں ۱۱ مئی
لکھی گئی ہے . ثانیاً اسلٹو کہ اس عریضہ میں تنخواہ اپریل کی اطلاع دی ہے . اور یہ مسلم ہے کہ اپریل
کی تنخواہ اپریل میں نہیں ملتی ، مئی میں ملتی ہے . اسلٹو اسکو ۱۱ ماہ مئی سنہ ۶۸ ع کا ہونا چاہئے .

(۲) میرزا صاحب نے سہو آسنہ ۶۷ ع لکھ دیا ہے . صحیح تاریخ ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع ہے . اسلٹو کہ اولاً تو
جون سنہ ۶۸ ع کی نوشتہ عریضہ میں اسکی رسید طلب کی ہے اور اوس میں اس خط کو " سابق کا عریضہ " لکھا ہے . جس میں ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں عریضوں کی درمیان کمی تیسری عریضہ کا فصل نہیں
تھا . ثانیاً امی عریضہ کی لفافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا حسب ذیل نوٹ ہے : " تصویر بعد
ملاحظہ سپرد سید مجاور علی صاحب شد . ۲ جون سنہ ۱۸۶۸ ع . " اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ
سنہ ۶۸ ع کا ہے . اگر سنہ ۶۷ ع کا ہوتا ، تو اومی سال میرزا صاحب تقاضای رسید کرتی ، اور
اومی وقت " رکار " یہ تصویر ملاحظہ فرما کر سید مجاور علی صاحب کو دیتی .

(۱۰۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . آج چوتھا دن ہے ، کہ توقیعِ وقیعِ عزِ ورود لایا ہے . ہندوی ملفوفہ کی رو سے تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۸ کا سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا ہے . جواب کے جلد نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے ، کہ مین گرمی کی شدت کے سبب سے ، اور احتباسِ ہوا سے کہ جو لازماً موسمِ برسات ہے . بیکارِ محض ہو گیا ہوں . مطلق کچھ لکھ نہیں سکتا . اور کوئی ایسا شخص ، کہ جس سے کچھ لکھواؤں ، اس چار روز میں میرے پاس نہیں آیا . آج اسوقت ایک صاحب آگئے . اُن سے مین نے یہ عریضہ لکھوا لیا .

پیر و مرشد ! سابق کے عریضہ کیساتھ مین نے اپنی تصویر حضور میں بھیجی ہے . اوسکی رسید اس نوازشنامہ میں مرقوم تھی . مجکو یہ اندیشہ ہے ، کہ کہیں وہ لفافہ ڈاک میں تلف نہ ہو گیا ہو . اگر اوسکی رسید سے شرفِ اطلاع پاؤں ، تو دلجمعی ہو جائے (۱) .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
۱۵ جون سنہ ۱۸۶۸ ع . نجات کا طالب غالب (۲) .

(۱۰۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل منشورِ عطوفتِ عزِ صدور لایا . جولائی سنہ ۱۸۶۸ کا سو روپیہ (۳) بذریعہ ہندوی وصول پایا .

(۱) نواب صاحب نے جوابی فرمان مورخہ ۷ جولائی سنہ ۶۸ ع میں تحریر فرمایا ہو : ہ شبہ آن مشفق وصول شادمانی آوردہ از فرط محبتہا متصور شد . اس تصویر کے علاوہ میرزا صاحب نے جہان جہان اپنی تصویریں بھیجی تھیں ، انکو لٹو اردوی معلی ، ص ۲۰ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۱۲۶ ، ۲۳۷ ، ۲۴۷ ملاحظہ ہو .

(۲) اس عریضہ میں صرف (طالب غالب) میرزا صاحب کے قلم کا لکھا ہوا ہے .

(۳) الفاظ کے اوپر میرزا صاحب نے حسابی رقم بھی لکھی ہیں .

تین التماسین سابق پیش ہوئی تھیں . سو اب پہلے برخوردار نواب مرزا خان کی تحریر سے ، اور پھر جناب مظفر حسین خان بہادر^(۱) کے خط سے اون خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی . انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور امی برس ۶۸ میں آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض بھی ادا ہو جایگا ، اور حسین علیخان کی شادی بھی ہو جایگی ، اور اوسکے واسطے اوسکی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جایگی .

با کریمان کارھا دشوار نیست

عرضداشت ہوا خواہ اسد اللہ . معروضہ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۸ .
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون

(۱۰۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تقدیم مدارج تسلیم معروض ہے . توقیعِ رافت عز و رود لایا .
میں نے ہندوی ملفوفہ کے ذریعہ سے بابت تنخواہ اگست سنہ ۱۸۶۸ سو روپیہ وصول پایا .

نکھون آپ سے تو کس سے کہوں مدعایِ ضروری الاظہار

(۱) مظفر حسین خان بہادر ابن مسیح الدولہ حکیم علی حسین خان بہادر لکھنوی نواب خلد آشیان کی مصاحب تھی . ان کے والد مسیح الدولہ شاہ اودھ کے طیب خاص تھے . لیکن سلطنت اودھ کی بساط اولیائو کے بعد یہ خاندان بھی ترک وطن پر مجبور ہوا . رامپور اوس زمانہ میں صاحبان علم و ہنر کا ملجاء و ماوی تھا . مظفر حسین خان اور انکی بھائی احسان حسین خان نے بھی سنہ ۱۸۶۷ع میں اس دربار دربار کا قصد کیا . نواب خلد آشیان نے ان دونوں کی کا حقہ قدر و منزلت کی . مظفر حسین خان صاحب علم اور ایک نہایت عمدہ ذخیرہ مخطوطات و مطبوعات کے مالک تھے . نواب صاحب نے اون سے یہ پورا ذخیرہ خرید کر مرکز کی خزانہ کتب میں شامل فرما لیا . ان تمام کتابوں پر مظفر حسین خان کے دستخط ثبت ہیں ، اور متعدد نسخوں پر جا بجا حواشی بھی پائی جاتی ہیں . خود ان کے اپنی مصنفہ متعدد رسالے بھی کتب خانہ میں موجود ہیں . یہ عربی زمانہ میں لکھی گئی ہیں ، اور فلسفہ و حکمت سے متعلق ہیں . میرزا غالب سے انکی روابط تھیں . اسلئے جب یہ رامپور آئے ہیں ، تو میرزا صاحب نے منشی سیلچند سے انکی درباری قدر و منزلت کے متعلق استفسار کیا تھا . ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۱۴ ، مجموعہ ہذا .

پیر و مرشد! حسین علیخان کے سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہے۔ زندگی مشکل ہو گئی ہے۔ بطریق «شیئاً للہ» سوالِ مختصر یہ ہے، کہ جو حضرت کے مزاج میں آوے، وہ عطا کیجیے۔ اور حسین علیخان کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجیے۔ لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
زیادہ حدِ ادب۔ عرضداشتِ دولتنخواہ اسد اللہ۔ معروضہ ۷ ستمبر
سنہ ۱۸۶۸ء

(۱۰۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے عزِ
ورود لایا۔ تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء کا روپیہ میں نے پایا۔
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
مشتاقِ مرگِ ناگاہ اسد اللہ۔ ۱۳ ماہ اکتوبر ۱۸۶۸ء

(۱۰۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ رافت شرفِ ورود لایا۔ سو روپیہ^(۱)
بابت تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ء از رویِ ہنڈوی ملفوفہ خط معروضِ وصول
میں آیا۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے! مجھ سے اپاہج نکتے کو یعوضِ
خدمت تنخواہ دیتے ہو۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عرضداشتِ اسد اللہ۔ مورخہ ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۸ء

(۱) یہاں میرزا صاحب نے حاشیہ رقم لکھی تھی۔ میں نے مہول طباعت کو خیال سے اسکو الفاظ میں لکھ دیا ہے۔

(۱۰۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . کل عریضہ مشعر رسید تنخواہ نومبر سنہ ۱۸۶۸ حال ارسال کرچکا ہوں . آج ناچار از روی اضطراب و افتقار پھر یہ عرضی لکھتا ہوں .

حال میرا تباہ ہوتے ہوئے اب یہ نوبت پہنچی ، کہ اب کی تنخواہ مین سے ۵۴^(۱) روپے بچے . ۶۳^(۱) روپے کا چٹھا ماہوار کا سو سہ ماہہ دینا . بھلا آٹھ سو روپے ہوں ، تو میری آبرو بچتی ہے . ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکے نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی . اب اس باب مین عرض کروں کیا مجال . کبھی نہ کہونگا . آٹھ سو روپے بھکو اور دیجے . شادی کیسی ؟ میری آبرو بچ جائے ، تو غنیمت ہے . برخوردار نواب مرزا خان کے خط مین یہ حال مفصل لکھا ہے . وہ عرض کریگا . مختصر یہ کہ اب میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے . مگر حضور جو عطا فرمانا ہے ، جلد ارشاد ہو . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
عرضداشت گدای یک در اسد اللہ مضطر . ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۸ .

(۱۰۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . بہت دن ہوئے ، کہ برخوردار نواب مرزا خان نے بھکو مبارکباد لکھی تھی ، کہ حضور نے تیرے قرض کے ادا کرنے کی نوید دی ہے ، اور مقدار قرض پوچھی ہے . سو مین نے اونکو لکھ بھیجا تھا ، کہ آٹھ سو روپے مین میرا قرض تمام ادا ہو جایگا . اس تحریر سے

(۱) یہاں میرزا صاحب نے حسابی رقم لکھی تھیں . مین نے مہولت طباعت کے خیال سے اونکو الفاظ مین

یاد دہی منظور ہے۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
آرام کا طالب غالب۔ صبح پنجشنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۸^(۱)

(۱۰۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ اور اوس میں تنخواہ دسمبر سنہ
۱۸۶۸ کی ہنڈوی ملفوف پہنچی۔ جلد یاد آوری کا شکر بجا لایا۔ حضور
قرض خواہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہے۔ بس میرا یہی کام ہے کہ یاد دلا دوں
آگے حضرت مالک مین۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عرضداشت غالب گدیہ خواہ۔ مرقومہ روز یکشنبہ اواخر تاریخ رمضان
المقدس سنہ ۱۲۸۵ ھ^(۲)۔

(۱) اس عریضہ کے لفافہ پر ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ درج ہو اور لفافہ کی پشت پر نوٹ ہو : پیش نمودہ شد
حکم صادر نشد۔ ۲۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ع۔

(۲) لفافہ پر دہم جنوری سنہ ۱۸۶۹ء تحریر ہو۔ یہ میرزا صاحب کی آخری تحریر ہو۔ حسین علی
خان کے عریضہ میں معلوم ہوتا ہے کہ جنوری کی تنخواہ ۱۵ فروری کو میرزا صاحب کے انتقال سے
ایک گھنٹہ قبل پہنچی تھی، اسلئے اوسکی رسید اپنی قلم میں نہ لکھ سکی۔ سویم کے روز حسین علی
خان نے سرکار کو میرزا صاحب کے انتقال کی اطلاع دی ہوئی لکھا : بتاريخ ۱۵ فروری سنہ حال
مطابق ۲ ذیقعدہ روز دوشنبہ وقت ظہر جناب دادا جان صاحب قلم نواب اسد اللہ خان غالب عرف
مرزا نوشہ صاحب نے اس جہان فانی میں رحلت کی۔ فدوی کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ کس قدر رنج و الم
اس سانحہ جانگزا و جگر خراش میں لاحق ہوا ہو۔ اور نیز جناب دادی صاحبہ معظمہ کا حال
اس رنج میں عالم پیری میں ایسا ہو گیا ہے کہ گزارش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضور کا نوازشنامہ مع
ہنڈوی یکھد رویہ بابت تنخواہ جنوری سنہ ۶۹ ع کے ۱۵ فروری کو ایک گھنٹہ پہلے انتقال دادا
جان صاحب میں شرف صدور لایا تھا۔ رسید ہنڈوی واسطی اطلاع حضور کے عرض کی گئی۔



• بخدمت نواب صاحب مشفق و مکرم مظهر لطف و کرم نواب زین العابدین خان صاحب بہادر عرف کلن میان سئلہ اللہ تعالیٰ مقبول باد»^(۱)

(صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر عرف کلن میان ولد صاحبزادہ سید اصغر خلیخان بہادر ولد نواب سید عبداللہ خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر ، نواب فردوس مکان کی مسجد تھی ، دلی میں پیدا ہوئی ، اور وہیں نشو و نما پائی . اپنی دادا نواب سید عبداللہ خان صاحب بہادر کی صدر الصدوری میرٹھ کے زمانہ میں اونکی ساتھ رہی . نواب فردوس مکان کے عہد میں رامپور آئی ، اور یہاں سے کسی بات پر ناراض ہو کر جیپور چلی گئی ، اور وہیں توطن اختیار کر لیا . امیر مینائی نے انتخاب یادگار (ص ۲۱۲) میں انکی متعلق لکھا ہے :

• عابد . صاحبزادہ محمد زین العابدین خان عرف کلن خان ولد صاحبزادہ محمد اصغر خلیخان اصغر بیالیس برس کا سن ہی . تلذ کسی می نہیں . بطور خود کہتی ہیں . یہ اونکا کلام ہو :

تھا جو اوڑنا ہی ہوش کو میری بوی گیسوی غبریں ہوتا
تھا نہ کھلنا جو عقدہ دلکو کاش ابرو کی تیری چین ہوتا

انکی دادا میرزا صاحب کی مخلص دوست تھی . اسلئے یہ میرزا صاحب کو اپنا بزرگ اور وہ انہیں اپنا فرزند خیال کرتی تھی . لیکن نواب فردوس مکان ان سے آخر میں ناخوش ہو گئی تھی . اسلئے میرزا صاحب نے ان کے کلام پر اصلاح دیو سے انکار کر دیا تھا . صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر نے جیپور میں دسمبر سنہ ۱۸۹۲ ع کو انتقال کیا .)

(۱۰۸)

بندہ پرور !

مہربانی نامہ پہنچا . میں تو سمجھا تھا ، آپ مجکو بھول گئے . بارے یاد کیا . جناب نواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میری امیدگاہ ہیں . میں اگر رامپور نہ آؤنگا تو کہاں جاؤنگا . یہ جو آپ کہتے ہیں کہ مجکو آنے میں تردد کیا ہے ، تردد کچھ نہیں ، توقف ہے . وجہ توقف کی یہ کہ میں

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے لافانہ پر لکھی تھی . میں نے عنوان میں تبرکاً نقل کر دی ہے .

نے اپنی پنسن کے باب مین چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کمشنر شہر کے وہ درخواست حوالہ ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے صاحب کلکتر شہر سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پنسن کی ہے۔ تو یہاں کی کلکتری کا دفتر اگر نہیں رہا نہ رہے۔ رینو بورڈ^(۱) کے دفتر، اور لفٹنٹ گورنری آگرہ، اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنسن کی کیفیت سے خالی نہیں ہیں۔ اور اگر میری کیفیت مطلوب ہے، تو میرا بے جرم اور بری اور الگ ہونا فساد سے از روی دفتر قلعہ و اظہارِ مخبرین ظاہر ہے۔ بہر حال صاحب کمشنر شہر کیفیت صاحب کلکتر سے طلب کر کر چیف کمشنر کیساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھتے کب آئیں، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دین۔ مگر تا صدور حکم مین یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملنے حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالف مدعا، دونوں صورت مین رامپور آؤں گا۔ مگر حیران ہوں، کہ جب تک یہاں رہوں کھاؤں کیا، اور جب چلنے کا قصد ہو تو رامپور کس طرح پہنچوں۔ کیا خوب ہو کہ تم یہ رقعہ اپنے نام کا حضور کو، یعنی حضرت نواب صاحب کو، پڑھو اگر اس مدعا کی خاص کا جواب، جو وہ فرمائیں، مجھ کو لکھ بھیجو۔ لیکن تم سے یہ توقع کیونکر پڑے کس واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت کر کر کب لکھا ہے، جو اس بات کا جواب لکھو گے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ از غالب۔ نگاشتہ و روان داشتہ پنجشنبہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ ع۔ ضروری جواب طلب^(۲)۔

(۱) اس لفظ کو میرزا صاحب نے اس طرح لکھا ہے۔ لیکن صحیح ہورڈ ہے۔

(۲) خط کو لغافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۴ تاریخ کو امیو لکھ لیا تھا، اور یہ ارادہ تھا، کہ ۲۵ کو پوسٹ کرائینگے، اسلئے ۲۵ مارچ تاریخ لکھدی تھی۔ لیکن بعد ازان از راہ عجلت ۲۴ ہی کو ڈاک مین ڈلوایا۔ اصل عبارت یہ ہے: ”در شہر رامپور موصول و بخدمت نواب صاحب مشفق و مکرم مظهر لطف و کرم نواب زن العابدین خان صاحب عرف کلن میان سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد۔ از غالب بکرنگ۔ بیرنگ۔“ مرسلہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸۔ ضروری۔ جواب طلب و شتاب طلب۔ چون عجلت در ارسال مکتوب می بایست، ہم بروز چہار شنبہ آخر روز ۲۴ مارچ فرستادہ شد۔“

(۱۰۹)

نوابصاحب والا قدر عظیم الشان سلیم اللہ تعالیٰ.

بعدِ سلامِ مسنون مشہودِ خاطرِ عاطر ہو۔ سابقِ آپ کا خط متضمن
اردو کے استفتائی روزمرہ کا آیا تھا۔ اوسکا جواب جو مجھے معلوم تھا لکھ
بھیجا۔ اب جو دوسرا خط آیا، اوس میں آپ نے اپنے اشعار بتوقعِ اصلاح
بھیجے ہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ میں خاص خدمتِ اصلاحِ اشعار پر جناب
نوابصاحب قبلہ کانوکر ہوں، اور آپ حضور کے عزیزوں میں اور فرزندوں میں
ہیں۔ پس میں بے حکم حضور کے آپ کی خدمت بجا نہیں لا سکتا۔ ناچار
کاغذِ اشعار مسترد بھیجتا ہوں۔ ”یہ امر یقین ہے کہ موجبِ ملالِ خاطرِ اقدس نہوگا۔
بندگی بیچارگی۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں، کہ مدعاۓ ضروری الاظہار اسبقدر
تھا۔ والسلام۔“ راقم اسد اللہ خان غالب۔ ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۵^(۱)۔

(۱) زین العابدین خان کی خط کیٹی۔ خط نمبر ۱۱۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔



» بمطالعہ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند

صاحب میر منشی سلہ اللہ تعالیٰ مفتوح باد»^(۱)

(منشی سیلچند راجہ کنورسین کی اولاد میں ہیں۔ کنورسین قوم کے کایستہ اور نواب سید علی محمد خان بہادر فاتح روہیلکھنڈ کے معتمد سردار تھے۔ قلم مرہند کی فتح میں اپنی ولی نعمت کے ہرکاب خدمات شایستہ انجام دیکر بادشاہ دہلی کے دربار میں راجہ کا خطاب حاصل کیا۔ روہیلہ سلطنت کے ٹکڑی ہوئی، اور نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر ریاست رامپور کے والی بن کر اس خطہ میں تشریف لائے، تو اونکو رکاب میں تمام وفادار سرداران روہیلہ کیساتھ منشی صاحب کا خاندان بھی تھا۔ منشی سیلچند کی تاریخ ولادت اور جای پیدائش کا صحیح حال معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع کو انکی عمر اکیاسی سال کی تھی۔ اس حساب سے سنہ ولادت ۱۸۱۳ ع قرار پاتا ہو۔ انکا ابتدائی تقرر نواب سید احمد علیخان بہادر کے عہد حکومت میں بعدہ ناظر نظامت ہوا۔ بعد ازان عامل (تخصیصدار) مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۴ ع میں انکی والدہ نے وفات پائی تو اونکی اساسی پر محکمہ عالیہ دار الانشاء میں بدلدیو گئی۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ ع میں ریاست کیطرف سے خبر رسانی و فراہمی رسد وغیرہ کا کام انجام دیا، اور نواب گورنر جنرل بہادر میں بصلہ خدمات دربار فتحگڑھ میں دوشالہ انعام پایا۔ نواب فردوس مکان نے بھی انکی خدمات کی تعریف میں روہیلہ جاری فرمایا، اور ایک تلوار عطا کی۔ نواب صاحب کی وفات کے بعد نواب خلد آشیان اور نواب عرش آشیان نے بھی انکی بہت قدر و منزلت فرمائی۔ بالآخر پانچ والیان ریاست کی خدمت کر کے ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع کو اکیاسی سال کی عمر میں رامپور میں انتقال کیا۔ منشی سیلچند کو فارسی میں کافی دستگاہ حاصل تھی، اور ملا غیاث الدین رامپوری مولف غیاث اللغات فارسی میں شرف تلمذ تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ اور منشی تخلص کرتے تھے۔)

(۱۱۰)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی سلہ اللہ تعالیٰ .

بعد دعایِ دوامِ حیات و ترقی درجات معلوم فرمائیں۔ اگرچہ از روی خطوطِ حضور، صحت و عافیتِ حضور معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ کہیں سے نہیں سنا، کہ غسلِ صحت کیا، یا کسدن کرینگے۔ آپ سے یہ فقیر کا سوال ہے،

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع کے لفظ پر لکھی تھی۔ میں نے یہاں تیر کا نقل کردی ہو۔

کہ مجکو لکھئیے، کہ حضرت غسل کسدن فرمائیں گے۔ اور اگر موافق میری آرزو کے نہا چکے ہوں، تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجیے۔ خیر و عافیت کا طالب غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴^(۱)۔

(۱۱۱)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی کو
خدا سلامت رکھے!

مادۂ تاریخ غسلِ صحت کو تم نے غور نہیں کیا۔ ۱۸۶۶ عدد ہوتے ہیں۔
پھر کیا حضور سالِ آئندہ غسلِ صحت فرمائیں گے؟ یہ تو جنوری سال ۱۸۶۵
ہیں۔ اس تاریخ کا قطعہ کیونکر لکھوں^(۲)؟

یہ جو مین نے قصیدۂ تہنیت لکھکر بھیجا ہے، منشا اسکا یہ ہے، کہ شاہ
کبیر الدین صاحب رامپور سے آئے، اور اونہوں نے کہا، کہ نواب صاحب جمعہ
کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا،
کہ ماہِ آئندہ یعنی رجب^(۳) مین نہائیں گے۔ خیر وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے
گزرے گا۔ اگر موقع پاؤ تو حضور مین یہ ماجرا عرض کر دینا کہ مین نے بموجب

(۱) یہ خط نواب فردوس مکان کو غسلِ صحت کی تاریخ کو متعلق لکھا گیا تھا۔

(۲) منشی صاحب نے میرزا غالب کو مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۶۴ ع کے جواب مین جو خط تحریر کیا تھا،
اوس مین ذکر ماہ جشن کے بعد درخواست کی تھی کہ ایک مادہ تاریخ کا فدویٰ نکالا ہو۔ سو عرض
کرتا ہوں۔ امید وار ہوں، کہ اوسکی دو شعر موزون فرما کر عنایت نامۂ موسومہ فدویٰ کو مین عنایت
فرمائو۔ بیت: کانکر مرا اعدا عرض کر تو ای منشی * بندگان عالی کا آج غسلِ صحت ہو۔ اس شعر کا
مصرع ثانی مادۂ تاریخ ہو۔ چونکہ اسکی اعداد ۱۸۶۶ ہوتی ہیں، اسلئے ایک عدد کا ترجمہ کیا گیا ہو۔
فقرہ (کانکر مرا اعدا) بتاتا ہو، کہ اگر مرا اعدا یعنی حرف الف کے عدد کو، جو ایک ہو، مادہ
مین سو کم کر دیا جائے تو اعداد مطلوبہ ۱۸۶۵ حاصل ہوجائیں گی۔ چونکہ یہ قاعدۂ تاریخ گوئی کے عین
مطابق ہو اسلئے تعجب ہوتا ہو۔ کہ میرزا صاحب نے اسپر کیوں اعتراض کیا۔

(۳) میرزا صاحب نے سہ ماہِ آئندہ کو رجب لکھدیا ہو۔ فی الواقع ماہِ آئندہ رمضان تھا۔ اسلئے کہ
خط نمبر (۳۹) سو معلوم ہوتا ہو کہ اس سال ۱۳ دسمبر کو رجب کی ۱۳ تاریخ تھی۔ لہذا ۱۹
جنوری کو، جو تاریخ تحریر خط ہو، ۱۹ یا ۲۰ شعبان ہوگی۔ اور شعبان کے بعد رمضان آنا
ہو۔ رجب نہیں آنا۔

روایت شاہ کبیر الدین کے اسکے ارسال میں جلدی کی ہے^(۱)۔ غالب ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۱۱۲)

منشی صاحب ! عجب اتفاق ہے، کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے، اور میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ خدا کی واسطے ! تم مفصل حال لکھو، کہ کیا عارضہ باقی ہے، اور صورت کیا ہے؟ دربار بدستور ہوتا ہے یا نہیں؟ سوار ہوتے ہیں یا نہیں؟

زین العابدین خان نے جیپور سے اپنے اشعار اصلاح کی واسطے میرے پاس بھیجے۔ میں نے اصلاح دینے سے انکار کیا، اور اشعار مسترد کر دیے۔ اون کا خط اور اوسکی پشت پر اوسکے جواب کا مسودہ اس خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لو۔ بلکہ اگر موقع اور محل پاؤ، تو حضور کو بھی پڑھوا دو^(۲)۔ والدعا۔ اسد اللہ خان غالب۔ ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۱۱۳)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیاحند صاحب میر منشی کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ یہ خط^(۳) میں نے ایک شبانہ روز کی فکر میں حضور کو لکھا ہے۔ مگر مسودہ جو ہر بار کچھ کا کچھ ہوتا رہا، اس سبب سے

(۱) اشعار تہنیت کیلئے عریضہ نمبر ۳۶ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۲) زین العابدین خان کا خط حسب ذیل ہے: ہ نواب صاحب مشفق مہربان، کرمفرمای دوستان، مجموعہ خوبیہای بیکران سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مستنون، واشتیاق ملاقات مباہجت مشحون، یہ چند خرف ریزی بھبکھر تکلیف دیتا ہوں، کہ نگاہ گوہر سنج سی ملاحظہ کر کے اغلاط محاورات و تراکیب، و سستی بندش، و تعقیدات صوری و معنوی، و تافرفاظ، و ابتذال مضامین، جس جگہ واقع ہو مطلع فرمائو۔ فقط۔ امر مستفرد سابق میں صدور مہربانی نامہ نامی فی خلجان رفع کیا۔ جواب اسکا بھی اگر جلد عنایت ہو بعید ارتباط دیرینہ می نہوگا۔ زیادہ شوق و بس۔ فقط۔ نگاشتنہ دہم مارچ سنہ ۱۸۶۵ء۔ مقام جیپور۔ زین العابدینخان، میرزا صاحب کی جواب کیلئے مکتوب نمبر ۱۰۹ ملاحظہ ہو۔

(۳) عریضہ نمبر ۴۲ مراد ہو۔

میرے پاس نہیں رہا۔ اور خدا کی قسم! کہ میں اب بہت ناتوان ہو گیا ہوں۔ یہ خط لیٹے لیٹے صاف کیا ہے۔ اور اس تحریر کو مجموعہ نثر میں رکھا چاہتا ہوں۔ آپ اس کی نقل کر کے مقرر بجکو بھیج دیجئے گا۔ بڑا احسان مجھ پر ہوگا^(۱)۔

اسد اللہ۔

(۱۱۴)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز تر از جان منشی سیلچند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے^(۲)۔ کیون صاحب؟ ہم تو تم کو اپنا فرزند سمجھیں، اور تمہارا یہ حال کہ مراسم فرزند بجا نہیں لاتے۔ خط لکھنا تم نے یک قلم موقوف کر دیا۔ اور بھائی بے تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے۔ نہ طاقت باقی ہے، نہ حواس درست ہیں^(۳)۔ آج کے نواب صاحب کے خط میں دوجگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں، لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہے^(۴)، کہ آج بچا کل مرا، کل بچا پرسون مرا۔ اس خط کا (جواب)^(۵) بجکو جلد لکھو۔ اور اوس میں یہ لکھو، کہ احسان حسین خان (اور اونکے بھائی مظفر حسین خان)^(۶) جو لکھنؤ سے آئے ہیں،

(۱) یہ عریضہ کلیات نثر فارسی میں شامل نہیں۔ اغلب یہ ہی، کہ یہاں سے نقل روانا نہیں کیگئی۔
(۲) کاتب نے دونوں جگہ 'پہنچی' لکھا ہے۔ لیکن میرزا صاحب نے اسی متن میں علی حالہ باقی رکھ کر پائین خط میں اپنے قلم سے 'پہنچی' بنادیا ہے، اسلئے میں نے متن میں صحیح املا لکھنا مناسب خیال کیا۔
(۳) حواس کا املا کاتب نے ہای ہوز سے لکھا تھا۔ مرزا صاحب نے اوسکو قلند کر کے حای حطی سے لکھا ہے۔

(۴) میرزا صاحب کے خط میں یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ لیکن سیاق چاہتا تھا اس لفظ میں نے اسکو مہر کاتب و مکتوب لہ خیال کر کے بریکٹ میں اضافہ کر دیا ہے۔

(۵) احسان حسین خان اور مظفر حسین خان، مسیح الدولہ حکیم علی حسین خان بہادر لکھنؤی، طبیب شاہ اودھ کے صاحبزادی تھی۔ الحاق اودھ کے بعد رفتہ رفتہ رسوا شہر و اراکین سلطنت تباہ حال اور پریشان روزگار ہونا شروع ہوئے، تو ان میں سے اکثر اصحاب نے دربار رامپور کے دامن الطاف و کرم میں پناہ لی۔ یہ دونوں بھائی بھی سنہ ۱۲۶۷ ع میں یہاں آ گئے۔ نواب خلد آشیان نے انکو شایان شان قدر و منزلت کا اظہار فرمایا، اور اپنے مصاحبین خاص میں جگہ عطا کی۔ احسان حسین خان بہادر نے جمعہ کے دن ۵ رجب سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ ع) کو کربلائی معنی میں انتقال کیا۔ مظفر حسین خان آخر میں بنارس چلے گئے تھے، اور تیرہویں صدی کے آخر تک بقید حیات تھے۔

نواب صاحب کی سرکار سے اونکا کیا در ماہہ مقرر ہوا ہے، اور تعظیم و توقیر کا کیا رنگ ہے؟ دربا میں جو آتے ہیں، تو بیٹھتے کہاں ہیں^(۱)؟ (اس خط کے جواب کا طالب غالب . ۱۱ جون)^(۲)۔

(۱۱۵)

برخوردار نور چشم منشی سیلچند میر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو، کہ اگلے مہینے یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ (کی)^(۳) تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی، اوسکا روپیہ اب تک نہیں پٹا۔ میں تو جس دن ہنڈوی آتی ہے، اوسی دن یا دوسرے دن اپنے مختار کار کے ہات، کہ وہ بھی مہاجن ہے، بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اوس مختار کار کو، جسکے ہان ہنڈوی آئی ہے، (اوسنے) روپیہ اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہنڈوی بیچکر روپیہ میں نے لے لیا تھا، اور آج ۱۸ ہے۔ مختار کار کو روپیہ اوسنے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہنڈوی لکھوائی ہے، اوسکو تم تاکید کرو کہ (یہاں کے مہاجن کو روپیہ دینے کی تاکید لکھے تاکہ)^(۴) مختار کار کا روپیہ پٹ جاوے (مہر غالب ۱۲۷۸)^(۵)۔

(۱) اصل خط میں (می) بصیفۃ مفرد تحریر ہو۔ لیکن اصول زبان کی رو سے (ہیں) بصیفۃ جمع ہونا چاہو۔ میں تو یہ خیال کر کہ اسپر میرزا صاحب کی نظر نہیں پڑی۔ متن میں (ہیں) لکھ دیا ہو۔

(۲) خط کی لفافہ پر میر منشی صاحب کی حسب ذیل تحریر ہو: خط در جواب نوشتہ شد۔ ۱۶ صفر سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۰ جون سنہ ۱۸۶۷ ع۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ میرزا صاحب کی خط کی پوری تاریخ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ ع ہو۔

(۳) یہ لفظ اصل میں ساقط تھا۔ میں تو بریکٹ میں اسلئے اضافہ کر دیا ہو، کہ جملہ باعوارہ ہو جائی۔

(۴) یہ عریضہ بھی میرزا صاحب کی اپنی قلم کا نوشتہ نہیں ہو۔ البتہ جو عبارت بریکٹ میں درج ہو، وہ اونہوں کی خود لکھی ہو۔

(۵) اس خط کی لفافہ پر ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ تاریخ درج ہو۔



بنام خلیفہ احمد علی صاحب احمد رامپوری

(خلیفہ شیخ احمد علی صاحب احمد تخلص ولد شیخ نادر علی تقریباً سنہ ۱۲۱۹ھ (۱۸۰۵ع) میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتابیں مولوی عبید اللہ خان غنیمت اور کبیر خان تسلیم می پڑھیں، اور عربی علوم و فنون دیگر علماء شہر می حاصل کئے۔ لیکن ادبیات فارسی کے ذوق نے خلیفہ صاحب کو عربی علوم کے لطائف کی طرف متوجہ نہ کر دیا، اور انکی ساری عمر شیراز و شروان میں مرغزاروں کی سیر میں گزر گئی۔ رامپور کے اکثر فارسی ادب کے علماء کا سلسلہ ان تک منتهی ہوتا ہے۔ نواب خلد آشیان اور نواب عرش آشیان طباطبائی کا بھی شرف حاصل تھا۔ خلیفہ صاحب نے جمعرات کے دن ۲۹ رمضان سنہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۸ اپریل سنہ ۱۸۹۲ع کو نوی سال کی عمر میں اپنے مکان واقع محلہ بنگلہ آزاد خان (رامپور) میں انتقال کیا۔

مرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور خلیفہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو موخر الذکر نے انہی گفتگو میں عرفی کے کلام پر نکتہ چینی کی، اور مثلاً یہ دوشہ پیش کی:

ساکتہ، این نغمہ تا در نیم شب، ہمرہ مرغ بحر خوان می ذم
شاہدی کو کہ یک نفس گوشو بدل درد پرور اندازد

مرزا صاحب نے عرفی کی حمایت کی۔ لیکن اوسوقت بحث ناتمام رہی، اور یہ طے پایا کہ خلیفہ صاحب شب کو آکر گفتگو کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوس رات تشریف نہ لیجاسکی، اسلئے مرزا صاحب نے اپنے دلائل لکھ کر انکی خدمت میں بھیج دیے۔

تذکرہ کاملان رامپور (ص ۲۴) میں اختلافی شعر یہ لکھا ہے:

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب مرغ توصیف تو از اوج بیان انداختہ
مگر مرزا صاحب کی آئندہ تحریر کی روشنی میں اسکی صرف یہ تاویل کیجاسکتی ہے کہ مذکورہ بالا دو شعروں کے ساتھ یہ بھی مرض بحث میں آیا ہوگا۔ ورنہ مرزا صاحب خط میں اسکا ذکر کرتے۔

(۱۱۶)

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں

بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہ ہے، کہ فقیر شب کو آپکا منتظر رہا۔ آپ تشریف نہ لائے۔ ناچار تقریر کو تحریر کا پیرایہ دیکر آپ کی جناب میں بھیجتا ہوں۔ سنینِ فارسیہ کا حال بسبیلِ اجمال ایک دو ورقہ پر مندرج ہے۔

بنظرِ اصلاح مشاہدہ ہو^(۱)۔

بعد اوسکے میری یہ عرض ہے، کہ ہر چند «سحر» اور «صبح» مرادف بالمعنی ہیں۔ اور وہ انجامِ لیل اور آغازِ نہار ہے۔ مگر بخلافِ صبح «سحر» بطریقِ مجاز بعدِ نصفِ شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ طعامِ آخرِ شب کو «سحری» اور «سحرگہی» کہتے ہیں۔ اور مرغانِ خوش آواز، کہ بلبل بھی اون میں ہے، اکثر پھر سوا پھر رات سے بولتے ہیں۔ نصفِ شب کو مرغِ سحر خوان کا ہم آواز ہونا محلِ اعتراض نہیں ہے۔

«گوش» کا استعمال «انداختن» کیساتھ اگر شعرائِ ہند کے کلام میں آیا ہوتا، تو ہم اوسکی سند اہلِ زبان کے کلام سے ڈھونڈتے۔ جب وہ خود عرفی^(۲) نے لکھا ہے، تو ہم سند اور کہان سے لائیں؟ قواعدِ زبانِ فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے۔ جب ہم انہیں کے قول پر اعتراض مکرین گے، تو اوس اعتراض کیواسطے قاعدہ کہان سے لائیں گے؟ ان سب باتوں کو جانے دیجیے۔ اسکو ملاحظہ کیجیے، کہ عرفی اکبر شاہ^(۳) کے عہد میں تھا۔

(۱) میرزا صاحب کا یہ خط مولوی عبد الحکیم خان صاحب مدرس فارسی مدرسۂ عالیہ رامپور سے ملے ۲۵ روپیہ میں خریدا گیا تھا۔ فقیر عرش کا خیال تھا کہ سننِ فارسی کی کیفیت پر مشتمل دو ورقہ بھی موصوف الذکر بزرگ کی پاس ہوگا۔ لیکن باوجود تلاش دستیاب نہوسکا۔

(۲) خواجہ جمال الدین محمد عرفی ابن خواجہ زین الدین علی شیرازی عہد اکبری کا ممتاز اور بلند پایہ فارسی شاعر شمار کیا جاتا ہے۔ حکیم ابوالفتح اور میرزا عبدالرحیم خاننہان کا مصاحب اور مداح تھا۔ اپنی موخر الذکر مدوح کے توسط سے شاہزادۂ سلیم کا اتالیق مقرر ہوا۔ سنہ ۹۹۹ھ میں خاننہان کے ساتھ ٹھنہ (سندھ) کی مہم میں شریک ہوئے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ لیکن شوال سنہ مذکورہ (اگست سنہ ۱۵۹۱ع) کو ۳۶ سال کی مختصر عمر میں بمقام لاہور فوت ہو گیا۔ اسکو کلام میں جوانی کا جوش و خروش اور الواعزی اپنی تمام معاصرین سے زائد ہے۔ اگر دستِ قضا سے کچھ عرصہ اور بچ گیا ہوتا، تو بعض ایسی خامیاں، جو نظر ثانی ہوئے کے سب کلام میں پائی جاتی ہیں، ہماری فارسی ادیبوں کو کبھی نظر نہ آتیں۔ ظاہر ایران کے جو شاعر ہندوستان چلے آئے تھے اون میں سے یہ نصیب نیک عرفی کے حصہ میں آیا، کہ اوسکی زندگی میں اسکا کلام شیراز میں پڑھا جاتا تھا۔

(۳) جلال الدین اکبر ابن نصیر الدین ہمایون ابن ظہیر الدین بابر، سلطنتِ مغلیہ کا تیسرا روشن چراغ تھا۔ امر کوٹ (سندھ) میں سنہ ۹۹۹ھ (۱۵۴۲ع) کو پیدا ہوا۔ ابھی تیرا سال نو ماہ کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یرم خان خاننہان نے امی بادشاہ بنا کر خود صدر اعظم کی حیثیت (باق)

اور اوس عہد میں قطع نظر اور اہل کمال سے ابو الفضل^(۱) اور فیضی^(۲) یہ دونو شخص کیسے فاضل تھے۔ اور پھر عرفی کا مدوح حکیم ابو الفتح^(۳) اسکا وہ پایہ علم میں تھا، کہ فیضی اور ابو الفضل کو بھی خیال میں نہ لاتا تھا۔ اگر یہ دونو شعر عرفی کے غلط ہوتے، تو یہ تینوں آدمی اوسکی دھجیان اوڑا ڈالتے۔ حال آنکہ فیضی و ابو الفضل اوسکے دشمن تھے۔ پس جب ان دونوں نے باوجود عداوت اعتراض نکیا، تو اب عرفی پر کون اعتراض کر سکتا ہے؟ عرفی کی زبان سے جو نکل جائے وہ سند ہے۔ ہمارے واسطے وہ ایک قاعدہ محکم ہے۔ وہ مطاع ہے، اور ہم اوسکے مقلد اور مطیع ہیں۔ غالب۔

(بقیہ) سی کام شروع کر دیا۔ لیکن اپنی خدا داد قابلیت سی اکبر فی بہت جلد انتظام سلطنت کا بار اہو کاندھوں پر اٹھا لیا، اور سلطنت مغلیہ کی حدود کو گجرات، بنگال، کشمیر اور سندھ تک وسیع کر دیا۔ فتح پور سیکری امی فی آباد کیا تھا۔ یہ بہت معمولی پڑھا لکھا تھا۔ لیکن ایک دانشمند بادشاہ کی طرح دربار کو اوسوقت کی ممتاز اہل علم سی مزین رکھتا، اور اونکو علی مباحثات میں شریک ہوتا رہتا تھا۔ جس سی اسکی معلومات اور قابلیت دین غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی دربار کی نورتن ابٹک مشہور ہیں۔ اسکا سب سی اہم کارنامہ دین الہی کی ترویج ہو۔ یہ مذہب سیاست مذہبی میں بہت معاون ثابت ہوا۔ چنانچہ ہندوستان کی پر شور فضا اسی مذہب کی بدولت جنت نشان بنی تھی۔ اکبر فی جمادی الآخرہ سنہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ ع) کو ۶۵ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا ہو۔

(۱) ابو الفضل، شیخ مبارک کا بیٹا، اور فیضی کا بھائی ہو۔ یہ سنہ ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ ع) میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۹ اکبر شاہی میں ملازمت کا شرف حاصل کیا اور بہت تھوڑی عرصہ میں وزارت کی درجہ تک جا پہنچا۔ اسکو ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ ع) دین شہزادۂ سلیم کی ایما سی ۵۳ سال ۲ ماہ کی عمر میں شہید کر دیا گیا۔ یہ بڑا مدبر اور زبردست ادیب تھا۔ آئین اکبری، اکبرنامہ، اور مکاتبات علای تصنیفات ہیں۔ شعر بھی کہتا اور علای تخلص کرتا تھا۔ یہ اکبری دربار کی نورتن میں شمار کیا جاتا ہو۔ اسکی قتل کی اطلاع سی اکبر کو اسقدر صدمہ ہوا تھا کہ اوس فی کئی وقت کھانا نہ کھایا، اور بار بار کہتا تھا کہ اگر شیخو بابا بچھو قتل کرادیتا تو اس سی بہتر تھا۔

(۲) فیضی، شیخ مبارک کا بڑا بیٹا، اور اکبری دربار کا ملک اشعرا تھا۔ حکمت، فلسفہ، ریاضیات، تاریخ، اور سنسکرت کا عالم تھا۔ سواطع الالہام، اور موارد الکلم، عربی میں، اور کلیات نظم، اور خمسہ، فارسی میں اسکی مشہور تصنیفات ہیں۔ یہ ۱۰ صفر سنہ ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ ع) کو ۵۰ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

(۳) حکیم ابو الفتح مسیح الدین ابن حکیم عبد الرزاق گیلانی اکبر کا طیب خاص اور اوس عہد کا بہت بڑا فاضل تھا۔ یہ اہو علی وجاہت وعظمت کی سبب بادشاہ کی دربار میں ممتاز درجہ کا مالک اور اکبری دربار کی نورتن میں شامل تھا۔ اسنو سنہ ۹۹۷ھ (۱۵۸۸ ع) میں وفات پائی۔

بنام مولوی محمد حسن خان مالک مطبع

(مولوی محمد حسن خان ابن نور محمد خان ابن شاہ محمد خان مہمند افغان راہپور کی ایک شریف و با عزت خاندان کی فرد تھی۔ انکی دادا شاہ محمد خان نواب سید محمد فیض اللہ خان بہادر کے ہمراہ افغانستان میں تشریف لائے۔ اور فوج میں بے پناہ جہداری مقرر ہوئے۔ مولوی محمد حسن خان نے تیغ نیاگان کو قلم سے تبدیل کر لیا۔ اور اوس زمانہ کی مروج تعلیم حاصل کر کے نواب فردوس مکان کے حسب ایما سنہ ۱۸۵۶ ع میں مطبع حسن قائم کیا۔ بعد ازاں نواب خلد آشیان کے حسب الحکم ۱۲ جادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو اخبار "دبدبہ سکندری" کا پہلا پرچہ شائع کیا، جو اسوقت تک اپنی عمر کے ۷۴ سال پوری کر چکا ہے۔ اور ہنوز اپنی روایتی وفاداری حکومت ہند و راہپور پر قائم ہے۔ سنہ ۱۸۷۷ ع کے دربار قیسری میں گورنمنٹ پریس نے انہیں اپنی صوبہ کے مدیران اخبارات و رسائل کا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ نواب خلد آشیان نے ایام ولیمہدی میں اپنا مصاحب منتخب کیا، اور عہد حکومت میں متعدد اہم سفارتی خدمات تفویض فرمائیں۔ انکی بعد نواب سید محمد مشتاق علیخان بہادر عرش آشیان نے آئری مجسٹریٹ مقرر فرمایا۔ مولوی صاحب نے ۱۷ شوال سنہ ۱۳۱۴ ھ (۱۸۹۶ ع) کو ۹۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپکی بعد چند سال تک آپکی خلف الرشید مولانا شاہ فاروق حسن خانصاحب صابری رحمہ اللہ نے اپنی مشاغل طریقت کے ساتھ "دبدبہ سکندری" کو بھی ایڈٹ کیا۔ لیکن سنہ ۱۹۰۳ ع میں فرائض ادارت اپنی فرزند اکبر مولانا فضل حسن خانصاحب صابری کے سپرد کر دیئے، جو آج تک اسی انجام دیرہ ہیں۔ مورخ الذکر بزرگ نے اپنی گرامی نامہ موسومہ فقیر عرشی میں تحریر فرمایا ہے: "اخبار دبدبہ سکندری کی ہندوستان بھر کے اخبارات میں یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ۷۴ سال کی مدت مدید میں برٹش گورنمنٹ اور لوکل گورنمنٹ نے کبھی اسکی ایک حرف پر نہ کوئی اعتراض کیا، نہ اس میں کبھی ضمانت طلب ہوئی، نہ اسپر کسی نے آج تک کوئی مقدمہ چلایا۔"

(۱۱۷)

مشفق اور مکر می محمد حسن خانصاحب^(۱) کو غالب آزرده دل کا سلام پہنچئے۔ آج بھی آپکا ایک خط آیا۔ کئی اخبار آپکے پھیرے، کئی خط آپکے پھیرے، اور آپ اخبار بھیجئے جاتے ہیں۔ الہی! آپکا خط خط تھا، یا کوئی جھوٹ کی پوٹ۔ بیشتر مجذوبوں کی سی بڑ۔ اور جو کچھ سمجھ

(۱) میرزا صاحب نے مکتوب الیہ کا نام، القاب اور سرنامہ دونوں مقامات پر محمد حسین خان لکھا ہے۔ یہ سہو ہے۔ صحیح نام محمد حسن خان ہے۔

مین آیا، وہ غلط اور دروغ اور جھوٹ۔ یہ غلط محض ہے کہ مطبع حضور کا ہے، اور تم مہتمم ہو حضور کی طرف سے۔ اللہ! اللہ! ڈگی جی سنگھ کی تعریف مین کہین سارا ایک صفحہ کہین سارا ایک ورق سیاہ کرتے ہو، اور اپنے والی ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین نواب کلب علیخان بہادر کے نام (کے) (۱) آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ تعظیم کے لکھتے ہو بس، اور اس قباحت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف سے ہے، تو گویا ڈگی سنگھ جی کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہوگی۔ ہندستانی عہداری (۲) مین وہ ایک زمیندار اور مالگزار تھا۔ اب گورمنٹ ہند نے اوسکو جاگیردار مستقل کر دیا۔ اور نواب محمد علیخان رئیس ٹونک کا ہر اخبار مین ایک مرثیہ لکھتے ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تم طرح طرح سے اطراف و جوانب کے رئیسوں سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی! یک درگیر و محکم گیر۔ اگر حضور کے نوکر بھی نہیں ہو تم، تو آخر رعیت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے پادشاہ کا ذکر سب سے پیچھے لکھتے ہو، کبھی صفحہ پر کبھی حاشیہ پر؟ ہم نے ان باتوں سے بیزار ہو کر تمہارا اخبار موقوف کیا ہے، اور اب پھر تمہیں لکھتے ہیں، کہ دوہائی خدا کی! مین یکم جنوری سنہ ۱۸۶۸ سے »دبدبہ سکندری« کا خریدار نہیں ہوں۔ نہ بھیجا کرو۔ واسطے خدا کے! نہ بھیجا کرو۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ (مسرر غالب ۱۲۷۸)۔ (۳) ۲۵ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع۔

- (۱) یہ لفظ اصل مین ساقط تھا۔ مین تو سیاق کلام کے حسب اقتضا بڑھا دیا ہو۔
 (۲) یہ خط میرزا صاحب کے قلم کا نوشتہ نہیں ہے، اسلی ممکن ہو کہ کاتب و مسوؤ عہداری، کی بجای »عہداری، لکھ دیا ہو۔
 (۳) خط کی آخر مین تاریخ نہیں تھی۔ مین تو لفافہ کی تاریخ لکھ دی ہو۔ لفافہ کی پشت پر نوٹ ہو: »بموجب خط ہذا بعد استدراک از مرزا نوشہ صاحب مبلغ دو روپیہ ہشت آنہ بابت بقایا حساب اخبار محمد حسن خان حوالہ لالہ ٹنڈی رام محافظ دفتر نمودہ شد۔ تمت بالخیر۔ والحدہ اولاً و آخراً۔«

۱ - فہرست اشخاص و قبائل

(ان فہرستوں میں جلی ہندسے متن کیطرف اور خفی ہندسے حاشیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور حاشیہ سے فٹ نوٹس اور وہ تحریریں مراد ہیں، جو مکتوب الیہم کے متعلق اون کے نام کے خطوط کے آغاز میں لکھی گئی ہیں۔)

- | | |
|-----------------------------------|---------------------------------------|
| آزردہ (دیکھو: صدر الدین مفتی)۔ | احمد علی رامپوری، خلیفہ - ۱۱۷۔ |
| آفتاب بیگم - ۶۴۔ | احمد علی رسا - ۶۶، ۸۵۔ |
| آلنقوا - ۶۱۔ | اڈمنسٹن صاحب - ۲۲۔ |
| ابدال - ۵۴۔ | اصغر علیخان بہادر، صاحبزادہ سید - |
| ابراہیم ذوق، شیخ - ۱۷۔ | ۱۴، ۱۰۹۔ |
| ابراہیم علیخان بہادر، نواب سر | اصغر علیخان رسالدار، محمد - ۸۷۔ |
| حافظ - ۵۴۔ | اعجاز علیخان، صاحبزادہ محمد - ۶۶۔ |
| ابو الفتح، حکیم - ۱۱۸، ۱۱۹۔ | اکبر، جلال الدین - ۸۲، ۱۱۸، ۱۱۹۔ |
| ابو الفضل - ۱۱۹۔ | اکبر شاہ، عرش آرامگاہ - ۷۸۔ |
| احسان حسین خان - ۱۱۵، ۱۰۵۔ | اکبر علیخان - ۹۶، ۹۸۔ |
| احمد بخش خان بہادر، نواب - ۱۱، | الیٹ صاحب - ۷۹۔ |
| ۱۲، ۷۹، ۹۵۔ | الہی بخش خان معروف، نواب - ۱۲۔ |
| احمد حسن مودودی، حکیم سید - ۵۴۔ | امام بخش صہبائی - ۵۸۔ |
| احمد شاہ درانی - ۵۴۔ | امداد اللہ خان، صاحبزادہ سید - ۶۴۔ |
| احمد علی جہانگیرنگری، مولوی آغا - | امیر احمد مینائی - ۳، ۱۳، ۱۷، ۴۲، ۴۶۔ |
| ۷۱، ۷۲۔ | ۴۸، ۴۹، ۹۹، ۱۰۹۔ |
| احمد علیخان بہادر، نواب سید - | امین الدین - ۷۱، ۷۲۔ |
| ۲۹، ۱۱۲۔ | امین الدین احمد خان بہادر، نواب - ۱۲۔ |

چشتی پهلوان - ۱۳ .
 چھج مل کھتری ، رای - ۶۷ .
 حالی ، مولانا - ۶۵ .
 حبیب اللہ خان ذکا - ۶۹ .
 حسرتی (دیکھو: مصطفیٰ خان) .
 حسن جہان بیگم - ۹۶ .
 حسن علیخان - ۳۱ .
 حسن علیخان ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 حسین خان قزوینی ، میرزا - ۷۷ .
 حسین علیخان ، مرزا - ۲۶ ، ۴۰ ، ۶۷ ،
 ۷۵ ، ۸۹ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۸ ، ۱۰۰ ،
 ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ،
 ۱۰۸ .
 حفیظ اللہ خان بہادر ، صاحبزادہ
 سید - ۸۵ .
 حیا (دیکھو: رحیم الدین بہادر مرزا) .
 حیات النساء بیگم صاحبہ - ۹۳ .
 حیدر علیخان بہادر ، صاحبزادہ
 سید - ۲۹ ، ۳۰ .
 خاقانی - ۸ .
 خان آرزو - ۸۳ .
 خسرو دہلوی ، امیر - ۷۷ .
 خلد آشیان ، نواب سید محمد کلب علیخان
 بہادر - ۳ ، ۱۷ ، ۲۳ ، ۳۱ ، ۴۰ ، ۴۶
 ۱۱۲ ، ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ .
 داغ (دیکھو: نواب مرزا خان) .

انجو ، میان - ۸۲ .
 انوری - ۹۷ .
 اودیسنکھ ، راجہ - ۹۷ .
 اورنگ زیب (دیکھو: عالمگیر) .
 ایڈمنڈ ڈریمنڈ - ۸۶ .
 ایسری پرشاد نراین سنگھ - ۸۶ .
 بابر ، ظہیر الدین - ۱۱۸ .
 باقر علیخان - ۲۶ ، ۶۷ ، ۷۲ ، ۸۹ ، ۹۷ ، ۹۸ .
 باقی باللہ ، خواجہ - ۱۴ .
 بالمٹی ، رانی - ۹۷ .
 بیر علیخان ، حکیم - ۶۳ .
 بدر چاچی - ۷۷ .
 برلچ - ۷۲ .
 بڑیچ - ۱ ، ۱۸ .
 بوعلی سینا - ۶۳ .
 بہادر شاہ ظفر - ۳ ، ۱۲ ، ۷۸ .
 بیخبر (دیکھو: غلام غوث خان بہادر) .
 بیلی صاحب ، ڈاکٹر - ۸۶ .
 ترک - ۷۲ .
 ترکمان - ۹۷ .
 تفتہ ، ہرگوپال - ۲۷ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۹ ، ۵۲ .
 تمر ، تیمور - ۶۱ .
 ٹیک چند ، لالہ - ۷۳ ، ۸۳ .
 جان انگلس بہادر - ۸۴ ، ۸۵ .
 جلالای طباطبای - ۷۷ ، ۷۸ .
 جہانگیر ، نور الدین - ۸۲ ، ۹۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .

- سکھ - ۲۲ .
 سلیم ، شاہزادہ (دیکھو: جہانگیر) .
 سنجر ، سلطان - ۹۷ .
 سیاح - ۵۸ .
 سیالکوٹی مل - ۷۳ .
 سیلچند ، منشی - ۷۵ ، ۷۶ ، ۹۹ .
 ۱۰۰ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۱۲ .
 شاہجہان - ۷۷ ، ۹۷ .
 شاہ عالم - ۵۴ ، ۷۸ .
 شاہ محمد خان - ۱۲۰ .
 شعاع (دیکھو: اکبر شاہ) .
 شمس الدین احمد خان ، نواب - ۱۲ .
 شمس الدین خان دہلوی ، نواب - ۱۷ .
 شمشاد علی بیگ رضوان - ۶۵ .
 شیخو بابا (دیکھو: جہانگیر) .
 شیفقہ (دیکھو: مصطفیٰ خان) .
 شیو نراین ، منشی - ۱۰ ، ۳۵ ، ۳۹ .
 صدر الدین خان آزرده ، مفتی - ۲ .
 صہائی (دیکھو: امام بخش) .
 ضیاء الدین احمد خان بہادر نیر ، نواب -
 ۱۰ ، ۱۲ ، ۲۸ ، ۷۹ ، ۸۱ ، ۹۸ .
 طاہر وحید - ۷۷ ، ۷۸ .
 ظفر (دیکھو: بہادر شاہ) .
 عارف (دیکھو: زین العابدین خان) .
 عالمگیر - ۹۷ .
 عالیہ سلطان بیگم (دیکھو: حیات النسا بیگم) .

- ڈائل میکلوڈ صاحب - ۸۸ .
 ڈگی سنگھ جی - ۱۲۱ .
 ڈلہوسی ، لارڈ - ۲۲ .
 ڈنکن میکلوڈ صاحب - ۸۸ .
 ڈکا (دیکھو: حبیب اللہ خان) .
 ذوق (دیکھو: ابراہیم شیخ) .
 رحیم بیگ - ۵۸ .
 رحیم الدین بہادر حیا ، مرزا - ۹۵ .
 رخشان (دیکھو: ضیاء الدین احمد خان بہادر)
 رسا (دیکھو: احمد علی) .
 رسا (دیکھو: کریم الدین بہادر مرزا) .
 رشید ، شیخ - ۸۲ .
 رشید وطواط - ۹۷ .
 رضوان (دیکھو: شمشاد علی بیگ) .
 روہیلہ - ۱۱۲ .
 ریو - ۷۷ .
 زین العابدین خان بہادر - ۱۳ ، ۱۰۹ ،
 ۱۱۴ .
 زین العابدین خان عارف - ۴۰ ، ۸۹ ، ۹۷ .
 سخن (دیکھو: فخر الدین حسین خان) .
 سراج الدین احمد - ۳ .
 سرفراز حسین ، میر - ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۸ .
 سعید الدین احمد خان بہادر طالب ،
 نواب - ۴۶ .
 سعید الدین خانصاحب - ۶۶ .
 سکندر زمانی بیگم - ۶۴ .

- عباس ثانی ، شاه - ۵۸ ، ۲۷ .
 عبدالله خان بہادر ، نواب سید - ۴ ،
 ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۰۹ .
 عبدالحق خیر آبادی ، مولوی - ۴۸ .
 عبدالحکیم خان ، مولوی - ۱۱۸ .
 عبد الرحمن خان بہادر ، نواب سید -
 ۱۴ ، ۴ .
 عبد الرحمن وحید (دیکھو: طاہر وحید).
 عبد الرحیم خانخانان - ۱۱۸ .
 عبد الرزاق شاکر - ۵۸ .
 عبد الرزاق گیلانی - ۱۱۹ .
 عبد الرشید الحسنی (دیکھو: رشید شیخ).
 عبد الصمد ، ملا - ۸۲ .
 عبد العلیخان بہادر ، سید - ۴۸ .
 عبد القادر دہلوی ، شاہ - ۳ .
 عثمان خان بہادر ، مولوی محمد - ۷۸ .
 عرش آشیان ، نواب سید محمد مشتاق
 علیخان بہادر - ۶۴ ، ۱۱۲ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ .
 عرفی ، جمال الدین محمد شیرازی - ۸ ،
 ۸۲ ، ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .
 عزت (دیکھو: غیاث الدین ، خلیفہ) .
 عزیز (دیکھو: یوسف علیخان) .
 عصمت اللہ خان بہادر فاروقی ،
 نواب - ۶۶ .
 علاء الدین احمد خان بہادر علائی ،
 نواب - ۱۰ ، ۲۹ .
 علی ، زین الدین شیرازی - ۱۱۸ .
 علی بخش خان خانسامان - ۳۱ ، ۳۲ ،
 ۵۲ ، ۹۴ .
 علی حسین خان بہادر ، مسیح الدولہ
 حکیم - ۱۰۵ ، ۱۱۵ .
 علی محمد خان بہادر ، نواب سید - ۱ ،
 ۶۱ ، ۱۱۲ .
 عمدہ خانم - ۱۷ .
 عنبر شاہ خان عنبر - ۱۱۷ .
 غلام رضا خان ، حکیم - ۵۲ .
 غلام غوث خان بہادر بیخبر - ۵۰ ، ۵۳ .
 غلام محمد خان بہادر ، نواب مید -
 ۱۳ ، ۱۴ ، ۴۸ ، ۸۵ ، ۹۳ ، ۱۰۹ .
 غلام نجف خان ، حکیم - ۶۵ .
 غیاث الدین عزت ، خلیفہ - ۲ ، ۴۸ ،
 ۱۱۲ .
 فاروق حسن خان صابری ، شاہ - ۱۲۰ .
 فاضل شطرنج باز - ۹۵ .
 فتح النساء بیگم ، جنابعالیہ - ۱ ، ۱۸ ،
 ۱۹ ، ۲۰ .
 نغر الدین خان ، نواب - ۲۸ .
 نغر الدین حسین خان سخن - ۷۲ .
 نغر الزمان (دیکھو: بدر چاچی) .
 فدا سلمٹی - ۷۲ .
 فردوس مکان ، نواب سید یوسف
 علیخان بہادر - ۵۰ ، ۵۲ ، ۵۳ .

- مجاور علی صاحب، سید - ۱۰۴ .
 مجید الدین احمد خان بہادر عرف مجو
 خان، نواب - ۶۶ .
 محمد تغلق، سلطان - ۷۷ .
 محمد تقی خان سپہر، مرزا - ۴۸ .
 محمد حارثی - ۸۲ .
 محمد حسن خان بہادر صدر الصدور،
 مولوی - ۶۶ .
 محمد حسن خان، صاحبزادہ - ۹۳ .
 محمد حسن خان مالک مطبع، مولوی -
 ۱۲۰ .
 محمد الدین احمد خان - ۶۶ .
 محمد سعید خان بہادر، نواب سید -
 ۳، ۱ .
 محمد علی، مولانا - ۳۱ .
 محمد علیخان بہادر، نواب سید - ۲۹ .
 محمد علی رائج سیالکوٹی - ۸۳ .
 محمد علیخان ابن وزیر محمد خان رئیس
 ٹونک - ۵۴، ۱۲۱ .
 محمد نور خان بڑیچ - ۱۸، ۱ .
 مرتضیٰ خان بہادر، نواب - ۶۶ .
 مرہٹہ - ۵۴، ۱۲، ۱۱ .
 مشتاق علیخان بہادر، نواب سید،
 (دیکھو: عرش آشیان).
 مصطفیٰ خان بہادر، نواب - ۶۶، ۶۸ .
 مظفر حسین خان بہادر - ۱۰۵، ۱۱۵ .

- ۵۸، ۷۱، ۷۲، ۸۵، ۸۶، ۹۵، ۱۱۲،
 ۱۱۳، ۱۲۰ .
 فضل امام، مولانا - ۳ .
 فضل حسن خان صابری، مولانا - ۱۲۰ .
 فضل حق خیر آبادی، مولانا محمد - ۲
 ۳، ۴، ۵، ۷، ۴۸ .
 فیروز النساء بیگم - ۴۸ .
 فیض اللہ خان بہادر، نواب سید - ۱،
 ۱۸، ۲۹، ۶۶، ۱۱۲، ۱۲۰ .
 فیض محمد خان، نواب - ۳ .
 فیضی، ابوالفیض - ۱۱۹ .
 قتیل - ۷۲، ۷۳ .
 کاظم علیخان بہادر عرف چھوٹے
 صاحب، صاحبزادہ سید - ۴۷ .
 کبیر خان تسلیم - ۱۱۷ .
 کبیر الدین، شاہ - ۱۱۳، ۱۱۴ .
 کریم اللہ خان بہادر، صاحبزادہ
 سید - ۶۴ .
 کریم الدین بہادر رسا، مرزا - ۹۵ .
 کفایت اللہ خان، صاحبزادہ سید - ۶۴ .
 کنور سین، راجہ - ۱۱۲ .
 کیننگ بہادر، لارڈ - ۱۹، ۲۲، ۲۳،
 ۳۳، ۳۶، ۳۷ .
 لارنس صاحب، لارڈ - ۸۶، ۸۹ .
 لیک بہادر، جرنیل لارڈ - ۱۲ .
 مبارک، شیخ - ۱۱۹ .

- معروف (دیکھو: الہی بخش خان نواب) .
 ملک شاہ سلجوقی - ۹۷ .
 ممتاز علیخان بہادر ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 مومن خان - ۲ ، ۶۷ .
 مہدی حسین ، میر - ۱۲ ، ۱۴ ، ۲۷ ، ۳۱ ، ۷۹ .
 مہدی علیخان بہادر ، نواب - ۸۵ ،
 ۸۷ ، ۸۸ .
 مہدی علیخان تحویلدار - ۷۲ .
 مہمند - ۱۲۰ .
 میر نصاحب - ۳۱ ، ۳۲ .
 نادر شاہ - ۵۴ .
 نادر علی ، شیخ - ۱۱۷ .
 ناظر حسین ، مرزا - ۱۰ .
 نصر اللہ بیگخان بہادر - ۱۱ .
 نصر اللہ خان بہادر ، نواب سید - ۶۴ .
 نظام حیدر آباد ، حضور - ۱۷ .
 نواب مرزا خان داغ دہلوی - ۱۷
 ۵۷ ، ۶۹ ، ۸۱ ، ۱۰۵ ، ۱۰۷ .
- نور محمد خان - ۱۲۰ .
 نوشہ صاحب ، مرزا - ۶۸ .
 نولکشور صاحب ، منشی - ۵۲ ، ۷۷ .
 نیاز علیخان ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 نیر (دیکھو: ضیاء الدین احمد خان بہادر) .
 نیر (دیکھو: ممتاز علیخان) .
 وارستہ (دیکھو: سیالکوٹی مل) .
 وکٹوریہ ، ملکہ معظمہ - ۱۵ ، ۲۱ ،
 ۲۳ ، ۲۴ ، ۳۳ ، ۴۸ ، ۵۴ .
 ولی محمد سوداگر - ۸۷ .
 ولیم فریزر ، مسٹر - ۱۲ .
 ہارڈنگ صاحب ، لارڈ - ۲۲ .
 ہرگوپال (دیکھو: تفتہ) .
 ہمایون - ۱۱۸ .
 یوسف خان برادر غالب - ۲۷ .
 یوسف علیخان بہادر ، نواب سید
 (دیکھو: فردوس مکان) .
 یوسف علیخان عزیز - ۱۰ .

۲۔ فہرست مقامات

- آگرہ - ۱۱۰، ۹۷، ۸۲، ۱۱، ۱۰، ۷۷، ۷۲، ۵۴، ۳، ۱۲۱۔
 اصفہان - ۷۷، ۷۲۔
 افغانستان - ۱۲۰، ۵۴، ۲۲۔
 اکبر آباد (دیکھو: آگرہ)۔
 الور - ۹۸، ۳۔
 الہ آباد - ۸۶۔
 امرکوٹ - ۱۱۸۔
 انڈمان، جزائر - ۳۔
 انگلستان - ۲۷، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۲۔
 اودھ - ۱۱۵، ۱۰۵، ۱۹۔
 ایران - ۱۱۸، ۷۲، ۵۸، ۵۴۔
 بخارا - ۷۲۔
 برار، صوبہ - ۲۲۔
 برما - ۲۲۔
 بریلی - ۶۵۔
 بنارس - ۸۶، ۶۷۔
 بنگال، بنگالہ - ۱۱۹، ۸۸، ۷۲، ۷۱۔
 بینظیر، باغ - ۹۲۔
 پارس - ۸۲۔
 پانی پت - ۵۴۔
 پٹیالہ - ۱۴۔
 پنجاب - ۱۱۰، ۸۸، ۲۲، ۱۹۔
 تاشقند - ۷۷۔
 ٹونک - ۱۲۱، ۵۴، ۳۔
 ٹھٹھہ - ۱۱۸، ۸۳۔
 جودھپور - ۹۷۔
 جہانگیر آباد - ۶۶۔
 جہانگیر نگر - ۷۱۔
 جھجھر - ۳۔
 جیپور - ۱۱۴، ۱۰۹۔
 چاچ (دیکھو: تاشقند)۔
 حیدر آباد - ۱۷۔
 خیر آباد - ۳۔
 دلی، دہلی - ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۰، ۴، ۳۔
 ۱۷، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۴۹، ۵۴، ۵۸۔
 ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۹، ۸۷، ۹۵، ۹۷۔
 ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲۔
 رامپور - ۲۸، ۲۶، ۲۵، ۱۹، ۱۷، ۱۰، ۳۔
 ۳۹، ۳۰، ۳۱، ۵۰، ۵۱، ۵۴، ۶۵۔
 ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۸۵، ۸۶، ۹۰۔
 ۹۲، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳۔
 ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰۔
 رنگون - ۱۲۔
 روہیلکھنڈ - ۱۱۲، ۱۔
 ساگر - ۸۸۔
 ستلج - ۲۲۔

- سرہند - ۱۱۲ .
 سمرقند - ۷۲ .
 سنہل - ۸۵ .
 سندھ - ۵۴ ، ۷۲ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .
 سوار ، تحصیل - ۲۶ .
 سونک سونسا ، پرگنہ - ۱۱ ، ۱۲ .
 سہارنپور - ۳ .
 شاہجہان آباد (دیکھو: دلی) .
 شاہجہانپور - ۲۵ .
 شیراز - ۸۲ ، ۱۱۷ .
 علیگڑھ - ۸۶ .
 غازی آباد - ۸۷ .
 فتح پور سیکری - ۱۱۹ .
 فتحگڑھ - ۲۱ ، ۲۴ ، ۱۱۲ .
 فرخ آباد - ۲۵ .
 فیروزپور جھرکہ - ۱۱ ، ۱۲ ، ۷۹ .
 قزوین - ۷۷ .
 قلات - ۲۲ .
 کاشی پور - ۲۲ ، ۲۴ .
 کاشی پور ، محلہ - ۸۶ .
 کانپور - ۸۶ .
 کر بلائی معلی - ۱۱۵ .
 کشمیر - ۱۱۹ .
 کلکتہ - ۱۹ ، ۶۷ ، ۷۱ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۸۷ ،
 ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۱۱۰ .
 کھریا ، موضع - ۲۶ .
 کیچ - ۷۲ .
 گجرات - ۱۱۹ .
 گڑھ مکٹیسر - ۲۵ .
 لاوا - ۵۴ .
 لاہور - ۵۴ ، ۸۸ ، ۱۱۸ .
 لکھنؤ - ۳ ، ۲۸ ، ۷۷ ، ۱۱۵ .
 لندن - ۲۲ ، ۸۸ .
 لوہارو - ۱۱ ، ۱۲ ، ۷۹ .
 مدینہ منورہ - ۸۳ .
 مراد آباد - ۲۴ ، ۲۵ ، ۳۱ ، ۶۵ ، ۶۶ ،
 ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ .
 مراد نگر - ۲۵ .
 مکران - ۷۲ .
 مالک مغربی و شمالی - ۲۲ ، ۲۴ ، ۱۲۰ .
 میرٹھ - ۴ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۲۵ ، ۵۸ ، ۱۰۹ .
 منجیب آباد - ۳۱ .
 نربدا - ۸۸ .
 ہاہوڑ - ۶۸ .
 ہرات - ۵۴ .
 ہند ، ہندستان - ۱ ، ۱۲ ، ۱۹ ، ۲۲ ، ۲۳ ،
 ۲۴ ، ۵۴ ، ۵۸ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۷۷ ، ۸۲ ،
 ۸۴ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ،
 ۱۲۰ ، ۱۲۱ .

۳- فہرست کتب و اخبارات

- آئین اکبری - ۱۱۹ .
 آئینہ سکندر، اخبار - ۳ .
 ابر گہر بار، مثنوی - ۳۸ .
 اخبار الصنادید - ۱۸ ، ۲۳ ، ۲۵ ، ۳۱ ، ۳۳ ، ۴۷ ، ۵۲ ، ۵۴ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۷۸ ، ۸۵ ، ۹۲ .
 اردوی معلیٰ - ۱۰ ، ۱۴ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۹ ، ۵۲ ، ۵۴ ، ۵۸ ، ۶۵ ، ۶۷ ، ۶۹ ، ۷۱ ، ۷۹ ، ۸۲ ، ۹۸ ، ۱۰۴ .
 اعجاز خسروی - ۷۷ .
 اکبر نامہ - ۱۱۹ .
 امیر حمزہ کی داستان - ۵۸ ، ۵۹ .
 انتخاب بوستان خیال - ۴۸ .
 انتخاب یادگار، تذکرہ - ۳ ، ۱۳ ، ۴۰ ، ۴۲ ، ۴۶ ، ۵۹ ، ۶۴ ، ۶۶ ، ۸۵ ، ۹۲ ، ۱۰۹ .
 برہان قاطع - ۵۸ ، ۷۳ ، ۷۴ .
 بہار عجم، فرہنگ - ۸۳ .
 پنچ آہنگ - ۱۳ .
 تاریخ سلاطین تیموریہ - ۱۲ .
 تاریخ شاہان سلف - ۴۸ .
 تاریخ لطیف - ۴۰ ، ۷۲ ، ۷۹ ، ۸۵ ، ۹۸ .
 تاریخ ہند مصنفۃ الیٹ صاحب - ۷۹ .
 تذکرۂ کاملان رامپور - ۳۱ ، ۱۱۷ .
 تشریح السنین - ۷۲ .
 تیغ تیز - ۷۱ ، ۷۲ .
 تیغ تیز تر - ۷۱ ، ۷۲ .
 خزانۂ عامرہ - ۸۳ .
 خمسۂ فیضی - ۱۱۹ .
 داستان حمزہ (دیکھو: امیر حمزہ کی داستان).
 دہدہ سکندری، اخبار - ۴۸ ، ۸۶ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ .
 ✓ دستنبو - ۱۵ .
 دیوان اصغر - ۱۴ .
 ✓ دیوان غالب اردو - ۱۰ ، ۱۵ ، ۷۹ .
 ۸۰ ، ۸۱ ، ۱۱۰ .
 ✓ دیوان غالب فارسی - ۵۳ ، ۵۵ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ .
 دیوان ناظم - ۲ ، ۵۳ ، ۵۵ .
 دیوان نواب - ۴۸ .
 رموز حمزہ (دیکھو: امیر حمزہ کی داستان).
 ساطع برہان - ۵۸ .

- | | |
|-----------------------------------|---------------------------------------|
| گلشن فتوت - ۱۸ . | سواطع الالهام - ۱۱۹ . |
| لب لباب رمل - ۶۶ . | شرح اشعار بدر چاچی - ۷۷ ، ۷۸ . |
| مصطلحات شعرا - ۸۳ . | عود ہندی - ۱۴ ، ۳۱ ، ۵۰ ، ۵۸ ، ۷۹ . |
| مکاتبات علامی - ۱۱۹ . | غالب ، مصنفہ مہر - ۷۲ . |
| منتخب اللغات - ۸۳ . | غیاث اللغات - ۲ ، ۴۸ ، ۱۱۲ . |
| موارد الکلم - ۱۱۹ . | فرہنگ جہانگیری - ۸۰ ، ۸۲ . |
| موید برہان - ۷۱ . | فرہنگ رشیدی - ۸۰ ، ۸۲ ، ۸۳ . |
| ✓ مہر نیمروز (دیکھو: تاریخ سلاطین | قاطع برہان - ۵۸ ، ۷۱ ، ۸۲ . |
| تیموریہ) . | کلیات (ثر) غالب - ۱۳ ، ۱۱۵ . |
| ناسخ التواریخ - ۴۸ . | کلیات (نظم) غالب - ۶ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۶۹ ، |
| ✓ نامہ غالب - ۵۷ ، ۵۸ . | ۸۰ ، ۷۹ . |
| ہدیہ سعیدیہ - ۳ . | کلیات فیضی - ۱۱۹ . |
| ✓ یادگار غالب - ۶۵ . | گلشن بیخار - ۶۷ . |

تصحیح و استدراک

(پروف کی تصحیح میں انتہائی احتیاط کی باوجود متن اور حواشی میں بعض غلطیاں رہ گئیں تھیں ، نیز مکاتیب کی طباعت کو بعد کچھ نئی چیزیں بھی معلوم ہوئیں ، اسلئے مجبوراً تصحیح و استدراک کی نامشکور سعی کرتی پڑی ۔ براہ کرم غلطیوں کی اصلاح فرما لیجائی ، اور نئی معلومات مناسب مقام پر اضافہ کر لیجائیں ، تاکہ کتاب پڑھتی وقت کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو ۔)

ص ۱۲ ، سط ۱ و ۴ - « لاژد » بجائے « لارڈ » ۔

ایضاً ، حاشیہ نمبر ۴ ، سط ۵ - اضافہ کیجیے « (اردو معنی ، ص ۱۶۳) » ۔

ص ۱۴ ، حاشیہ نمبر ۳ ، سط ۴ - « بھائی کی حویلی » بجائے « بھائی کی حویلی » ۔

ص ۱۶ ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۸ - سنہ ۱۸۵۸ ع ، بجائے « سنہ ۱۸۸۸ ع » ۔

ص ۱۷ ، حاشیہ نمبر ۲ ، سط ۴ - « داروغہ تھی اور سو روپیہ » بجائے « داروغہ تھی سو روپیہ » ۔

ص ۱۹ ، سط ۶ - « لاژد » بجائے « لارڈ » ۔

ص ۲۱ ، حاشیہ ، سط ۶ - « بیان » بجائے « بیان » ۔

ص ۲۲ ، حاشیہ نمبر ۳ ، سط ۹ - « تر » بجائے « تر » ۔

ایضاً ، حاشیہ ، نمبر ۵ ، سط ۴ - « مالک مغربی و شمالی کو گورنر » بجائے « پنجاب کو گورنر » ۔

ص ۲۴ ، حاشیہ ، سط ۲۴ - « دعائی » بجائے « دعائی » ۔

ص ۲۶ ، حاشیہ ، سط ۵ - « کی » بجائے « کیلئے » ۔

ایضاً ، حاشیہ ، سط ۸ - « جا » بجائے « جا جا » ۔

ص ۲۷ ، سط ۱۴ - « نواز شنامہ » بجائے « لوا شنامہ » ۔

ص ۲۹ ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۱۵ - « کیا » بجائے « کبا » ۔

ایضاً ، حاشیہ ، سط ۱۷ - « دیدہ ور » بجائے « دیدور » ۔

ص ۳۷ ، حاشیہ ، سط ۱ و ۱۵ - « مارچ » بجائے « فروری » ۔ (یہ اردو معنی کے مطبوعہ ایڈیشن کی غلطی تھی) ۔

ص ۴۰ ، سط ۲ - « ہزار » بجائے « ہزار » ۔

ایضاً ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۱ - « مرزا » بجائے « مرز » ۔

ص ۴۱ ، سط ۱۰ - « ٹھرتا » بجائے « ٹھرتا » ۔

ص ۴۴ ، سط ۱۵ - « ناتوانان » بجائے « ناتوان » ۔

ص ۴۹ ، سط ۱۳ - « چو » بجائے « چون » ۔

ص ۵۰ ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۱۹ - « آمر » بجائے « امر » ۔

ص ۵۹ ، سط ۹ - « چو » بجائے « چون » ۔

ص ۶۰ ، سط ۱ - « دستاری » بجائے « دستاری » ۔

ص ۶۶ ، حاشیہ نمبر ۲ ، سط ۹ - اضافہ کیجیے « سعید الدین خان صاحب کو ۲۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۳ » ۔

مطابق ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۸۶ ع اور ۸ جمادی الاولیٰ سنہ مذکور مطابق

۱۳ فروری سنہ مذکور کو درمیان انتقال کیا ۔

- ص ۶۶، حاشیہ نمبر ۳ - دکنی معلوم ہوسکا، کہ بجائے "اونکی صاحبزادہ مولوی محمد نجم الحسن خان کی مکتوب مورخہ ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۷۸ ع می معلوم ہوتا ہے کہ صدر الصدور صاحب بانس بریلی کی باشندی تھی، اور خط لکھتی ہو پانچ سال قبل، تقریباً سنہ ۱۸۷۳ ع میں، انتقال کر گئی۔ صدر الصدور صاحب کی برادر خورد مولوی حامد حسن خان بھی صدر الصدور تھی۔ یہ فروری سنہ ۱۸۷۸ ع میں فوت ہوئی۔
- ص ۶۹، حاشیہ، سط ۵ - دکنی، بجائے "دکنی"۔
- ص ۷۵، حاشیہ، سط ۴ - ۱۱۰۰ بجائے ۱۰۹۰۔
- ص ۷۸، حاشیہ، سط ۲ - ۱۲۲۱ بجائے ۱۲۴۸۔
- ص ۸۰، سط ۱۸ - "لکھتے، بجائے "لکھتے"۔

- ص ۹۵، حاشیہ نمبر ۱، سط ۲ - (رجب سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ ع) میں، بجائے "غدر سنہ ۵۷ ع می قبل۔"
- ص ۹۹، خط ۹۱ - (مکاتیب کی ترتیب کی وقت قطعہ آئندہ کی متعلق صرف اسقدر معلوم ہوسکا تھا، کہ نواب خلد آشیان کی مفتی امیر احمد مینائی مرحوم کی حوالہ کر دیا۔ لیکن حسن اتفاق سے کتاب کی طباعت ختم نہوتی تھی، کہ منشی عتیق الرحمن خان کلیم رامپوری کی قطعہ مذکور پیش کیا اور بتایا کہ میں نے امیر مینائی مرحوم کی پوتوں سے حال میں پرانی ردی خریدی ہے، اوس میں سے یہ قطعہ دستیاب ہوا ہے۔ حقیر عرشی نے اسے گنج باد آورد شمار کرتے ہوئے سر دست آخر میں شامل کر دینا مناسب خیال کیا۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اپنی مقام پر درج کیا جائیگا۔)

(قطعہ)

ہند میں اہل تسنن کی ہین دو سلطنتیں
حیدرآباد دکن، رشک گلستان ارم
رامپور اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہان ہشت بہشت آکے ہوئی ہین باہم
حیدرآباد بہت دور ہے۔ اس ملک کے لوگ
اوسطرف کو نہیں جاتے ہین۔ جو جاتے ہین تو کم
رامپور آج ہے وہ بقعہ معمور، کہ ہے
مرجع و مجمع اشراف نژاد آدم
رامپور ایک بڑا باغ ہے از روی مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خورم

جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں^(۱) برسین
 ہے اوسی طور پہ یان دجلہ فشان دستِ کرم
 ابرِ دستِ کرم کلبِ علیخان سے مدام
 دُڑِ شہوار ہین، جو گرتے ہین قطرے پیہم
 صبحدم باغ میں آجائے جسے ہو نہ یقین
 سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم
 حَبْدًا باغِ ہمایونِ تقدس آثار
 کہ جہان چرنے کو آئے ہین غزالانِ حرم
 مسلکِ شرع کے ہین راہرو و راہ شناس
 خضر بھی یان اگر آجائے تو لے انکے قدم
 مدح کے بعد دعا چاہیے اور اہلِ سخن
 اسکو کرتے ہین بہت بڑھکے بہ اغراق رقم
 حق سے کیا مانگیے؟ انکے لئے جب ہو موجود
 ملک و گنجینہ و خیل و سپہ و کوس و علم
 ہم نہ تبلیغ کے مایل نہ غلو کے قایل
 دو دعائیں ہین کہ وہ دیتے ہین نواب کو ہم
 یا خدا! غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
 دو وہ چیزیں کہ طلبگار ہے جنکا عالم
 اولاً عمرِ طبعی بہ دوامِ اقبال
 ثانیاً دولتِ دیدارِ شہنشاہِ امم

ص ۱۰۳، حاشیہ نمبر ۲، سط ۱۔ لکھنویا، بجائو، ملکیا،

ص ۱۰۴، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۔ مشفق، بجائو، مشفق،

ص ۱۰۵، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۲۔ اضافہ کیجو، مظفر حسین خان نے سنہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں انتقال

کیا (کلیاتِ منیر، ص ۵۴۷)۔

”(۱) میرزا صاحب نے گھٹائیں، لکھا ہو۔

The Rampur State Library Publication Series. No. 1.

MAKĀTĪB-I-GHĀLIB

A collection of 115 letters of Najm-ud-Dawlah Dabir-ul-
Mulk Mīrzā Asad-ullāh Khān Bahādur *Ghālīb*
Nizām-Jang Dihlawī addressed to
Nawwāb Firdaws-Makān,
Nawwāb Khuld-Āshyān
and other persons.

Edited by

IMTIYĀZ 'ALĪ 'ARSHĪ

Librarian, The State Library, Rampur State, U.P., India.



(All rights reserved)

QAYYIMAH PRESS

(PROPS.: SHARAFUDDIN & SONS)

BOMBAY

1937

